الله

اسلام اور ولایت

مصنف:
ابو الحقائق علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

اسلام اور ولایت

مصنف:

ابو الحقائق علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

۱۱- گنج بخش روڈ لاہور

042-7313885

نام کتاب ——— اسلام اور ولایت

مصنف ——— ابوالحقائق علامہ غلام مرتضٰی ساقی مجددی

صفحات ——— 544

کمپوزنگ ——— تنظیم الاسلام گرافکس گوجرانوالہ

تعداد ——— 1100

اشاعت ——— ستمبر 2004ء

ناشر ——— نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور

کمپیوٹر کوڈ ——— 1N-90

قیمت ——— 300

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

11 گنج بخش روڈ لاہور فون: 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے فیصل آباد فون: 626046

انتساب

تاجدارِ ولایت، غضنفر شجاعت — پنجۂ پنجتن، شاہِ خیبر شکن

رازدارِ ھل اتیٰ، مرادِ قل کفیٰ — امام المتقین، امیر المؤمنین

شیرِ خدا، بابِ علمِ مصطفیٰ — حیدرِ کرار، لا فرار

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

کے مبارک نام!

بوساطت

سراج العارفین، شہبازِ طریقت، شارحِ مکتوباتِ امام ربانی

شیخِ طریقت حضرت علامہ ابو البیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

نیاز مند

ابو التحقیق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی

فہرست

عرض مصنف

ولایت قرب خداوندی کا ایک خاص مقام ہے، اللہ تعالیٰ یہ مقام وابستگان قرآن وسنت اور صاحبان تقویٰ وطہارت کو عطا فرماتا ہے، بدمذہب اور بدعمل لوگوں کا ولایت اور قرب الٰہی سے کوئی تعلق نہیں، دور حاضر میں ولایت کے تصور کو دھندلا دیا گیا ہے، ہر آدمی اپنے اندر ایک خودساختہ تصور لیئے بیٹھا ہے، بلکہ آج کل تو خلاف شرع، بدعمل، بدکردار، بے نماز، روزہ خور، تارک زکوٰۃ، منکر حج، بھنگی چرسی اور شرابی کبابی کو بھی ''ولی'' اور ''پہنچی سرکار'' خیال کیا جاتا ہے اور عامل سنت و شریعت، پابند صوم وصلوٰۃ اور صاحب تقویٰ وورع کو ''مولوی'' کہہ کر نظرانداز کر دیا جاتا ہے...... العیاذ باللہ۔

حالانکہ قرب ایزدی محض سنت وشریعت پر عمل کرنے سے ملتا ہے، اور شریعت وسنت کی مخالفت کرنے والے ولایت اور قرب الٰہی سے اس قدر دور ہیں، جس قدر زمین آسمان سے دور بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ، جعلی صوفیوں نے بزعم خود اسلام کے تصور ولایت کو اسی لئے مٹا دیا ہے تاکہ لوگ ان کی بدعملی اور غلط روی پر زبان تنقید نہ کھول سکیں اور ان کی ہر اچھی بری بات کو ''معرفت اور حقیقت'' سمجھ کر باور کر لیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو حقیقی اولیاء اور مقربان بارگاہ الٰہی کی عظمتوں، رفعتوں، مقامات، تصرفات اور کرامات کا انکار کرتے ہیں۔

مسلک اہلسنت وجماعت چونکہ اعتدال اور میانہ روی کا علم بردار ہے اس لئے اہل سنت وجماعت کو دو طرفہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے، ہم لوگ جہاں جعلی صوفیوں سے لاتعلقی کا اظہار کرتے وہاں حقیقی صوفیہ اور اصلی اولیاء کی عظمت ورفعت کی بات بھی کرتے ہیں۔ ہم ایک طرف جھوٹے، مدعیان ولایت وطریقت کے مکروفریب کا رد کرتے ہیں،

تو دوسری طرف ہمیں منکرین عظمت اولیاء کے خلاف ہزرہ سرائیوں کی بھی خبر لینا پڑتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اسلام کا نام لے کر مسلمانوں کی متاع ایمان لوٹتے ہیں۔

11 اپریل 2002ء بروز جمعرات راقم الحروف کو جب آفتاب رشد و ہدایت، سراج العارفین، شہباز طریقت حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز نے خرقہ ء خلافت سے نوازا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کام امام الاولیاء، مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے روحانی اشارے پر کیا گیا ہے، ان دنوں عاجز کی عجب کیفیت تھی، قدرتی طور پر دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا کہ اولیاء کرام کی شان اور بعد از وصال ان کے تصرفات پر ایک تحقیقی مقالہ تحریر کر دیا جائے۔

بس اللہ کا نام لے کر اس امر خیر کا آغاز کر دیا...... یہ اللہ و رسول کا کرم، اولیاء کرام کا تصرف اور میرے حضرت قبلہ ابوالبیان علیہ الرحمۃ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ یہ مقالہ بڑھتے بڑھتے تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات تک پہنچ گیا...... بعض مضامین ارادۃً قلم انداز کر دیئے گئے، ورنہ اس کا حجم ایک حصہ اور بڑھ جاتا۔ راقم اپنے ابتدائی دور میں سوچا کرتا تھا کہ لوگ اتنی بڑی بڑی کتابیں کیسے لکھ دیتے ہیں، اور اب ورطہ ء حیرت میں گم ہے کہ اس سے یہ ضخیم کتاب کیسے لکھی گئی۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

اس کتاب میں قرآن وحدیث اور اکابرین کے حوالہ جات سے اولیاء کرام کی شان، مقام، تصرف اور کرامت پر خاطر خواہ کلام کیا گیا ہے۔ اور کئی مقامات پر مخالفین کی تصریحات درج کر کے ان پر بھی حجت تمام کی گئی ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ گندم نما جو فروشوں کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے۔ جس کا مقصد محض احقاق حق اور ابطال باطل ہے، ذاتی منفعت اور دنیوی غرض نہیں،

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پرکھ کر دیکھ
فکر چمن ہے مجھے غم آشیاں نہیں

چونکہ یہ تصنیف حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کے باطنی تصرف سے معرض وجود میں آئی ہے، جس میں آقائے ولی نعمت حضرت ابوالبیان علیہ الرحمۃ کا وسیلہ کارفرما ہے اس لئے اس کا انتساب بوساطت قبلہ حضرت صاحب آپ کے نام ہے۔

راقم الحروف کے خیال ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ کرم اسلئے فرمایا کہ اس عاجز کی آپ کے مخالفین یعنی خارجیوں کے ساتھ اکثر اوقات نبرد آزمائی رہتی ہے۔ متعدد مناظرے اور کچھ تصانیف بھی ان کے رد میں معرض وجود پر آ چکی ہیں۔ ایک مستقل تصنیف بنام ''خارجیت کے مختلف روپ'' عنقریب شائع ہو رہی ہے۔ جس میں اس گمراہ کن خارجی فرقہ کے مختلف ادوار میں اختیار کردہ روپ بے نقاب کیے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کے گمراہانہ عقائد ونظریات اور غیر مسلمانہ اقدامات کو طشت از بام کیا گیا ہے۔ اس فرقہ کے ابتدائی گروہ نے حضرت مولائے کائنات پر کفر وشرک کا فتویٰ چسپاں کرنے سے بھی گریز نہ کیا تھا۔ شاید عاجز کی یہ تردیدی کوشش آپ کیلئے فرحت وانبساط کا ذریعہ بنی ہو، تو آپ نے اس ناکارۂ خلائق کی حوصلہ افزائی فرمائی ہو۔ العیاذ باللہ

اس موقع پر اپنے محسنین اور معاونین کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہے۔ خصوصاً شیخ المحدثین حضرت العلام حافظ غلام نبی نقشبندی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ فیصل آباد، رئیس المناظرین حضرت علامہ مفتی محمد سعید نقشبندی کیلانی، مفتی آستانہ عالیہ حضرت کیلانوالہ شریف، رئیس التحریر حضرت علامہ مولانا محمد منشاء تابش قصوری، پیکر محبت، برادر اکبر جناب محمد منشاء نقشبندی، جنہوں نے کمال شفقت فرماتے ہوئے تقاریظ سے نوازا۔

خطیب ملت حضرت علامہ صاحبزادہ سید احمد فاروق شاہ مجددی جنہوں نے بڑی محبت کے ساتھ وقیع مقدمہ تحریر فرما کر کتاب کی اہمیت کو دوچند کر دیا۔

راقم اپنے طلباء مثلاً صاحبزادہ محمد عطاء المصطفیٰ جمیل ساقی، مولانا محمد احسان اللہ مجددی، محمد سعید احمد ساقی مجددی، حافظ محمد جاوید مجددی، محمد کامران مجددی، حافظ مظہر اقبال، سید سلامت علی شاہ، حافظ محمد راشد، حافظ محمد شاہد مجددی و دیگر طلباء کے لئے صحت وتندرستی، علم دین، علم نافع کیلئے دعا گو ہے، جنہوں نے پوری محنت کے ساتھ حوالہ جات تلاش کرنے میں راقم کے ساتھ تعاون کیا۔ اور غوثیہ کتب خانہ کے مالک برادر طریقت جناب مولانا محمد منور حسین مجددی کیلئے بھی دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین ودنیا کی برکتیں عطا فرمائے۔ عمل صالح اور دین اسلام اور مسلک اہلسنت کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

راقم الحروف جناب محمد ندیم ارشد مجددی اور محمد جاوید مجددی کمپیوٹر آپریٹر کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے بڑی سلیقہ شعاری سے کتاب کو کمپوزنگ کے مراحل سے گزارا۔

پوری کوشش کے باوجود اغلاط کا رہ جانا ایک فطری امر ہے، اسلئے قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کوئی خامی دیکھیں تو دامن عفو میں جگہ دے کر مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جاسکے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی الا باللہ

احقر العباد

ابوالحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی
دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ 477/A
ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

تقریظ

شیخ المحدثین، وارث علوم حضرت محدث اعظم پاکستان رضی اللہ عنہ
شیخ القرآن والحدیث، حضرت العلام علامہ حافظ
ابوالخیر غلام نبی نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث، جامعہ رضویہ، گلستان محدث اعظم، فیصل آباد

فاضل جلیل حضرت مولانا ابوالحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی، تدریس، تقریر اور مناظرہ کے شعبہ جات کے علاوہ تحریر کے میدان میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ قلیل مدت میں ان کی متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں...... اور تاہنوز بڑی سرعت کے ساتھ یہ سلسلہ جاری وساری ہے...... باعث صد مسرت یہ امر ہے کہ ان کی تصنیفات میں علمی، تحقیقی اور ادبی عنصر غالب ہے، پیش نظر کتاب اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قدرت نے مولانا کو گونا گوں خوبیوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ تحقیق، جستجو، محنت، جہد مسلسل گویا ان کی گھٹی میں شامل ہے

راقم الحروف دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے، ان کے علم، حلم اور قلم میں مزید برکت دے۔ آمین

بحرمة سيدالمرسلين عليه الصلوٰة والتسليم وعليهم اجمعين

ابوالخیر غلام نبی عفی عنہ

جامعہ رضویہ، گلستان محدث اعظم، فیصل آباد

تقریظ

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، رئیس المناظرین
مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا
حافظ محمد سعید احمد نقشبندی کیلانی مدظلہ
مفتی آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف (علی پور چٹھہ)

حامدا ومصلیا ومسلما ومبسلما ......امابعد

جس طرح ہر دور میں کچھ بدبختوں نے خدائی کے جھوٹے دعوے کیئے اور بعض ناعاقبت اندیش مدعیان نبوت بن بیٹھے، اسی طرح آج کے اس پرفتن اور مادی دور میں بہت سے مادہ پرست اور ملحد، ولایت کا جعلی لبادہ اوڑھ کر جبہ ودستار کی ناموس کو تار تار کرنے کے درپے ہیں ۔ یہ نام نہاد پیر دین کے رہزن، ایمان کے ڈاکو، انسانیت کیلیئے باعث ننگ وعار اور شریعت وطریقت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں ۔

دور حاضر میں ان بہروپیوں کے چہروں سے نقاب ہٹانا اور ان کے مکرو فریب سے آگاہ کرنا انتہائی ضروری ہے تاکہ عوام الناس حق وباطل میں امتیاز قائم کرسکیں ۔ اوران نفوس قدسیہ، پاکبازان امت، صلحائے ملت اور اولیائے کاملین تک رسائی حاصل کرسکیں، جن کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب لاریب میں ارشاد فرمایا: **الاان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ الذین**

امنوا و کانوا یتقون

اسی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے فاضل نگینہ، عاشق مدینہ، فخرا لجہابذہ استاذ الاساتذہ، بحرالعلوم، جامع شریعت وطریقت، واقف حقیقت ومعرفت، حضرت العلام ابوالبیان برادرم مولانا محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید، خلیفہء مجاز اور روحانی سپوت، محقق اہل سنت، ترجمان نقشبندیت ومجددیت عزیزم مولانا ابوالحقائق غلام مرتضٰی ساقی مجددی زید مجدہٗ نے قرآن و حدیث کے دلائل اور اکابرین امت کے اقوال کی روشنی میں شان اولیاء کرام کی علامات، مقامات، تصرفات اور کرامات پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا اور نیز مخالفین کے شکوک و شبہات اوراعتراضات کے مسکت جواب دیئے ہیں اورحق تو یہ ہے کہ فاضل محقق نے حضرت قبلہ مجددی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی نسبت کا حق ادا کردیا ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

راقم الحروف نے کتاب کا مختلف مقامات سے مطالعہ کیا اور بحمدہ تعالیٰ کتاب ھذا کو اپنے موضوع پر مکمل واکمل اور دلائل و براہین سے آراستہ ومزین پایا، بلکہ آج تک اس موضوع پر ایسی جامع کتاب نظر سے نہیں گزری۔

بارگاہ صمدیت میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم مولانا ابوالحقائق غلام مرتضٰی ساقی مجددی سلمہ اللہ تعالیٰ کو خدمت دین متین، مسلک اہل سنت و جماعت اور طریقت مجددیہ کی ترجمانی کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

حافظ محمد سعید نقشبندی کیلانی عفی عنہ

۱۷شوال المکرم ۱۴۲۴ھ

بمطابق 12-12-2003

نشان منزل

ادیب شہیر، خطیب دلپذیر، عمدۃ العلماء
نمونہ اسلاف حضرت علامہ مولانا
محمد منشا تابش قصوری
مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واللہ یختص برحمتہ من یشآء

صاحبان علم وقلم کا شمار محال ہے۔ لاتعداد ایسے ماہرین ہیں جنہوں نے قلم کے تقدس کو طہارت و پاکیزگی کی بلندیاں عطا کیں۔ قرطاس ابیض پر تحقیق و تدقیق کے سدابہار گلزار کھلائے۔ جن کی خوشبو سے مشام جاں مہک اٹھے۔

حقیقتاً علم وعمل کا مدار قلم سے وابستہ ہے، قلم کی اہمیت وعظمت پر قرآن وسنت ناطق ہیں۔ قدیم وجدید علوم قلم کا طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ مدارس، مکاتب سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور ہر شعبہ حیات سے متعلقہ ادارے محتاج قلم ہیں۔ حق وصداقت کا علم بلند رکھنے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے قلم ہی سے رزمگاہ میں کام لیا جاتا ہے۔ فتنہ ہائے باطل کی سرکوبی کے لئے قلمی میزائیل ہی کام دیتے ہیں، اسلاف نے اخلاف کیلئے بہت سی قلمی راہیں متعین کیں، انہیں کے نقوش جمیلہ پر چلتے

ہوئے حضرت علامہ صاحبزادہ مولانا ابوالحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب زید مجدہ' نے راہوار قلم کی لگام تھامی ہے اور یکے بعد دیگرے نہایت تحقیقی کتابیں تصنیف فرما کر نوجوان علمائے اہل سنت میں ایک نام پیدا کرلیا ہے۔

سچی بات ہے کہ فی زمانہ سنی اہل علم وقلم میں حضرت ساقی ایسے محقق کا سامنے آنا نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ موصوف اپنی منفرد نگارشات کے باعث ممتاز مقام حاصل کر چکے ہیں۔ مولانا ابوالحقائق مدظلہ' کے مضامین رسائل و جرائد کی زینت تو بنتے ہی رہتے ہیں۔ مگر ان کی ہر موضوع پر کتابوں کا ظہور جہد مسلسل اور قلم سے عشق کی حدتک لگاؤ کا پتہ دیتا ہے۔

آپ کی دو مطبوعہ کتابیں پیش نظر ہیں جبکہ تیسری عظیم وضخیم تصنیف ''اسلام اور ولایت'' کی کمپوزنگ کاپی کے مطالعہ سے محظوظ ہو چکا ہوں۔

ایک کتاب ''اہل جنت اہل سنت'' اور دوسری کتاب نجدی تلبیسات وخرافات کا ''تحقیقی محاسبہ'' ان دونوں کتابوں کو اپنے اپنے ''موضوع'' پر موصوف نے جس انداز میں مزین فرمایا ہے یہ آپ ہی کا خاصا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے نہایت تجربہ کار مناظر و محقق دلائل و براہین کے انبار لگا رہا ہے۔ تفہیم عمدہ، گرفت سخت، عبارت مسحور کن، وار تیز دھار تلوار، علوم وفنون کا سیل رواں۔ سبحان اللہ!

تیسری کتاب ''اسلام اور ولایت'' جو زیور طباعت سے آراستہ ہوا چاہتی ہے۔

کتاب کیا ہے؟ تصوف وروحانیت اور علم وعرفان کا بہتا ہوا نورانی دھارا ہے جس کی حسین اور پرکشش طراوتوں سے عوام وخواص خوب مستفیض ہونگے۔ یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ جس کے مضامین کی طویل فہرست نے قارئین کو اپنی صوابدید اور پسند کے موضوع کو پھولوں کی طرح سجا دیا ہے۔

پہلا باب...... شان اولیاء۔ دوسرا باب...... نظام خانقاہی اور اس کے زوال

کے اسباب۔تیسرا باب......تصرفات اولیاء۔چوتھا باب......کرامات اولیاء
دیکھنے میں تو یہ صرف چار عنوان ہیں۔مگر جب کتاب ملاحظہ فرمائیں گے تو
آپ حیران رہ جائیں گے کہ یہ تصنیف اس دور کی قابل تحسین وتبریک اور لائق
استفادہ واستفاضہ ہے۔

حضرت ساقی صاحب نے اسے عام روائتی وسطحی طور پر مرتب نہیں کیا بلکہ
تحقیق وتدقیق کا حق ادا کرتے ہوئے جدید اہل قلم کیلئے گائیڈ لائن دی ہے۔جس راہ پر
چلتے ہوئے ہمارے نوجوان قلم کے محاذ کو با آسانی فتح کرسکتے ہیں۔

میری دعا ہے،مولیٰ تعالیٰ فاضل جلیل،عالم نبیل،مدرس عظیم،مناظر عدیم
النظیر،خطیب دلپذیر حضرت علامہ ابوالحقائق مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی طولعمرہٗ
کو مزید خوبیوں سے بہرہ مند فرمائے اور قلم کی رفتار میں انوار مہتاب وآفتاب کی سی
تیزی مرحمت فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

2جنوری2004ء   یوم الجمعۃ المبارکہ ۸ ذیقعدہ مبارکہ ۱۴۲۴ھ

محمد منشا تابش قصوری

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

خطیب مریدکے

تقریظ

برادر اکبر، سراپا شفقت، پیکر محبت، عزت مآب

جناب محمد منشاء نقشبندی

گورنمنٹ کالج نیائیں چوک گوجرانوالہ

برادر اصغر، فاضل ذیشان، استاذ العلماء، مناظر اسلام حضرت علامہ ابوالحقائق مولانا غلام مرتضیٰ ساقی مجددی دامت برکاتہم العالیہ (خلیفہ مجاز درگاہ حضرت ابوالبیان علیہ الرحمہ) اہلسنت و جماعت کے معتمد اہل قلم اور مستند اہل علم میں سے ہیں...... قدرت نے آپ کو گوناگوں خوبیوں اور بلند پایہ صفتوں سے نواز رکھا ہے، میدان تقریر ہو یا میدان تحریر، تدریس ہو یا مناظرہ، آپ ہر شعبہ کے ماہر اور کہنہ مشق شہسوار ہیں۔

اسٹیج پر رونق افروز ہوں تو خطاب باصواب میں علم وادب اور تحقیق و جستجو کا ایک سیل رواں بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے...... انداز گفتگو ایسا کہ خطابت کی جولانیوں میں حضرت ابوالبیان علیہ الرحمۃ کی روح مبارک بولتی محسوس ہوتی ہے۔ قلم و قرطاس سنبھالیں تو حق تحقیق ادا کر دیں۔

قرآن وحدیث کے بھرپور دلائل، یگانوں اور بیگانوں کے تائیدی حوالہ جات آپ کی تحریر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

"تحقیق" آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ آپ زمانہ طالب علمی میں ہی اس

میدان میں کود پڑے تھے...... الحمدللہ !...... اب پورے ملک میں ایک عظیم محقق کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ بلکہ اب تو بیرون ملک بھی آپ کی تحقیق وجستجو سے بھرپور تصانیف کی اشاعت کا مرحلہ قریب آ رہا ہے...... مدت قلیل میں کتب کثیرہ تصنیف کرڈالنا یہ دور حاضر میں آپ کا بلند پایہ کارنامہ ہے، سریع التحریر اور وسیع التصنیف ہونے کے باعث اگر آپ کو ''رئیس القلم'' یا ''ملک التحریر'' کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مجھے یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ دور حاضر میں نوجوان علماء میں کسی ایک شخصیت کا ان تمام شعبہ جات میں ''کارہائے نمایاں'' سرانجام دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے...... خدائے ذوالمنن نے علامہ ساقی مدظلہ کو ان امور کی انجام دہی کے لئے چن لیا ہے...... یہ اسکا کرم ہے، جس پر چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

اللّٰہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب

پیش نظر کتاب ''اسلام اور ولایت'' حضرت کے رشحات قلم کا ایک عظیم علمی، تحقیقی اور ادبی شہ پارہ اور اپنی نوعیت کا ایک بلند رتبہ صحیفہ ہے، جس میں آپ نے اولیاء کرام کی صفات، مقامات، تصرفات، کرامات اور نظام خانقاہی پر قرآن وحدیث، اکابرین اور مخالفین کی کتب کے ٹھوس حوالہ جات سے خوب داد تحقیق دی ہے۔ اس کے علاوہ رسمی پیروں اور ایمانی رہزنوں سے بھی جس انداز میں خبردار کیا گیا ہے وہ اسی کتاب کا حصہ ہے۔ اپنے موضوع پر اس قدر ضخیم، محققانہ اور مدلل کتاب کم از کم راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری...... اردو زبان میں تو بالکل ہی نہیں ہے، جبکہ عربی زبان میں بھی ان صفات کی حامل کتاب کا ملنا نہایت دشوار ہے۔

انداز تحریر نہائت عمدہ، طرز بیاں از حد شائستہ، کسی مقام پر آپ قرآن وحدیث کے دلائل کا انبار لگانے کے بعد ایک خیر خواہ کے پرسوز لہجے میں دعوت فکر

اور قبول حق کی تلقین کرتے ہیں...... کسی مقام پر تصرفات اولیاء پر متعدد احادیث پیش کر کے پھر انکی ثقاہت پر وقیع دلائل رقم فرما اپنی محدثانہ شان کا اظہار کرتے ہیں...... کسی مقام پر موقعہ کی مناسبت سے تحریر میں "مناظرانہ جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے...... جس سے کتاب کا مزہ دوچند ہو جاتا ہے...... اور قاری نہایت دلجمعی اور پوری دلچسپی کیساتھ گفتگو سے مستمع اور لطف اندوز ہوتا ہے۔

آپ کی تحریر میں چاشنی اور کشش اس قدر ہے کہ کتاب کو شروع کر لیں تو جی چاہتا ہے ایک ہی مجلس میں پوری کتاب پڑھ ڈالیں...... اکتاہٹ اور دل برداشتگی تو نام کو نہیں ہے۔ کتاب پڑھنے والا ہر قاری پکار اٹھتا ہے

ساقی تیری خیر تیرے میکدے کی خیر
اتنی پلا کہ نشہ عمر بھر رہے

بہر حال ہم تو یہی عرض کر سکتے ہیں کہ:

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ دین متین اور مسلک حق اہلسنت و جماعت کی بیش از بیش خدمات عالیہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

خاکپائے علمائے اہلسنت

محمد منشاء نقشبندی

گورنمنٹ سٹی کالج

نیائیں چوک گوجرانوالہ

111067

مقدمہ

مخلوق کی ہدایت وراہنمائی کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش انبیاء اپنے اپنے دور میں مخلوق خدا کی ظاہری و باطنی اصلاح فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید المرسلین ﷺ پر اس سلسلہ کو ختم فرما کر نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند فرما دیا، تاہم ہدایت کا دروازہ قیامت تک کیلئے کھلا ہے۔ چونکہ اب دنیا میں کوئی نیا نبی اور رسول تشریف نہیں لائے گا اس لئے حضور سرور کائنات ﷺ کے بعد ہدایت واصلاح کا یہ کام اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے دو عظیم گروہوں کے سپرد فرمایا...... ظاہر کی اصلاح کی ذمہ داری علمائے دین کے سپرد ہوئی جبکہ باطن کی اصلاح کا کام صوفیا واولیاء کو سونپا گیا۔

جن پاکان امت کو دین کے ظاہر کی حفاظت پر مامور فرمایا گیا، وہ علماء مفسرین، محدثین، مجددین، مجتہدین، مجاہدین، مصلحین اور مبلغین کہلاتے ہیں، جبکہ جن نفوس قدسیہ کے دم قدم سے دین کا باطنی نظام رواں دواں ہے وہ صوفیاء، فقراء، اولیاء، اوتاد، افراد اور غوث وقطب کہلاتے ہیں ...... یہ دونوں گروہ ہر دور میں اپنا فریضہ بڑی جانفشانی اور محنت سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مسائل سے آگاہی، دین کی ترویج واشاعت، عقائد کی درستگی، شریعت کا نفاذ اور مساجد ومدارس کا قیام علماء فرماتے رہے، جبکہ اخلاص نیت، حضور قلب، توکل، صبر وشکر، تسلیم ورضا، یقین واحسان، فنا وبقا، تزکیہ وتصفیہ اور منازل سلوک اولیاء وصوفیاء طے کرواتے رہے۔

جب کبھی دین کے ظاہر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو علماء حق میدان عمل میں کود پڑے...... بادشاہوں سے ٹکرا گئے باطل کے سامنے سینہ سپر ہو گئے...... انہوں نے بے دین حکومتوں کے پرخچے اڑا دیئے...... دین اسلام کے دشمنوں کے لئے درہ فاروقی بن کر برسے، اور برق خاطف کی طرح گرے بوقت ضرورت گردنیں کٹاتے رہے۔ گھر بار لٹاتے رہے تختہ دار پر چڑھ گئے...... سولی پر لٹک گئے...... لیکن دین پر آنچ نہ آنے دی۔

اور جب کبھی دین کے باطن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی یا علماء حق مغلوب ہو گئے تو پھر اہل باطن (اولیاء اللہ) خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کرنے کیلئے برسر پیکار ہوئے۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تاریخ شاہد ہے کہ ان اولیاء اللہ نے اپنے روحانی تصرفات اور باطنی کمالات سے دلوں اور دماغوں کو بدل ڈالا...... بت پرستوں کو بت شکن اور رہزنوں کو رہبر بنا دیا۔

❁...... فتنہ تاتار کی بربادیوں اور تباہ کاریوں سے کون ناواقف ہے۔ جس میں تقریباً ۹ لاکھ علماء اور ۵۰ لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا...... انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے گئے...... مسلمانوں کا علمی سرمایہ دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا، جب دین کا ظاہری نظام درہم برہم ہو گیا تو پھر اولیاء اور صوفیاء میدان میں اترے۔ لشکر و سپاہ اور افرادی قوت لے کر نہیں بلکہ باطنی تصرفات اور روحانی طاقت لے کر۔ یہ اولیاء اس وقت تک میدان عمل میں رہے تا آنکہ سقوط بغداد کرنے والے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

؎ ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

❁...... ماوراالنہر، بخارا، سمرقند، آذربائیجان اور تاشقند کے علاقے کسی دور میں اسلام کے مراکز سمجھے جاتے تھے، یہاں بڑے بڑے علماء، صلحاء، صوفیا اور اولیاء پیدا ہوئے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ روس نے یہاں اپنا تسلط جمالیا...... کمیونزم نے اپنے خونی پنجے گاڑ دیئے...... مساجد منہدم کردی گئیں...... مدارس تباہ ہو گئے...... خانقاہوں پر بلڈوزر چلادیئے گے...... علماء کا قتل عام کیا...... اذان، نماز اور خطبات جمعہ پر پابندی عائد کردی گئی اس دوران اولیاء کرام اور صوفیاء عظام زیر زمیں رہ کر اپنے باطنی تصرفات کے ذریعے دین کا کام کرتے رہے۔ یہ انہی نفوس قدسیہ کی روحانی توجہات کا اثر تھا کہ بالاخر سپر پاور روس کا شیرازہ بکھر گیا اور مسلمانوں کو آزادی کی دولت نصیب ہوئی۔ تقریباً 70 برس تک کمیونزم کے زیر سایہ غلامی کی زندگی بسر کرنے کے باوجود مسلمانوں نے اپنے اسلامی تشخص کو برقرار رکھا، روس کے پنجہ استبداد سے آزاد ہونے والی ان ریاستوں کے آزاد ہوتے ہی مساجد ومدارس پھر سے آباد ہو گئے۔ خانقاہوں کی رونقیں پلٹ آئیں اور لوگ کشاں کشاں اپنے رب کے حضور سربسجود ہونے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

نہیں فقر و سلطنت میں کچھ امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

❁...... اگر برصغیر پاک وہند کی تاریخ کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہاں اسلام کی ترویج واشاعت کرنے والوں میں بادشاہوں، حکمرانوں، فرمانرواؤں اور جاگیرداروں کے نام نہیں آتے بلکہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی علیہم الرحمۃ کے نام روز روشن کی طرح نمایاں نظر آتے ہیں۔

آج پاک وہند کی سرزمین پر جو کروڑوں مسلمان دکھائی دیتے ہیں تو یہ کسی

بادشاہ، سپہ سالار یا جرنیل کی تبلیغ کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ لوگ اولیائے عظام اور علمائے کرام کی سعی جمیلہ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔

یہی وہ مردان حق آگاہ ہیں کہ جن کے طفیل کفر وشرک کی کالی گھٹائیں کافور ہوگئیں ......ضلالت وگمراہی کے اندھیرے چھٹ گئے ......ظلمت کدہ ہند میں نور اسلام کا اجالا پھیلا ......فضائیں نغمہ توحید ورسالت سے معمور ہوگئیں اور بتوں کے پجاری خدائے وحدہٗ لاشریک کے حضور سجدہ ریزے ہوگئے۔

مگر افسوس کہ آج انہی پاکباز ہستیوں کے آستانوں کی حاضری کو شرک و بدعت قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ انہوں نے شرک و بدعت کے قلعے گرائے اور توحید و رسالت کے جھنڈے لہرائے اور انہی کی بدولت ہمیں دین وایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے۔

❁...... ہندوستان میں سب سے پہلے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے مغلیہ بادشاہ اکبر کے فرسودہ نظریات پر مبنی دین الٰہی کا قلع قمع کیا اور اس کے متحدہ نظریہ قومیت (یک قومی نظریہ) کو پاش پاش کر کے دوقومی نظریہ کی بنیاد رکھی اور پاکستان دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہی معرض وجود میں آیا۔ حصول پاکستان کی جنگ میں اولیاء کرام کے کردار کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ خدمات سب پر عیاں ہیں۔ علاوہ ازیں پیر آف مانکی شریف، پیر آف زکوڑی شریف، پیر غلام مجدد سرہندی، سید محمد محدث کچھوچھوی، پیر معصوم بادشاہ چوراہی، خواجہ محمد قمر الدین سیالوی، خواجہ غلام فریدالدین تونسوی، پیر عبدالرحمٰن بھر چونڈوی سمیت بیسیوں نام ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ انہی اولیاء کاملین کی انتھک محنت اور سعی جمیلہ سے ملک

پاکستان معرض وجود میں آیا۔

خطیب الاسلام حضرت صاجزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ تاجدار آلومہار شریف وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مجلس احرار میں رہ کر تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور قیام پاکستان کی پرزور حمایت کی۔

یاد رہے کہ مجلس احرار میں دو گروپ تھے ایک عطاء اللہ شاہ بخاری گروپ (یہ گروپ قیام پاکستان کا مخالف تھا) اور دوسرا چوہدری افضل حق گروپ (جو کہ پاکستان کا حامی تھا) صاجزادہ سید فیض الحسن تحریک پاکستان کے حامی گروپ سے متعلق تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کے وصال پر مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک تحریری تعزیتی پیغام میں فرمایا:

"مرحوم نے تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ آپ مجلس احرار میں رہتے ہوئے بھی قیام پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ نے شرعی نظام کے نفاذ کے لئے زبردست جدوجہد کی"۔ (شہریار خطابت شائع کردہ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام گوجرانوالہ)

اہل گوجرانوالہ گواہ ہیں کہ جب قائداعظم تحریک پاکستان کے سلسلے میں گوجرانوالہ پہنچے تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ نمایاں طور پر انکا استقبال کرنے والوں اور نظریہ پاکستان کی پرجوش حمایت کرنے والوں میں حضرت صاجزادہ سید فیض الحسن شاہ کا نام سرفہرست آتا ہے

مجلس احرار میں آپ کے کردار کے بارے میں روزنامہ "امروز" کا اداریہ نویس لکھتا ہے۔

"صاجزادہ سید فیض الحسن قیام پاکستان سے قبل اگرچہ مجلس احرار کے رکن تھے مگر حامیان پاکستان میں شامل تھے۔ ان کا موقف تھا کہ قیام پاکستان کا مطالبہ

درست ہے اور اس کے حصول کے لئے ہر مسلمان کو جدوجہد کرنی چاہئے۔ وہ ہندوستان کے نیشنلسٹ مسلمانوں کے اس نظریئے کے سخت خلاف تھے کہ پہلے انگریز کو ہندوستان سے نکالو، بعد میں پاکستان کا مطالبہ کرو۔ ان کا موقف تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں کی بالا دستی سے بیک وقت نجات حاصل کرلی جائے۔ انہوں نے اپنے اس نظریئے کی پرجوش تبلیغ کی اور مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا اعتراف ہر مکتب فکر کے لوگوں نے کیا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان کی تقریر سے ہوا۔ انہوں نے شہید گنج تحریک، شدھی تحریک، اور شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مجموعی طور پر چار سال قید کاٹی۔ (روزنامہ امروز ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء لاہور)

اولیاء کا ہے فیضان .... پاکستان پاکستان

یہ محض نعرہ ہی نہیں حقیقت ہے مگر افسوس صد افسوس کہ موجودہ مورخین نے ان بے لوث مجاہدین کی کاوشوں اور کارناموں کو یکسر فراموش کردیا اور اس پر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ نصاب تعلیم مرتب کرنے والوں نے پاکستان اور دوقومی نظریہ کی مخالفین کو ہیرو بنا کے پیش کردیا۔ گویا

ع منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

ولی یہ قرآنی اصطلاح ہے...... مطلقاً ولایت کا انکار کفر ہے۔

ولایت قرب خداوندی کا نام ہے...... ولی وہ ہے جو فرائض ونوافل سے قرب الٰہی حاصل کرے قرآن کے مطابق ولی وہ ہے جو ایمان وتقویٰ دونوں کا جامع ہو اور الذین امنوا و کانوا یتقون کی تفسیر ہو۔ حدیث رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے۔ ولی وہ ہے جس کا ظاہر شریعت سے آراستہ ہو اور باطن طریقت سے مزین ہو۔

بعض علماء نے فرمایا ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے محبت کریں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بقول ولی وہ ہے جس کا چہرہ زرد، آنکھیں تر اور پیٹ بھوکا رہے۔

عاشقاں راشش نشاں است اے پسر
آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

علمائے متکلمین کے نزدیک ولی وہ ہے جس کا عقیدہ درست اور اعمال شریعت کے مطابق ہوں۔

یہ عبارات واقوال اگرچہ جدا جدا ہیں اور ہر ایک میں ولی کی ایک صفت بیان کی گئی ہے تاہم یہ بات طے شدہ ہے بدعقیدہ اور بدعمل فاسق و فاجر خواہ ہوا میں اڑے ہرگز ولی نہیں ہوسکتا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اگر کوئی شخص ہتھیلی پہ سرسوں جما کر اور ہوا میں اڑ کر بھی دکھائے تو اگر اس کا شریعت پر عمل نہیں تو وہ ہرگز اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔

دور حاضر میں ایسے بہروپیوں کی کمی نہیں جو فقر وولایت کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں حقیقت میں ایسے افراد ایمان کے ڈاکو، شریعت کے باغی اور معاشرے کے لئے رستے ہوئے ناسور کی مانند ہیں۔

جن کی بدعقیدگی و بے عملی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے خصوصاً نوجوان نسل ان دھوکہ باز اور مفاد پرست افراد کی وجہ سے اہل حق بندگان خدا سے بھی متنفر اور بیزار معلوم ہوتے ہیں اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کا نظریہ تصوف وطریقت اور اس کا اصل مفہوم نسل نو کے سامنے پیش کیا جائے۔ زیر نظر کتاب "اسلام اور ولایت" انہی مقاصد کو مدنظر رکھ کر تحریر کی گئی ہے ولی کس کو کہتے

ہیں۔ اسلام میں ولایت کا معیار، ولی کی پہچان اور ولایت کے کمالات وتصرفات اور کرامات کو قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین کرکے پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ابوالحقائق حضرت علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی دامت فیوضہم کی شبانہ روز محنتوں اور کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مصنف کتاب علامہ ساقی صاحب ہمہ جہت شخصیت کے حامل ہیں۔ بہترین خطیب، مناظر اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منجھے ہوئے ادیب بھی ہیں۔ اس بات کا اندازہ آپ کی تحریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، علمی نکات، شائستگی و وقار، ادیبانہ جملوں کے ہمراہ خطیبانہ جوش وجذبات کا اظہار اور مناظرانہ استدلال اور بھرپور حوالہ جات آپ کی تحریر کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کسی مقام پر بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ بلاشبہ آپ کی یہ تصنیف جہاں تحریر کی دنیا میں ایک عظیم علمی اضافہ ہے وہاں طلباء، علماء، خطبا اور خصوصاً نسل نو کے لئے گراں قدر سرمایہ بھی ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

آمین

العبد الفقیر

صاحبزادہ سید احمد فاروق شاہ مجددی

مرکزی امیر عالمی ادارہ تنظیم الاسلام

باب نمبر 1

شانِ اولیاء

ولی کا معنیٰ ومفہوم

لفظ ''ولی'' کا مادۂ اشتقاق ولی اور ولایۃ ہے جو قرب، نزدیکی اور قرابت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

o...... صاحب قاموس فرماتے ہیں:

الولی القرب والدنو والولی اسم منه بمعنی القریب و المحب والصدیق والنصیر (القاموس)

ولی کا معنی ہے قرب اور نزدیکی، ولی اس سے اسم ہے جو قریب، محب، صدیق دوست اور مددگار کے معنی میں ہے۔

o...... امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

ولایت کا معنی ہے قرب، یہ قرب خواہ جگہ کے اعتبار سے ہو یا نسبت کے لحاظ سے، دین کے اعتبار سے ہو یا دوستی کے اعتبار سے، اعتقاد کے اعتبار سے ہو یا نصرت اور مدد کے اعتبار سے...... ولایت کا معنی کسی چیز کا انتظام کرنا بھی آتا ہے...... ولی بمعنی فاعل بھی ہے یعنی انتظام کرنے والا اور تصرف کرنے والا...... ولی بمعنیٰ مفعول بھی استعمال ہوتا ہے یعنی جو کسی کے زیر انتظام اور زیر تصرف ہو...... (المفردات ۲/۶۹۴)

o...... حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ولی کا لفظ فعیل (صفت مشبہ) کے وزن پر مفعول کے معنیٰ میں ہے......

یعنی وہ شخص جس کے کاموں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہو......اور ایک گھڑی کیلئے بھی اسے اس کے نفس کے سپرد نہ کرے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وھو یتولی الصالحین (الاعراف ۱۹۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔

اس معنیٰ کے اعتبار سے ولی کو مراد (مطلوب) اور مجذوب سالک کہتے ہیں۔

اور یا تو لفظ ولی فاعل کے معنیٰ میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے وہ فرد جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی مسلسل حفاظت کرتا ہو اور اس کی زندگی میں کبھی (عمداً) گناہ شامل نہ ہو اس معنیٰ کے اعتبار سے ولی مرید (طالب) اور سالک مجذوب ہے......اس امر میں اختلاف ہے کہ ان دونوں سے افضل کون ہے؟......حقیقت میں ہر مراد مرید ہے اور ہر مرید مراد ہے اور ان میں فرق صرف ابتداء و انتہاء اور عنایت و رعایت کا ہے۔ (مرقاۃ ۵/۵۴)

o...... علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

ولی وہ مومن کامل ہے جو عارف باللہ ہوتا ہے دائمی عبادت کرتا ہے ہر قسم کے گناہوں سے بچتا ہے، لذات اور شہوات میں انہماک سے گریز کرتا ہے۔

(شرح المقاصد ۲/۲۰۳)

o...... حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ولی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو عالم باللہ ہو اور اخلاص کے ساتھ دائمی عبادت کرتا ہو۔ (فتح الباری جلد ص ۸ ۲۷ باب التواضع)

o...... حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال المتکلمون ولی اللہ من یکون ا تیاً بالاعتقاد الصحیح

المبنی علی الدلیل ویکون آتیاً بالاعمال الصالحة علیٰ وفق ماوردت به الشریعة (تفسیر کبیر ۱۷/۱۲۶)

یعنی متکلمین کا قول ہے کہ ولی وہ ہوتا ہے جس کا عقیدہ صحیح اور شرعی دلیل پر مبنی ہو اور شریعت اسلامی کے مطابق اعمال صالحہ بھی بجالائے۔

۵...... مزید فرماتے ہیں:

ولی فعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں مبالغہ کا صیغہ ہے جس طرح علیم اور قدیر ہے تو اس کا معنی ہوگا وہ شخص جو مسلسل اطاعت وفرمانبرداری کرے، جسمیں کسی معصیت کی وجہ سے خلل واقع نہ ہو...... یا فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے جس طرح قتیل اور جریح مقتول اور مجروح کے معنی میں ہیں...... تو اس سے مراد وہ ذات ہوگی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تمام معاصی سے جس کی ہمیشہ حفاظت فرمائے ...... اور اسے ہمیشہ اطاعت وفرمانبرداری کی توفیق عنائت فرمائے...... یہ نام اللہ تعالیٰ کے درج ذیل اقوال سے ماخوذ ہے:

۱...... **اللہ ولی الذین امنو** (البقرہ ۲۵۷)

۲...... **وھو یتولی الصالحین** (الاعراف ۱۹۶)

۳...... **انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین** (البقرہ ۲۸۶)

۴...... **ذلک بان اللہ مولی الذین امنوا وان الکافرین لامولیٰ لھم** (محمد ۱۱)

۵...... **انماولیکم اللہ ورسولہ** (المائدہ ۵۵)

اور میں کہتا ہوں کہ لغت میں ولی کا معنی ہے قریب...... پس بندہ جب کثرت اطاعت واخلاص کی وجہ سے بارگاہ خداوندی کے قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت اور فضل واحسان کے ساتھ اس کے قریب ہوجاتا ہے تو ولایت حاصل ہوجاتی ہے۔ (تفسیر کبیر ۲۱/۸۵)

o...... حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

الولاء المتوالی فی اللغة ان یحصل شیئا فصاعداً حصولا لیس بینهما مالیس منهما ویستعار للقرب من حیث المکان ومن حیث السنة ومن حیث الدین ومن حیث الصداقة والنصرة والاعتقاد

یعنی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے درمیان بلا واسطہ تعلق واتصال کا حصول ولاء کہلاتا ہے اور مجازی طور پر اس سے قرب بھی مراد لیا جاتا ہے، خواہ وہ مکانی ہو، نسبی ہو، دینی ہو، دوستی کا ہو، مدد کا ہو، یا عقیدہ کے لحاظ سے ہو۔ (تفسیر مظہری ۵/۳۸)

o...... مزید فرماتے ہیں: صوفیاء کی اصطلاح میں "ولی" اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق ہو، وہ شب و روز تسبیح وتقدیس میں مصروف ہو، اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو، وہاں کسی غیر کی کوئی گنجائش نہ، ہو وہ چاہے اس کے آباء واجداد، بیٹے اور بھائی یا اعزہ واقرباء ہوں، اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے اور اگر کسی سے بغض رکھتا ہے تو اللہ کیلئے وہ کسی کو کچھ دیتا ہے یا کسی سے کچھ روکتا ہے تو بھی اس کا یہ فعل فقط اللہ کیلئے ہوتا ہے اور اسی مقام کو "فنائے قلب" کہتے ہیں۔ پس ان کا ظاہر و باطن تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے، جس سے وہ خود کو ان اعمال واخلاق سے بچاتا ہے جو خدا کے ناپسندیدہ ہوتے ہیں، اس کی ذات رذیل چیزوں یعنی شرک جلی وخفی، اور ایسا شرک جو کہ چیونٹی کی آواز سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے، اور حسد، کینہ، تکبر، حرص اور ہوس وغیرہ سے منزہ ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ عمدہ اعمال اچھے اور اخلاق سے متصف ہوتا ہے، اس مرتبہ کو صوفیہ کرام "فنائے نفس" کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس مقام پر آدمی کا شیطان اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری ۵/۳۸)

o...... امام اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

مولانا ابوالسعود نے فرمایا کہ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی قریب...... اس سے

وہ حضرات مراد ہیں جو ایمان واسلام میں خالص ومخلص ہیں...... اور قرب سے مراد قرب روحانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب اس معنیٰ میں ہوتے ہیں کہ ہر وقت اسی کی طاعت کی وجہ سے اس کے مقرب ہوتے ہیں اور اس کی معرفت میں مستغرق رہتے ہیں یعنی ان کی نگاہ قدرت کے مناظر کو دیکھتی ہے اور ان کے کانوں میں آیات الٰہی کے سوا کوئی آواز نہیں پڑتی اور ان کی زبان پر ذکر الٰہی کے سوا کسی شئے کا گزر نہیں ہوتا، گویا ان کی ہر حرکت رضائے حق کیلئے ہوتی ہے...... ان کی ہر جدوجہد طاعت و عبادت خداوندی پر صرف ہوتی ہے۔ (روح البیان ۴/ ۵۸)

اولیاء کرام کے اوصاف حمیدہ

۱...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الاان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون (یونس ۶۲)

ترجمہ: سنو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

توضیح: یعنی اولیاء کرام کو نہ خوف ہے نہ حزن، خوف کہتے ہیں اپنی جان کا ڈر، اور حزن کہتے ہیں دوسرے کی جان کا ڈر...... جیسا کہ فرعون کے ساتھ مقابلہ کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان کی فکر لاحق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لاتخف انک انت الاعلیٰ (طٰہٰ ۶۸)

اے موسیٰ! خوف نہ کرو تم ہی سر بلند ہو گے۔

اور جب غار ثور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر کفار کے قدموں پر پڑی تو آپ کو جان دوعالم، محبوب دوجہاں، تاجدار مرسلاں ﷺ کے متعلق اندیشہ اور حزن وملال ہوا تو حضور پرنور، شافع یوم النشور ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: **لاتحزن ان اللہ معنا** (التوبہ ۴۰)

غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ولیوں سے خوف اور حزن دونوں کی نفی کر دی...... کہ نہ انہیں اپنی جان کا ڈر ہے اور نہ ہی اپنے پاس آنے والے (مریدوں) کا ڈر ہے۔

۲...... ارشاد ربانی ہے:

الذین امنو او کانو ایتقون (یونس ۶۳)

ترجمه: جو ایمان لائے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرتے رہے۔

توضیح: یعنی اولیاء کرام کی یہ نشانی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جمیع احکام کو تہہ دل سے قبول کرتے ہیں، صاحب ایمان وایقان ہوتے ہیں...... خشیت الٰہی اور عشق مصطفوی کے پیکر ہوتے ہیں...... اطاعت خداوندی اور اتباع نبوی کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں...... گویا ولایت کے حصول کا پہلا زینہ ایمان ہے...... اگر معاذ اللہ دولت ایمان نہیں تو نیکی، تقویٰ، طہارت، عبادت، محنت ومشقت، ریاضات اور مجاہدات، چلہ کشی اور اوراد و وظائف کسی کام کے نہیں...... کیونکہ ایمان بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے...... جب تک کسی عمارت کی بنیاد ہی نہ ہو تو وہ عمارت کیسے استوار رہ سکتی ہے...... اگر درخت کی جڑیں کاٹ دی جائیں تو بظاہر وہ کتنا ہی سرسبز وشاداب اور لہلہاتا ہوا ہی کیوں نہ دکھائی دے، بالآخر اس کی سرسبزی وشادابی ختم ہو جائے گی...... وہ تباہ و برباد ہو کر ایندھن کا کام دے گا...... یونہی اگر ایمان نہیں تو انسان جہنم کا سزاوار ہوگا، اعلان خداوندی ہے:

عاملة ناصبة o تصلى ناراً حامية (الغاشیہ ۳،۴)

عمل کرنے والے مشقت اٹھانے والے دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

لہذا اگر کوئی جوگی اور راہب، چلہ کشی، شب بیداری اور ریاضت ومجاہدہ کرتا ہے تو اسے آخرت میں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا...... کیونکہ بارگاہ خداوندی کا

قرب حاصل کرنے کیلئے پہلے ایمان چاہئے اور ضروریات دین اور عقائد اسلامی پر ایقان چاہئے۔

جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اس حقیقت کو یوں آشکار کیا ہے

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون (البقرہ ۱۷۷)

(اصل) نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو! لیکن (اصل) نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لایا، اور آخرت کے دن، اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لایا اور اللہ کی محبت (کی بنیاد) پر اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، سوالیوں اور غلام آزاد کرنے کیلئے خرچ کیا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ اور جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، جب وہ عہد کرتے ہیں اور تکلیف اور سختی اور خوف کے وقت صبر کرتے ہیں یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

اس آیت میں ایک خاص ترتیب کیساتھ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کا ذکر کر کے بتادیا کہ تقویٰ و پرہیزگاری صرف اور صرف اتباع شریعت میں ہے جس میں اولین حیثیت ایمان اور عقائد حسنہ کو حاصل ہے...... کیونکہ ایمان وعقیدہ کے بغیر کسی قسم کی طہارت و پاکیزگی قابل قبول نہیں ہے...... ایمان وعقیدہ باطنی صفائی کا کام دیتے ہیں جبکہ اعمال صالحہ ظاہری پاکیزگی کا فائدہ دیتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ولایت دو چیزوں سے ملتی ہے ''ایمان کامل اور اتباع شریعت''

سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم اور بے ایمان عاملوں، صوفیوں اور فقیروں کا ولایت سے کوئی تعلق نہیں ...... کیونکہ ولی شریعت وسنت کے پابند اور خوف خدا وعشق مصطفیٰ کے سنگم ہوتے ہیں۔

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السبحانی فرماتے ہیں:

اگر اعیاذاً باللہ سبحانہ در مسئلہ از مسائل ضروریہ، اعتقادیہ خلل می رفت از دولت نجات اخروی محروم است ...... پس عمدہ کار تصحیح عقائد است ...... (دفتر اول مکتوب ۱۹۳)

خداپناہ! اگر مسائل ضروریہ اور اعتقادیہ میں سے کسی مسئلہ یا عقیدہ میں کچھ خلل بھی واقع ہو گیا تو آدمی نجات اخروی سے محروم ہو جائے گا...... لہذا سب سے پہلے عقائد کو درست کرنا چاہیے۔

یعنی اخروی نجات کیلئے لازم ہے کہ ضروریات دین اور عقائد قطعیہ پر اس حد تک ایمان ہو کہ کسی ضروری اور اعتقادی مسئلہ میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔

ایمان کیا ہے؟

بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا:

فاخبرنی عن الایمان قال ان تومن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ (مسلم ۱/۲۷ واللفظ لہ، مشکوٰۃ ص ۱۱، بخاری ۱/۱۲)

سو آپ مجھے ایمان کی خبر دیجیئے! آپ نے فرمایا: کہ تو ایمان رکھے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور تو ایمان رکھے اس کی اچھی اور بری تقدیر پر۔

ایمانیات کا قدرے بیان درج ذیل ہے:

اللہ پر ایمان

اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ ازلی، ابدی، حی، قیوم، واجب الوجود، ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق اور معبود واحد ہے...... اس کی ذات، صفات اور عبادت میں اس کا کوئی ثانی اور شریک نہیں ہے وہ تمام صفات حسنہ، کاملہ کا جامع اور تمام امور ذیلہ سے منزہ اور پاک ہے...... اسکا کوئی نسب، حسب، برادری اور اہل و عیال نہیں ہے۔

ملائکہ پر ایمان

فرشتے اس کی ایک نوری مخلوق ہیں، جو ہر وقت اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، ہر آن اس کے تابع فرمان اور تمام گناہوں سے معصوم ہیں، اللہ نے فرشتوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپ رکھی ہیں۔ وہ اس کے کسی حکم کی تعمیل میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنا شرک ہے، وہ اس کے مکرم بندے ہیں۔

کتابوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی رشد و ہدایت کیلئے اپنے نبیوں اور رسولوں کو مختلف کتابیں اور صحیفے عنائت فرمائے، جن میں اس نے اپنی رضا اور رغبت اور غصہ و ناراضگی کے طریقے بیان فرمائے ہیں، وہ تمام آسمانی کتابیں برحق ہیں اور ان میں آخری کتاب قرآن مجید ہے جس نے پہلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب عمل کے لئے فقط قرآن مجید ہی ہے۔ جو انسان کی ہر موقع پر رہنمائی کرتا ہے۔ اس میں ہر مشکل کا حل موجود ہے۔

رسولوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نیکی کی دعوت دینے اور بدی سے روکنے کیلئے اپنے نمائندوں کو مبعوث فرمایا اور انہیں ہر قسم کی خوبیوں کا مرقع بنایا، وہ ہر قسم کے گناہ سے معصوم اور پاک ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کو بحسن وخوبی لوگوں تک پہنچایا کسی امر میں بھی کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نہیں کی، تمام نبی اور رسول برحق ہیں لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ان تمام کے سردار اور امام بن کر آئے ہیں، آپ ختم نبوت کا تاج زیب تن فرما کر تشریف لائے ہیں اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اخروی کامیابی فقط آپ کی پیروی میں ہے۔

آخرت پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے ایک دن ایسا بھی مقرر کر رکھا ہے جس دن اس کائنات کی انتہا ہو گی، تمام مخلوق اس کے روبرو پیش ہو گی، وہ نیکوں کو ان کی نیکی کی جزاء، اور بدوں کو ان کی بدی کی سزا دے گا، اور اپنے فضل سے انبیاء، علماء، شہداء، حفاظ اور چھوٹے بچوں کی شفاعت پر گنہگاروں کو معاف بھی فرما دیگا، نیکوں کیلئے جنت اور بدوں کیلئے جہنم تیار موجود ہے.....قیامت کے دن سب سے زیادہ شفاعت ہمارے آقا ﷺ فرمائیں گے، بلکہ آپ ہی شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔

تقدیر پر ایمان

اللہ تعالیٰ چھپی اور ظاہر چیزوں کو جانتا ہے، اس نے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی اسے علم تھا کہ دنیا بننے کے بعد اہل دنیا کیا کچھ کریں گے، وہ ان کے تمام اعمال کو جانتا تھا، اس نے اپنے علم کے مطابق سب کچھ لکھ دیا ہے۔ اللہ چاہے تو تقدیر کو

بدل بھی سکتا ہے۔ ہر قسم کی تقدیر اللہ کی طرف سے ہی ہے۔
ایمانیات کی تفصیلات جاننے کیلئے ہماری کتاب ''گلدستہ ایمان'' کا مطالعہ کیجئے۔

ایمان کامل

یاد رہے ایمان کامل کے حصول کے لئے لازم ہے کہ محبوب دو عالم، جان کائنات ﷺ کی ذات بابرکات کیساتھ پوری کائنات حتی تمام اعزہ واقرباء اور اپنی جان سے بھی بڑھ کر پیار کیا جائے...... اسی چیز کو عشق رسالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

o...... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا:

یارسول اللہ لانت احب الی من کل شئی الانفسی

یارسول اللہ (ﷺ)! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے......تو محبوب دو عالم ﷺ نے فرمایا:

لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک

نہیں! اے عمر میری محبت کا یہ مقام نہیں میرے ساتھ محبت کرنے کا اصل درجہ یہ ہے کہ میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فانہ الان واللہ لانت احب الی من نفسی فقال النبی ﷺ الان یاعمر (بخاری ۲/۹۸۱)

قسم بخدا! حضور اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو محبوب رب ذوالمنن نے ارشاد فرمایا: عمر! اب ٹھیک ہے......یعنی اب میری محبت کے تقاضے

پورے ہوئے ہیں۔

○...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (بخاری ۱/۷)

تم میں سے کوئی شخص بھی (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے والد، اپنی اولاد اور سارے لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔

تقویٰ کی حقیقت

لفظ تقویٰ ایک ایسا ذی شان کلمہ ہے جو تمام امور خیر کا جامع ہے، جیسا کہ ایک حدیث پاک میں ہے

ایک آدمی نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: مجھے وصیت فرمائیں؟ تو آپ نے فرمایا:

علیک بتقوی اللہ فانھا جماع کل خیر

(مجمع الزوائد ۴/۲۱۸، مسند احمد ۳/۸۲، مسند ابو یعلی ۱/۳۳۲ رقم الحدیث ۹۹۶)

تم تقویٰ لازم پکڑو کیونکہ یہ ہر بھلائی کو جمع کرنے والا ہے۔

○...... حضرت وہب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الایمان عریان ولباسہ التقوی، وریشہ الحیاء ورأس مالہ العفۃ (المجالس السنیہ ص ۱۶۳)

ایمان برہنہ ہے اور تقویٰ اس کا لباس ہے، اور حیاء اس کے پر ہیں اور پاکدامنی اس کا رأس المال (اصل پونجی) ہے۔

o...... تقویٰ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

تقویٰ کا معنی ہے کسی ڈرانے والی چیز سے خود کو بچانا اور حفاظت کرنا، کبھی خوف کو بھی تقویٰ کہتے ہیں اس کا شرعی معنی ہے گناہ کی آلودگی سے نفس کی حفاظت کرنا، اور یہ امور ممنوعہ (جن کاموں سے شرع نے روکا ہے) کو چھوڑنے سے حاصل ہوتا ہے، اور کامل تقویٰ تب حاصل ہوتا ہے جب بعض مباح امور کو بھی ترک کر دیا جائے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حلال ظاہر ہے، حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہات (شک و شبہ والے کام) ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص ایسے کاموں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، (المفردات ص ۵۳۱،۵۳۰)

حدیث مذکور بخاری شریف ۱/۱۳ پر موجود ہے ...... جس کے بعد یہ ہے کہ جو مشتبہات میں پڑ گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو مخصوص چراگاہ پر اردگرد جانور چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ جانور اس میں داخل ہو جائیں جان لو! ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے (جس میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی) خبردار! اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔

اس حدیث پاک کا واضح مفہوم یہ ہے کہ انسان کو شبہ والی اشیاء سے پرہیز کرنا چاہئے، اور فضول مباحات پر عمل کرنے کی وجہ سے خطرہ ہے کہ کہیں وہ حرام امور میں نہ پڑ جائے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

o...... علامہ میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے نفس کو عدم اطاعت کے عذاب سے بچانا تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ کی معصیت کے عذاب سے خود کو بچانا، اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے خود کو بچانا، آداب شریعت کی حفاظت کرنا، ہر وہ کام جو انسان کو اللہ سے دور کر دے اس سے خود کو باز رکھنا، نفسانی خواہشات کو ترک کرنا اور ممنوعات سے بچنا، اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ

کے سوا کسی کو نہ دیکھنا، خود کو کسی سے بہتر نہ سمجھنا، ماسوا اللہ کو ترک کرنا اور نبی کریم ﷺ کی قول وفعل میں پیروی کرنا (بھی) تقویٰ ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۳۹)

o...... علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

کسی ناپسندیدہ چیز سے خود کو بچانے کیلئے، اپنے اور اس چیز کے درمیان کوئی رکاوٹ بنالینا تقویٰ ہے اور متقی وہ شخص ہے جو اپنے نیک اعمال اور پرخلوص دعاؤں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے۔

o...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا: لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہوں یا متقی ہوں، پھر ایک روز فرمایا لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو عالم ہوں یا متعلم (طالب علم) ہوں۔

o...... حضرت ابو یزید بسطامی نے کہا: متقی وہ ہے جس کا ہر قول اور ہر عمل اللہ کیلئے ہو

o...... ابو سلیمان دارانی نے کہا: متقی وہ ہے جس کے دل سے شہوات کی محبت نکال لی گئی ہو، ایک قول یہ ہے کہ متقی وہ ہے جو شرک سے بچے اور نفاق سے بری ہو۔ ابن عطیہ نے کہا یہ غلط ہے کیونکہ فاسق بھی اس طرح ہوتا ہے۔

o...... حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقوی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: کیا آپ نے کانٹوں والا راستہ دیکھا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں دیکھا ہے پوچھا پھر آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا میں نے پائنچے اوپر کو اٹھالئے اور ان سے بچ کر نکلا، حضرت ابی نے کہا بس یہی تقویٰ ہے۔ (یعنی خود کو حرام کردہ اور ناجائز امور سے پوری حفاظت کے ساتھ گزار کو صراط مستقیم پر گامزن رکھنے کا نام تقویٰ ہے:

o...... حضرت ابو درداء نے فرمایا: تقویٰ ہر قسم کی خیر کا جامع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اولین وآخرین کو وصیت فرمائی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۱/۱۶۱،۱۶۲)

o...... امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

متقی وہ شخص ہے جو عبادات کو انجام دے اور ممنوعات سے بچے، اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا گناہ صغیرہ کو چھوڑنا بھی تقویٰ میں داخل ہے یا نہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقین کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ان چیزوں سے پرہیز نہ کرے۔ جن کو کرنے میں کوئی حرج نہ ہو، فقط اس خوف سے کہ شاید ان میں حرج ہو۔ (حاصل کلام یہ کہ شبہ والی چیزوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

متقی وہ لوگ ہیں جو عذاب سے بچنے کیلئے نفسانی خواہشات پر عمل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں......

o...... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: معصیت پر اصرار نہ کرنا اور عبادت پر مغرور نہ ہونا تقویٰ ہے۔ ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں: تمہاری زبان پر مخلوق کا عیب نہ ہو، فرشتے تمہارے افعال میں عیب نہ پائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں کوئی عیب نہ دیکھے، یہ تقویٰ ہے...... علامہ ورقدی کے قول کے مطابق تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے ظاہر کو مخلوق کیلئے مزین کرتے ہو، اس طرح اپنے باطن کو اللہ کیلئے مزین کرو، ایک قول کے مطابق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہاں نہ دیکھے جہاں اس نے منع فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اپنائے اور دنیا کو پس پشت ڈال دے۔ اپنے نفس کو اخلاص اور وفا کا پابند کرے اور حرام اور جفا سے اجتناب کرے وہی متقی ہے۔ (تفسیر کبیر ۱/۱۶۲،۱۶۱)

o...... حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

چیست تقویٰ ترک شبہات و حرام
از لباس و از شراب و از طعام

یعنی لباس اور کھانے پینے والی اور تمام حرام اور شبہ والی چیزوں کے ترک کا نام تقویٰ ہے

○ ...... حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ورع وتقویٰ کا مدنظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی نہایت اہم ضروریات میں سے ہیں اور یہ جزو جس کا مدار وحرام چیزوں سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ فضول (غیر ضروری) مباحات سے پرہیز کیا جائے۔ (دفتر اول مکتوب ۷۶)

حضرت شیخ جرجانی لکھتے ہیں:

فی اللغة بمعنی الاتقاء وهو اتخاذ الوقاية وعند اهل الحقيقة هو الاحتراز بطاعة الله عن عقوبته وهو صيانة النفس عما تستحق به العقوبة من فعل او ترک (کتاب التعریفات ۲۹)

یعنی لغت میں تقویٰ، اتقاء کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے حفاظت کرنے کو اختیار کرنا اور اہل حقیقت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اسکی سزا سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی جو عذاب کی موجب ہو اس سے اپنے نفس کو بچانا تقویٰ ہے۔

⊙ ...... شارح مکتوبات حضرت ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی علیہ الرحمہ حقیقت تقویٰ کے متعلق رقمطراز ہیں:

⊙ ...... تقویٰ کا محل قلب ہے۔ تقویٰ حصول علم کا زینہ اور عزت وکرامت کا خزینہ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (الحجرات ۱۳) سے عیاں ہے

⊙ ...... جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تو کسی خاردار وادی سے کبھی گذرا ہے؟۔ عرض کیا ہاں فرمایا

تو وہاں سے کس طرح گذرا تھا؟ عرض کیا اپنے دامن کو کانٹوں سے بچاتا ہوا گذرا تھا فرمایا ذالک التقویٰ (تفسیر قرطبی ۱/۱۶۲) بس یہی تقویٰ ہے۔

اہل طریقت نے اسکی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں

عوام کا تقویٰ: یہ ہے کہ وہ شرک سے اجتناب کریں۔

خواص کا تقویٰ: یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی نافرمانی سے احتراز کریں۔

اولیاء کا تقویٰ: یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے پرہیز کریں۔

انبیاء کا تقویٰ: یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے اس لئے کہ انکا تقویٰ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ ہر چیز سے دامن بچا کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ)

واضح رہے کہ انسان کی ملائکہ پر فضیلت نواہی سے اجتناب اور ورع و تقویٰ ہی کی وجہ سے ہے اور قرب الٰہی کے مرتبوں تک ترقی کا انحصار بھی اسی پر ہے جب کہ فرشتے اوامر کے بجالانے میں انسان کے ساتھ شریک ہیں لیکن نواہی سے باز رہنے کے پابند نہیں اس لئے ان میں ترقی مفقود ہے جیسا کہ آیہ کریمہ **ومامنا الا له مقام معلوم** (الصافات ۱۶۴) سے عیاں ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ ورع و تقویٰ کو ہمیشہ مدنظر رکھے جو اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی نہایت اہم ضروریات میں سے ہے۔ ورع و تقویٰ کامل طور پر اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے۔ **اللھم وفقنا ھذا** (البینات شرح مکتوبات ۲/۴۵۲)

۳...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (الفرقان ۶۳)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر باوقار طریقہ سے چلتے ہیں اور جب

جاہل ان سے گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں:

توضیح: یعنی بندگان خدا کی چال ہی نرالی ہوتی ہے......ان کی رفتار سے وقار، متانت، سنجیدگی اور عاجزی وانکساری کی جھلک نمایاں ہوتی ہے......مغرور اور متکبر لوگوں کی طرح اکڑ کر نہیں چلتے اور غرور و تکبر کا اظہار نہیں کرتے......وہ چلتے ہوئے بھی خوف الٰہی اور خشیت خداوندی کے پیکر ہوتے ہیں......کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مالک وخالق کا فرمان ہے: **لاتمش فی الارض مرحاً** (الاسراء ۳۷)

زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل

اور ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ بداخلاقی اور بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عقل ودانش کی حدود کو پھلانگ ڈالے تو یہ اس کی سطح پر اتر کر جوابی کاروائی نہیں کرتے، ان سے الجھتے نہیں، جوابی کاروائی کے جوش میں آ کر اخلاقی حدود کو نہیں پھلانگتے، بدزبانی اور چرب بیانی کا جواب بدزبانی اور چرب بیانی سے نہیں دیتے بلکہ یہ الفاظ کہہ کر جاہلوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں کہ:

سلام علیکم لانبتغی الجاهلین (القصص ۵۵)

تمہیں سلام، ہم جاہلوں کے پیچھے نہیں پڑتے۔

۴...... ارشاد خداوندی ہے:

والذین یبیتون لربھم سجداوقیاماً (الفرقان ۶۴)

اور وہ لوگ جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کیلئے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے۔

توضیح: پچھلی آیت میں اولیاء کے دنوں کی عادت کو بیان کیا ہے اور اس آیت میں ان کی راتوں کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔سابقہ آیت میں ان کے مخلوق کے ساتھ طور طریقہ اور اخلاق وکردار کو واضح کیا اور اس آیت میں ان کے خالق کے ساتھ

معاملات اور خصائل وعادات کو بیان کیا جارہا ہے......یعنی دن کو وہ مخلوق کی ایذا و سزا کو برداشت کرتے ہیں، جب رات پڑتی ہے تو لوگ خواب وآرام کے مزے لوٹتے ہیں لیکن ان کو محبوب کی یاد آتڑپاتی ہے، خوف خداوندی سے آنکھیں نمناک ہوجاتی ہے......گویا

ع ساون کی کالی راتوں میں جب بوندا باندی ہوتی ہے
یہ رات کو بیٹھ کے روتے ہیں جب دنیا ساری سوتی ہے

کبھی سجدہ ریز ہوکر اپنے خالق ومالک کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کبھی پوری عاجزی وانکساری اور ادب وتواضع کی تصویر بن کر حالت قیام میں اپنے معبود برحق کی کبریائی بیان کرتے ہیں......اپنے پہلوؤں کو نرم وگداز بستروں سے دور رکھتے ہیں خوف وامید کے چراغ جلا کر اپنے رب کریم اور غفور ورحیم سے اس کے فضل وکرم کی بھیک مانگتے ہیں......جیسا کہ فرمان ذیشان ہے:

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنھم ینفقون (السجدہ ۱۶)

ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے پکارتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔

راتوں کو اپنے قدموں کے بل اپنے معبود برحق کی بارگاہ میں کھڑے رہتے ہیں، بصد عجز وانکساری اپنے چہروں کو زمین پر رکھ دیتے ہیں، خوف خداوندی کی وجہ سے ان کی پیشانیاں آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہیں علی الصبح پھر مخلوق سے ادب اور تواضع سے پیش آتے ہیں اور چہروں سے سحر خیزی کا نور جھلک رہا ہوتا ہے......

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا:

رات پوے تے بے درداں نوں نیند پیاری آوے
درد منداں نوں یاد سجن دی ستیاں آن جگا وے
راتیں زاری کر کر روندے تے نیند اکھاں تھیں دھوندے
فجریں اوگن ہار سداون تے سب تھیں نیوے ہوندے

معلوم ہوا کہ ولی صاحب سوزوگداز، پابند صوم ونماز، تہجد گزار، شب زندہ دار ہوتا ہے...... شریعت کے دشمن، سنت کے تارک، بے نماز اور بھنگی، چرسی لوگوں کا ولایت، طریقت اور معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللھم لاتجعلنا منھم

۵...... ارشاد ربانی ہے:

والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما ۝ انھا سآء ت مستقرا و مقاما (الفرقان ۶۶،۶۵)

اور جو عرض گزار ہوتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کا عذاب دور فرما بے شک اس کا عذاب ہلاک کر دینے والا ہے...... بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت بری جگہ ہے۔

توضیح: یعنی شب وروز احکام الٰہی کی اطاعت اور سنن مصطفوی کی اتباع...... اور راتیں قیام وسجود میں اور دن خشوع وخضوع میں گزارنے کے باوجود انہیں اپنی طاعت وعبادت، خشیت وریاضت اور شب بیداری اور تہجد گزاری پر کبھی گھمنڈ نہیں ہوتا...... بلکہ اپنے آپ کو عیب کنندہ اور اپنے افعال واعمال کو تہمت زدہ خیال کرتے ہیں...... ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کی طرف ہی نظر ہوتی ہے...... عبادت وطاعت کا حق ادا نہ کرنے کا شدید احساس ہر وقت مضطرب اور بے چین کیے رکھتا ہے...... اپنے انجام کی فکر ہر لحظہ دامنگیر رہتی ہے...... بڑی عاجزی، انکساری اور آہ وزاری کے ساتھ اپنی بخشش کی التجائیں کرتے ہیں، عذاب جہنم سے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں کہ اے

ہمارے پروردگار ہمیں عذاب جہنم سے دور فرما! کیونکہ اس کا عذاب بڑا دردناک اور ہلاکت انگیز ہے وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت برا مقام ہے۔ اللھم قنا عذاب النار

یادرہے بندگان خدا کے اس خوف وخشیت کا تعلق صرف عبادت وطاعت کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے ہر کام، ہر کلام، ہر قول وفعل، ان کی گفتار ورفتار، ان کے کردار ومعاملات میں خوف الٰہی اور رضائے خداوندی جلوہ گر ہوتی ہے...... جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذین یوتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون

(المومنون ۶۰)

اور وہ لوگ جو کچھ بھی دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس خیال سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

۶...... ارشاد ربانی ہے:

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً (الفرقان ۶۷)

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں، بلکہ راہ اعتدال کو اپناتے ہیں۔

توضیح: یعنی ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ لوگ فضول خرچ اور بخیل نہیں ہوتے بلکہ میانہ رو ہوتے ہیں ...... کیونکہ میانہ روی خدا کا پسندیدہ عمل ہے...... جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

خیر الامور اوساطھا (شعب الایمان ۵/۲۶۱ رقم الحدیث ۶۶۰۱)

بہترین کام میانہ روی ہے۔

اور اولیاء کرام کسی بھی خیر اور بہتری سے دست کش نہیں ہوتے، بلکہ ہر قسم کی

بھلائی، بہتری اور خوبی سے آراستہ ہوتے ہیں۔

اسراف اور اقتار کا مفہوم

درج بالا آیت میں "اسراف" اور "اقتار" کا ذکر ہے۔ عام طور پر اسراف کا معنی "فضول خرچی" اور اقتار کا معنی "بخل اور کنجوسی" کیا جاتا ہے...... لیکن امام رازی علیہ الرحمۃ نے ان کا معنی بیان کرتے ہوئے تین چیزیں بیان فرمائی ہیں جو بالا اختصار پیش خدمت ہیں۔

۱...... پختہ ترین بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قصد وارادہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ افراط و تفریط اور کمی وبیشی سے پاک ہوتا ہے...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ:

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط (الاسرا ۲۹)

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے اردگرد بندھا ہوا نہ بناؤ اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کرو۔ یعنی افراط و تفریط دونوں سے دامن بچاتے ہوئے میانہ روی اختیار کرو۔

۲...... اسراف (فضول خرچی) کا معنی ہے "الانفاق فی معصیۃ اللہ تعالیٰ" یعنی اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی میں خرچ کرنا اور اقتار کا معنی ہے "منع حق اللہ تعالیٰ" یعنی اللہ تعالیٰ کا حق روکنا (ادا نہ کرنا)۔

امام مجاہد فرماتے ہیں:

لو انفق رجل مثل ابی قبیس ذھباً فی طاعۃ اللہ لم یکن سرفاً، ولو انفق صاعا فی معصیۃ اللہ تعالیٰ کان سرفاً

اگر کسی آدمی نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں ابوقبیس پہاڑ جتنا بھی

سونا خرچ کیا تو بھی وہ شخص فضول خرچ نہ ہوگا اور اگر کسی نے ایک صاع 41/2 بھی خدا کی نافرمانی اور معصیت میں خرچ کیا تو فضول خرچ قرار پائے گا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ رضا خداوندی کیلئے جس قدر بھی خرچ کیا جائے وہ فضول خرچی میں نہیں آتا، کیونکہ فضول خرچی خدا کی نافرمانی، اسکی ناراضگی اور گناہ میں خرچ کرنے کا نام ہے...... اور راہ خدا میں مال خرچ نہ کرنا، حقوق خداوندی اور احکام الٰہی کو ادا نہ کرنا بخل اور کنجوسی ہے۔

۳...... اسراف (فضول خرچی) سے مراد دنیوی وسعت اور ناز و نعمت میں حد کو پار کرنا ہے...... اگرچہ حلال دولت سے ہی ہو...... یہ ایک ناپسندیدہ اور مکروہ چیز ہے کیونکہ یہ آدمی کو تکبر اور غرور کی طرف پہنچاتی ہے...... اور اقتار (بخل اور کنجوسی) تنگی کو کہتے ہیں...... یوں پیٹ بھر کے کھانا کہ یہ شکم پری عبادت سے مانع ہو فضول خرچی ہے۔

یہ صحابہ کرام کا وصف ہے کہ وہ عیش و عشرت اور حصول لذت کیلئے نہیں کھاتے تھے اور نہ ہی لباس جمال و زینت کیلئے پہنتے، وہ صرف اتنی مقدار میں کھاتے کہ جو بھوک کو مٹا دے اور عبادت خداوندی پر معاونت کرلے اور لباس ایسا پہنتے جو ستر عورت کا کام دے اور انہیں گرمی اور سردی سے بچائے رکھے۔ (التفسیر الکبیر جز ۲۴، ص ۱۰۹)

۷...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذین لایدعون مع اللہ الھا آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولایزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاماً (الفرقان ۶۸)

اور جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں پوجتے اور نہ قتل کرتے ہیں اس جان کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا، مگر حق کے ساتھ اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جس نے یہ کام کیا وہ سزا پائے گا...... بعد ازیں ان اشیاء کو اپنانے والے کی سزا کا ذکر فرمایا...... اور ان لوگوں کو مستثنیٰ کردیا جو تائب ہو کر ایمان لے آتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، فرمایا:

فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات وکان اللہ غفورا رحیما (الفرقان ۷)

پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

توضیح: یعنی خدانخواستہ اگر ان سے کوئی غلطی اور خطا ہو جاتی ہے تو ندامت و پشیمانی کے باعث وہ پانی پانی ہو جاتے ہیں، اپنے آپ کو کمترین اور حقیر ترین خیال کرتے ہیں، بڑی دلسوزی اور عجز وانکساری سے بارگاہ خداوندی میں التجائیں کرتے ہیں، اشک ندامت کے دریا بہا دیتے ہیں، خوف خدا اور عذاب اخروی سے کانپنے لگتے ہیں، اپنی مغفرت اور بخشش کے امیدوار ہو کر عفو و درگزر کی بھیک مانگتے ہیں، تو خدا کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے، رحمت الٰہی کی برکھا برستی ہے، انہیں رحمت الٰہی کا مہبط و مرکز بنا دیا جاتا ہے، رحم و کرم کے دروازے ان کیلئے چوپٹ کھول دیئے جاتے ہیں اور ان کی خطاؤں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔

آخر میں فرمایا یہ کوئی بعید کام نہیں، اس پر اظہار حیرت نہ کرنا کیونکہ میری شان یہ ہے

وکان اللہ غفورا رحیما کہ میں غفور اور رحیم ہوں

میں ان پر اپنی شان مغفرت اور صفت رحمت کا اظہار کرتا ہوں

۸...... ارشاد خداوندی ہے:

والذین لایشھدون الزور واذامروا باللغو مروا کراماً (الفرقان ۷۲)

اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز سے گزرتے ہیں تو پروقار طریقے سے گزر جاتے ہیں۔

توضیح: شہادت کا معنی گواہی دینا بھی ہے اور کسی جگہ حاضر ہونا بھی۔ بنا بریں اس کے درج ذیل دو مفہوم ہیں:

۱...... یعنی اللہ کے بندے جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

۲...... یعنی وہ ایسی محافل کو رونق نہیں بخشتے جن میں جھوٹ گوئی اور کذب بیانی سے کام لیا جاتا ہو...... دوسرا معنی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ:

اللہ کے بندوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی باطل سرگرمی میں حصہ نہیں لیتے...... کفار و مشرکین کے میلہ جات، فساق و بے دین حضرات کے اجتماعات، لہو و لعب کی محلفیں اور ایسے پروگرام جن میں غلط نظریات اور باطل عقائد کا پرچار کیا جاتا ہو ان میں شریک نہیں ہوتے...... ان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ بدمذہبوں اور بے دینوں کی بے ہودہ مجلسوں اور ہنگامہ آرائیوں کی رونق کو دوبالا کرتے ہوں، اگر اتفاقاً ادھر سے ان کا گزر ہو جائے تو وہاں بیٹھ کر لطف اندوز نہیں ہوتے، شریک جرم بننے اور معصیت و نافرمانی میں تعاون کرنے کی بجائے بڑی سنجیدگی سے اپنا دامن بچاتے ہوئے کنارہ کش ہو جاتے ہیں...... جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه وقالوا لنا اعمالنا ولكم اعمالكم سلام عليكم لا نبتغي الجاهلين (القصص ۵۵)

اور جب وہ کسی لغو (بے ہودہ) بات کو سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، تم پر سلام ہے ہم جاہلوں (سے الجھنا) نہیں چاہتے۔

۹...... فرمان الٰہی ہے:

والذين اذا ذكروا بآيات ربهم لم يخروا عليها صما وعمياناً

(الفرقان ۷۳)

اور وہ لوگ جب انہیں ان کے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔

توضیح: یعنی اگر انہیں آیات قرآنی سے نصیحت کی جائے تو کفار و منافقین کی طرح ان سے اعراض اور روگردانی نہیں کرتے، ان کو پس پشت ڈال کر اندھوں اور بہروں کا طرز عمل اختیار نہیں کرتے، بلکہ ان آیات کو گوش ہوش سے سنتے اور دیدۂ عبرت سے دیکھتے ہیں۔ دیدۂ دل وا کرتے ہیں، غور و فکر کی خداداد قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آیات کے اسرار و معارف تک آگاہی حاصل کرتے ہیں......اور ان کی روشنی میں اپنے اعمال و افکار کی تصحیح کرتے ہیں۔

۱۰...... فرمان ذیشان ہے:

والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماماً (الفرقان ۷۴)

اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا!

توضیح: یعنی بندگان خدا کے اوصاف حمیدہ میں یہ وصف بھی ہے کہ وہ اپنے مالک و پروردگار کے حضور پورے خلوص اور ادب کے ساتھ یہ دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے رب! ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرما، جن کے اخلاق عمدہ ہوں، اعمال پسندیدہ ہوں، جو شرم و حیا کے پیکر ہوں، عفت و پاکدامنی سے آراستہ ہوں، فرمانبرداری اور خدمت گزاری جن کا شعار ہو، وہ تمام تر اچھائیوں اور خوبیوں کے حامل ہوں کہ انہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اس بات میں شبہ نہیں کہ ان کا یہ سوال امور دنیویہ یعنی مال اور جمال سے متعلق نہیں بلکہ امور دینیہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

انہوں نے بارگاہ رب العزت سے ازواج اور اولاد کا اس غرض سے سوال کیا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ان کی ازواج اور اولاد اطاعت خداوندی میں ان کے ساتھ

شریک ہوں، اور مزید وہ اس بات پر حریص ہیں کہ وہ جنت میں ان کے ساتھ ہوں تا کہ انہیں کامل سرور حاصل ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (التفسیر الکبیر ۲۴/۱۱۴)

عبادالرحمٰن کی اس دعا سے معلوم ہوا کہ یہ پاک نفوس زندگی کے جھمیلوں سے دور بھاگنے والے نہیں ہوتے، ان کے تقویٰ وطہارت اور پاکدامنی و پاکبازی کی وجہ یہ نہیں کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ، دور جنگلوں میں ڈیرے جمالیتے ہیں، شادی اور اولاد کے بند بندھنوں سے آزاد، ملنگ ترنگ رہتے ہیں...... بلکہ اولیاء اللہ ازدواجی امور بھی سرانجام دیتے ہیں، گھریلو زندگی اور خانگی امور کا بوجھ بھی اٹھایا ہوتا ہے...... وہ حقوق العباد کو پوری سلیقہ شعاری سے ادا کرتے ہیں۔ سادح لوح عوام اور دنیا دار ملنگوں نے ولایت کا یہ غلط معیار قائم کیا ہُوا ہے کہ ولایت اور تقویٰ و پارسائی کیلئے یہ ضروری ہے کہ گھریلو معاملات سے دست بردار ہو، شادی بیاہ کے چکروں سے آزاد ہو، دُنیاوی جھمیلوں سے دور بھاگے...... حالانکہ اللہ والوں کی سیرت زندگی کی شورشوں اور ہنگاموں سے گزرنے کے باوجود آئینہ سے بھی صاف اور شبنم سے بھی پاک ہوتی ہے۔

ان کی دعا کا آخری حصہ یہ ہے کہ الٰہی!

تقویٰ وطہارت میں ہمیں وہ رفیع اور بلند مقام عطا فرما کہ لوگ ہماری پیروی کریں، ہماری گفتگو سے ان کے دل تیری محبت سے آشنا ہو جائیں، ہمارے پاس آکر وہ اپنی روحوں کو چین اور دلوں کو آرام دے سکیں، ہماری وجہ سے ان کی شقاوت، سعادت میں اور بدبختی، خوش بختی میں تبدیل ہو جائے...... معلوم ہوا کہ معرفت الٰہی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے بلند ترین مقام پر پہنچنے کی آرزو کرنا اللہ کے بندوں کا شیوہ اور بارگاہ خداوندی میں پسندیدہ عمل ہے...... اللھم ارزقنا ایاہ

ہر چند کہ متقین کا امام بننے کی دعا کرنا درست ہے، لیکن ہم جسے ناکارۂ خلائق، گناہگاروں اور کم ہمتوں کو تو یہی دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں

کی محبت، ان کی پیروی اور ان کی اقتداء پر کاربند فرمائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

احب الصالحین ولست منهم لعل اللّٰه یرزقنی صلاحاً

یعنی میں خود تو نیک نہیں ہوں، لیکن نیکوں سے محبت کرتا ہوں، تاکہ اللہ مجھے بھی نیکی عطا فرمادے۔

۱۱...... فرمان باری تعالیٰ ہے:

الذین یقولون ربنا اننا امنا فاغفرلنا ذنوبنا وقنا عذاب النار، الصبرین والصدقین والقنتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار (آل عمران ۱۷،۱۶)

وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمارے لئے ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا، اور جو صبر کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں، عاجزی کرنے والے ہیں، (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں اور سحری کے وقت بخشش طلب کرنے والے ہیں۔

۱۲...... فرمان الٰہی ہے:

الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة ومما رزقنا هم ینفقون (البقرہ ۳)

جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔

توضیح: یعنی جہاں ایمان، تقویٰ اور نماز کی پابندی ان کی علامات ہیں وہاں ان کا یہ وصف بھی ہے کہ وہ بخیل یا کنجوس نہیں ہوتے بلکہ خدا کے دیئے ہوئے رزق سے سخاوت بھی کرتے ہیں، اس کی راہ میں مال و دولت صرف بھی کرتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا اور بے آسراؤں کا آسرا بھی بنتے ہیں۔

دور حاضر کے مدعیان ولایت میں سے اگر کوئی پیر اپنی کوٹھی، بنگلہ، کار اور عمدہ

لباس کا تو خیال رکھے، اس کی فیکٹری، کارخانہ اور کاروبار تو چل رہا ہو، لیکن مسجد، مدرسہ اور مکتب کا اسے کوئی خیال نہیں ہے تو سمجھ لیجئے اس پیر کا ولایت سے کوئی تعلق نہیں...... کیونکہ بندگان خدا ذات کو دیکھنے کی بجائے دینی امور اور حقوق اللہ پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

۱۳...... ارشاد قرآنی ہے:

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃھم یوقنون (البقرہ۴)

اور وہ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

توضیح: معلوم ہوا اللہ کے بندے، اولیاء کرام صاحب ایمان بھی ہوتے ہیں اور صاحب ایقان بھی...... وہ ضروریات دین میں شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہوتے، عقائد ونظریات پر انہیں شرح صدر حاصل ہوتا ہے، وہ اعتماد اور یقین کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں...... کیونکہ احکام شرعیہ اور عقائد اسلامیہ کے متعلق بے یقینی اور تذبذب کی وجہ سے تمام اعمال بے نتیجہ ہو جاتے ہیں...... اقبال نے کیا خوب کہا:

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

۱۴...... ایک اور مقام پر کامل مومنین کی صفات کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

التائبون العبدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الأمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین (التوبہ۱۱۲)

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد وثنا کرنے والے، روزہ رکھنے

والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی (قائم کردہ) حدوں کی حفاظت کرنے والے (محبوب!) خوشخبری سنادیجئے! (ان کامل) مومنوں کو۔

توضیح: معلوم ہوا کہ اصل مومن اور کامل مسلمان وہ ہے جو عبادت واطاعت کے علاوہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور اللہ کی قائم کردہ حدود کی حفاظت اور نگہبانی کرے...... کسی خلاف شرع کام کو برداشت نہ کرے...... جیسا کہ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا: تم میں جو کوئی خلاف شرع کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے جو یہ طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے روکے، نہیں تو دل میں اسے ضرور برا سمجھے وذلک اضعف الایمان (مسلم ۱/۵۱) اور یہ سب سے کمزور درجے کا ایمان ہے......

یعنی کامل ترین ایمان ان کا ہے جو برائی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے روکے، خلاف شرع کام کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرے۔ لیکن آج کل اسے "مولویت" کا نام دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے...... حالانکہ یہی کامل ایمان اور ولایت کی نشانی ہے......

۱۵...... سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیارکم الذین اذا رؤوا ذکر اللہ (ابن ماجہ ص ۳۱۳، مشکوٰۃ ص ۴۲۷، جامع البیان ۱۱/۱۷۱)

یعنی اللہ والے وہ ہیں جب وہ دکھائی دیں تو خدا یاد آجائے۔

خلاصۃ الکلام

نصوص سابقہ سے روز روشن سے زیادہ واضح ہوگیا کہ اولیاء کرام

⊙...... صاحب ایمان اور تقویٰ وطہارت کے پیکر ہوتے ہیں...... لہذا بے ایمان اور تقویٰ وطہارت سے عاری حضرات ولی نہیں ہوسکتے......

◉ ...... پابند صوم وصلوٰۃ ہوتے ہیں...... لہذا بے نمازاور روزہ خور کا ولایت سے کوئی تعلق نہیں۔

◉ ...... راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں...... لہذا عاقبت تباہ کرنے والے، اور مال ودولت کے پجاری افراد کو ولایت سے کیا تعلق؟

◉ ...... ادب، تواضع اور عاجزی وانکساری اور خوش مزاجی وخوئے دلنوازی ان کا شعار ہوتا ہے...... لہذا بے ادب، متکبر اور بدمزاج وجھگڑالو لوگ اس منصب کو حاصل نہیں کر سکتے۔

◉ ...... شب زندہ دار اور تہجد گزار ہوتے ہیں...... لہذا ان لوگوں کو منصب ولایت نصیب نہیں ہوسکتا جنہوں نے رات تو کیا کبھی دن کو بھی نماز اور عبادت کا خیال نہیں کیا...... بلکہ الٹا نماز کا انکار کر کے بے ایمان بنتے ہیں۔

◉ ...... خوف الٰہی اور خشیت خداوندی ہر وقت ان پر طاری رہتا ہے...... لہذا وہ لوگ فیض ولایت سے یکسر محروم ہیں جنہیں اپنی بداعمالیوں اور سنت وشریعت کی خلاف ورزیوں پر کبھی خوف خدا اور فکر آخرت دامنگیر نہیں ہوئی گویا:

خوف خدا شرم نبی...... وہ بھی نہیں یہ بھی نہیں

◉ ...... اس قدر بے خوف وخطر ہوتے ہیں کہ انہیں اگر کسی بدمذہب اور مخالف شرع بادشاہ سے بھی ٹکر لینی پڑے تو اس سے بھی قطعاً گریز نہیں کرتے...... بغیر کسی رنج وملال کے میدان میں کود پڑتے ہیں۔ وہ ابن الوقت (حالات کی رو میں بہنے والے) نہیں ابوالوقت (حالات کا رخ بدل دینے والے) ہوتے ہیں...... دینوی اغراض کی وجہ سے دین کا سودا نہیں کرتے، ہر وقت اسلام کی بالادستی کیلئے کوشاں رہتے ہیں، اگر اس کی پاداش میں سر دھڑ کی بازی بھی لگانی پڑے تو گریز نہیں کرتے...... لہذا ان لوگوں کو ولایت سے کیا نسبت جو حالات کی رو میں بہہ جاتے ہیں...... جو کلمۂ اسلام

پھیلانے کی بجائے حکام اور بادشاہ سے مرعوب ومقہور ہوتے ہیں اور دنیوی اغراض کیلئے اپنے ایمان کو بھی داؤ پر لگا دیتے۔

⊙ ...... اپنی طرف سے عبادت اور ریاضت میں محنت ومشقت کے باوجود عذاب نار سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں، کیونکہ جہنم، غضب الٰہی کا محل ہے......لہذا ان لوگوں کا ولایت سے کیا علاقہ جو اولاً تو بے عمل اور نماز وروزہ کے تارک ہوتے ہیں۔ ثانیاً انہیں کبھی اس بات کا احساس تک نہیں ہوا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں...... بلکہ الٹا اپنے آپ کو جنت اور بخشش کے اولین حقدار باور کراتے ہیں...... کبھی عذاب نار اور غضب جبار سے پناہ مانگنے اور اپنی بے عملیوں سے توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی......"الٹا چوری اور سینہ زوری" کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں "جنت ہمارے لیئے ہی تو ہے"......"نبی، ولی سانوں بخشوا لیں گے"

⊙ ...... ان کا مقصود اور معبود صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، خون ناحق اور بدکاری کے سیاہ دھبوں سے ان کا دامن پاک ہوتا ہے......لہذا وہ لوگ درجہ ولایت کے حصول سے کوسوں دور ہیں جو اپنی خواہشات نفسانی کے پیرو ہیں جنہوں نے ہوائے نفس کو اپنا الہ بنالیا ہے......جیسا کہ ارشاد باری ہے:

افرأيت من اتخذ الهه هواه (الجاثیہ ۲۳)

یعنی کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا ہے۔

یعنی اسے احکام خداوندی اور فرمودات مصطفوی کا قطعاً کوئی احساس نہیں، ہر وہ کام کرتا ہے جو اس کے نفس کو پسند ہے اور نفس کا ہر تقاضہ پورا کرتا ہے...... ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے خون ناحق، بدکاری، لوگوں کی عصمت دری اور ہر قسم کی قباحت ومعصیت کر گزرتا ہے......اور کبھی کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

⊙ ...... وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، بدمذہب اور بے دین لوگوں سے ان کا کوئی تعلق

نہیں ہوتا اور لغو اور بے ہودہ کاموں سے اجتناب کرتے ہیں...... تو ان لوگوں کا اولیاء سے کیا واسطہ جو رات دن جھوٹ پر کمر بستہ ہیں، بری محفلوں، بے ہودہ گوئیوں اور خلاف شرع امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں...... ڈھول ڈھمکے، رقص و سرود عیش و طرب اور لہو و لعب کے عادی ہوتے ہیں۔

⊙ ...... جب انہیں قرآنی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو اندھوں اور بہروں کی طرز نہیں اپناتے ...... تو وہ لوگ جو قرآن وحدیث کی کسی نصیحت کو قبول نہ کریں، ہوائے نفسانی کے سرکش گھوڑے کو سرپٹ دوڑانے والے ہوں اور جب انہیں حکم خدا اور فرمان مصطفیٰ سنایا جائے، اور انہیں ان کی سرکشیوں پر سرزنش کی جائے تو بجائے باز رہنے اور توبہ استغفار کرنے کے ان کا نفس بدی اور برائی پر اور دلیر ہو جاتا ہے، ایسے لوگوں کا ولایت سے کیا تعلق؟۔

⊙ ...... وہ نیک خصلت اور پاک سیرت ازواج واولاد کی آرزو کرتے ہیں...... تو وہ لوگ جنہوں نے نہ تو خود اسلام کو جانا اور نہ ہی اپنی اولاد کی اسلامی تربیت کرنے کا خیال کیا۔ کاروباری معاملات اور دنیوی عہدہ جات کی لالچ میں اسلامی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو پس پشت ڈال دیا، دنیا کے دھندے تو سکھا دیئے لیکن دین سے دور رکھا، ایسے لوگ خود کو کس منہ سے ولیوں میں شامل کرتے ہیں......

⊙ ...... اولیاء کرام عبادت وریاضت، رکوع وسجود، قعدہ ودرود، خشوع وخضوع کے ساتھ ساتھ نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں اور اللہ کی قائم کردہ حدود کی نگہبانی اور حفاظت کرتے ہیں...... تو وہ لوگ جو عبادت سے تنگ ہوں، نہ خود نمازیں پڑھیں اور نہ مریدوں کو نماز کی تلقین کریں، خود بھی شریعت سے دور ہوں اور مرید بھی شرع کے باغی ہوں، خود بھی ہر قسم کی برائی میں مشغول اور مرید بھی تمام تر برائیوں میں ملوث ہوں، اللہ کی حدود کو پھلانگنے والے، قانون الٰہی کو توڑنے والے، شرعی

معاملات اور دینی مسائل میں من مانی کرنے والے......شرع شریف کی بات کو پس پشت ڈال کر اپنی بات کو ترجیح دینے والوں کا ولایت سے دور کا بھی واسطہ نہیں......لہذا خلاف شرع امور کی حوصلہ افزائی کرنے والوں اور حدود الٰہی کو توڑنے والوں کو اپنی ولایت پہ نظر ثانی کرنی چاہیے......اللھم اھدنا الصراط المستقیم

اولیاء کرام کیلئے انعام واکرام خداوندی

قرآن وحدیث کے ان روشن دلائل کو سمجھنے کے بعد ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ رب العالمین نے اولیاء کرام کیلئے کس قدر انعامات واکرامات کا انتظام فرما رکھا ہے:

دنیا وآخرت میں بشارت

ارشاد باری تعالی ہے:

لھم البشرٰی فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لاتبدیل لکلمت اللہ ذلک ھو الفوز العظیم (یونس۶۴)

ان کیلئے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں نہیں بدلتیں اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

یعنی دنیا میں بھی ان کیلئے خوشخبری ہے اور روز قیامت بھی ان کو خوش کیا جائیگا...... یہ وعدہ کسی دنیا دار، سرمایہ دار یا چوہدری کا نہیں کہ اس میں ردوبدل ہو جائے...... بلکہ یہ خدائے ذوالجلال والاکرام کا وعدہ ہے......جس کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا......اس کی باتوں میں تغیر وتبدل نہیں آتا......وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اور جو کہتا ہے عطا فرماتا ہے، اسے کچھ کرنے یا عنائت فرمانے کیلئے کسی سے صلاح ومشورہ کرنے کی ضرورت نہیں......کسی کی مرضی معلوم کرنے کی حاجت نہیں...... وہ

خالق ارض وسما انہیں بشارت سنا رہا ہے...... بھلا جسے خداوند قدوس بشارت سنا دے اس کیلئے اس سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہوگی...... اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی۔

⊙ ...... بارگاہ رسالت میں کسی شخص نے عرض کیا کہ "لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا...... الخ" کا کیا مطلب ہے تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

ھی الرویا الصالحۃ یراھا المسلم اوتری لہ (ترمذی ۲/۱۳۸)

یہ سچے خواب ہیں جو وہ مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھائے جاتے ہیں۔

آپ نے مزید فرمایا:

بشراہ فی الحیوۃ الدنیا و بشراہ فی الآخرۃ الجنۃ

⊙ ...... یہ اس کی دنیوی زندگی میں بشارت ہے اور آخرت میں اس کی بشارت جنت ہے۔ (مسند احمد ۶/۴۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/۵۱ رقم ۱۰۵۰۱، شعب الایمان رقم ۴۷۵۱۵۲)

ان نوازشات و بشارات کا ذکر قرآن کریم نے اپنی لافانی زبان میں یوں کیا ہے۔

⊙ ...... ارشاد خداوندی ہے:

یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان (التوبہ ۲۱)

اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف سے رحمت و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○ اولئک اصحب الجنۃ خلدین فیھا جزاء بما کانوا یعملون (الاحقاف ۱۳،۱۴)

بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے

توان پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے یہی لوگ جنتی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ ان (نیک اعمال) کی جزا ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

⊙ ...... اسی چیز کو مزید تفصیل سے یوں بیان فرمایا:

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ○ نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون ○ نزلاً من غفور رحیم (حم السجدہ ۳۲،۲۱)

بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو، اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم دنیوی زندگی میں تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں (بھی) اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل پسند کرے اور ہر وہ چیز ہے جس کو تم مانگو...... (یہ) مہمان نوازی ہے بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے (اللہ) کی طرف سے۔

ان آیات بینات میں شان بندگی اور شان بندہ نوازی کی حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے...... کہ بندگان خدا جب خدا کی ربوبیت، الوہیت اور توحید کا اقرار کرتے ہیں تو پھر عمر بھر ثابت قدمی سے اس پر ڈٹے رہتے ہیں، اپنے قول و فعل، جذبات و احساسات سے، اور اپنی خلوت و جلوت میں اس کی تصدیق کرتے ہیں...... پوری ثابت قدمی سے اپنے خالق و مالک کی اطاعت و عبادت میں مگن رہتے ہیں ہر قسم کی ریاکاری اور نمود و نمائش سے دامن بچا کر خلوص، خیر خواہی، تقویٰ و پرہیز گاری کے دامن سے وابستہ رہتے ہیں۔ اوامر و محکمات کی بجا آوری اور منہیات و ممنوعات سے اجتناب ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے...... اور جب وہ بندگی کی منازل رفیعہ اور

مراتب علیہ کو طے کر جاتے ہیں تو پھر خدائے بزرگ و برتر اپنی شان بندہ نوازی کا اظہار یوں فرماتے ہے کہ ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے...... اللہ کی طرف سے بشارتیں لاتے ہیں، قبر و حشر کی کامیابیاں، خدا کی خوشنودیاں اور جنت کی سرمدی مہمان نوازیاں ان کا استقبال کرتی ہیں...... انہیں کسی قسم کا کوئی خوف، حزن اور غم نہیں رہتا کیوں کہ بذریعہ الہام انہیں یہ بتلا دیا جاتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ہم تمہارے مددگار ہیں، بھلائی، اچھائی اور کامیابی کے امور کی طرف تمہاری رہنمائی ہوتی رہے گی......اور آخرت میں تمہارا شاندار استقبال ہوگا......تم جو چاہو گے، جو مانگو گے دیا جائے گا ...... اور سنو! یہ عنایات اور نوازشات تمہارے اعمال کا معاوضہ نہیں بلکہ تمہارے خالق و مالک، رب غفور و رحیم کی مہمان نوازی اور میزبانی ہوگی۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے اولیاء کرام کی کہ خدا میزبان ہے اور یہ مہمان ہیں۔

دعوت انصاف

درج بالا آیات مبارکہ میں یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سرور عالم، نور مجسم، شفیع معظم، حضور اکرم ﷺ کے غلاموں اور نیاز مندوں کو ان کے حسن انجام، منازل عالیہ اور مراتب رفیعہ پر فائز ہونے کی خوشخبریوں سے نوازا جاتا ہے......انہیں ان کے مستقبل کے بارے میں مطمئن کر کے ہر خوف و حزن سے پاک کر دیا جاتا ہے، اب سوچیئے! کہ جب امت مسلمہ کے اولیاء کرام اپنے نیک انجام اور حسن عاقبت سے باخبر ہیں تو پھر یہ کہنا کتنی بڑی جسارت، گستاخی اور توہین رسالت ہوگی کہ ان کے آقا ومولیٰ، حضور پرنور ﷺ کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور میری امت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا...... العیاذ باللہ

خدا کسی سے دین چھین نہ لے، ورنہ کئی لوگ جبہ و دستار میں ملبوس، اپنی

پارسائی اور پاکبازی کے باوجود برملا اس قسم کی ہرزہ سرائیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں......لاحول ولاقوۃ الا باللہ

قیامت کے دن دعا وسلام کے تحائف

اولیاء کرام پر شان بندہ نوازی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اولئک یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیها تحیة وسلاما خالدین فیها ، حسنت مستقرا ومقاما (الفرقان ۷۵،۷۶)

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے باعث (جنت کے) بالاخانے بدلے میں ملیں گے اور دعا وسلام سے ان کا استقبال کیا جائیگا......وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ اچھا ٹھکانا اور عمدہ قیامگاہ ہے۔

یعنی روز قیامت نوری فرشتے پوری گرمجوشی سے ان کا استقبال کریں گے انہیں دعا وسلام کے تحفے پیش کریں گے......جنت کے بالاخانے ان کی میزبانی کیلئے منتخب ہوں گے......جو وہ چاہیں گے انہیں وہی کچھ عنائت کیا جائے گا......ان کی ہر مرضی کو پورا کیا جائیگا......کتنا اچھا انجام اور عمدہ قیام ہوگا اولیاء کرام اور عباد الرحمٰن کا......کیا قابل رشک مقام ہے، بندگان خدا کا۔

اولیاء پر رحمتیں اور برکتیں اترتی ہیں

اولئک علیهم صلوات من ربهم ورحمة واولئک هم المهتدون (البقرہ ۱۵۵)

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں اترتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

یعنی بندگان خدا پر اللہ رب العالمین کی طرف سے سلامتیوں، برکتوں، رحمتوں اور طرح طرح کی نوازشوں کا نزول ہوتا رہتا ہے...... گویا وہ انوار الٰہی کا مہبط اور برکات خداوندی کا مرکز بن جاتے ہیں۔

قیامت کے دن بے خوف و خطر ہوں گے

لایحزنھم الفزع الاکبر وتتلقّٰھم الملائکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون (الانبیاء ۱۰۳)

سب سے بڑی گھبراہٹ (قیامت) انہیں غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

یعنی روز حشر صور پھونکا جائے گا...... ساری مخلوق اضطراب و بے قراری میں قبروں سے نکلے گی...... نفسا نفسی کا عالم ہوگا...... ہر کوئی حیران و پریشان ہوگا۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ لیکن یہ پاک باز نفوس اس وقت بھی پورے اطمینان وایقان میں ہوں گے...... انہیں کسی قسم کی بے چینی اور گھبراہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔ کیونکہ فرشتے پہلے سے ان کے استقبال کیلئے موجود ہوں گے، انہیں نوید دلنواز اور مژدہ جانفزا سنائیں گے، کہ مبارک ہو! یہی وہ دن ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا، اسی روز سعید کیلئے تم اپنی راتوں کا سکون اور دنوں کا چین قربان کرتے تھے، اسی یوم مبارک کیلئے تم عمر بھر عبادت وریاضت اور طاعت ومشقت میں مصروف رہے ہو۔ آج تمہیں تمہارے اعمال شاقہ کا بدلہ دیا جائیگا...... آج تمہاری بے تاب نگاہوں اور مضطرب دلوں کی تسکین وراحت کا سامان کیا جائیگا۔ آج تمہارا خالق و مالک تمہیں تمہاری حیثیت سے زیادہ نوازے گا۔ اور اپنے خصوصی کرم اور احسان کا اظہار فرمائیگا۔

اولیاء کے دائیں بائیں نور ہوگا

یوم تری المومنین والمومنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم بشرٰی کم الیوم جنت تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا ذلک ھوا لفوز العظیم (الحدید۱۲)

اس دن آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (اور ان سے کہا جائیگا) تمہیں بشارت ہو آج ان جنتوں کی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے ...... یہ بڑی کامیابی ہے۔

یعنی جب وہ اپنی قبروں سے باہر آئیں گے تو ان کے آگے اور دائیں جانب نور ایمان ضوفشانی کر رہا ہوگا اور انہیں جنتوں کی بشارتیں سنائی جائیں گی...... وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اولیاء کیلئے اللہ کی رضا و جنت ہوگی

قل او نبئکم بخیر من ذلکم للذین اتقوا عند ربھم جنت تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا وازواج مطھرۃ ورضوان من اللہ اکبر واللہ بصیر بالعباد (آل عمران ۱۵)

(محبوب!) فرمادیں کیا متقی لوگوں کیلئے اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ ان کیلئے ان کے رب کے ہاں ایسے باغات (جنتیں) ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں...... وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (ان کیلئے ان جنتوں میں) پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور اللہ کی طرف سے رضا وخوشنودی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے

والا ہے۔

یعنی انہیں دیگر لوگوں کے مقابلے میں یہ بہترین، انعامات ملیں گے کہ ایسی جنتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی رضا و خوشنودی۔

اولیاء جنت میں قسما قسم کے پھل ملیں گے

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت ان لھم جنت تجری من تحتھا الانھر کلما رزقوا منھا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل واتوا بہ متشابھا ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وھم فیھا خالدون (البقرہ ۲۵)

اور خوشخبری دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ بیشک ان کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں...... جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کیلئے دیا جائیگا (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور انہیں اس سے ملتا جلتا پھل دیا جائے گا۔ اور ان کیلئے وہاں پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی انہیں باغات میں دوام، پاکیزہ بیویاں اور قسما قسم کے پھل بطور میزبانی کے پیش کئے جائیں گے۔

جنت میں اللہ اولیاء کا میزبان ہوگا

لکن الذین اتقوا ربھم لھم جنت تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا نزلا من عنداللہ وما عنداللہ خیر للابرار (آل عمران ۱۹۸)

لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کیلئے وہ باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے...... یہ اللہ کی طرف سے

مہمانی ہے اور نیکوں کیلئے جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں۔
یعنی جنت الفردوس میں یہ مہمان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا میزبان ہوگا۔
اللھم اجعلنا منھم بحق نبیک الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

اولیاء کے لئے جنت کے گھنے سائے ہوں گے

والذین امنوا وعملوا الصلحت سندخلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا ابداً لھم فیھا ازواج مطھرۃ وندخلھم ظلا ظلیلا (النساء ۵۷)

اور وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے عنقریب ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے، ان کیلئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنے سائے میں داخل کریں گے۔

جنت میں عمدہ مہمان نوازی

والسابقون السابقون ٥ اولئک المقربون ٥ فی جنت النعیم ٥ ثلۃ من الاولین ٥ وقلیل من الاخرین ٥ علی سرر موضونۃ ٥ متکئین علیھا متقبلین ٥ یطوف علیھم ولدان مخلدون ٥ باکواب واباریق وکاسٍ من معین ٥ لا یصدعون عنھا ولا ینزفون ٥ وفاکھۃ مما یتخیرون ٥ ولحم طیر مما یشتھون ٥ وحور عین کامثال اللؤلؤ المکنون ٥ جزاءً بما کانوا یعملون ٥ لایسمعون فیھا لغواً ولاتاثیماً ٥ الاقیلا سلماً سلماً ٥ (الواقعہ ۱۰تا۲۶)

اور (ہر کار خیر میں) آگے رہنے والے (اس روز بھی) آگے آگے ہوں

گے، وہی مقربان بارگاہ ہوں گے، عیش و سرور کے باغوں میں، ایک بڑی جماعت پہلوں سے، اور تھوڑی تعداد پچھلوں سے، سونے کی تاروں سے بنے ہوئے پلنگوں پر، آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، ان کے ارد گرد نو عمر لڑکے گردش کرتے ہوں گے، جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے، پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام (ہاتھوں میں لیئے ہوئے) اس سے نہ سر درد محسوس کریں گے اور نہ مدہوش ہوں گے، اور ایسے میوے (بھی پیش کریں گے) جنہیں وہ پسند کریں گے، اور پرندوں کا گوشت بھی جسکی وہ رغبت کریں گے، اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں (بھی)، (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں، یہ ان نیکیوں کا اجر ہوگا جو وہ کرتے رہے تھے، وہاں نہ لغو باتیں سنیں گے اور نہ گناہ والی باتیں، ہر طرف سے سلام، سلام کی آواز آئے گی۔

دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنے مقربین پر کیسی کیسی نوازشات خسروانہ فرمارہا ہے۔

ان الابرار لفی نعیم ۝ علی الآرائک ینظرون ۝ تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ۝ یسقون من رحیق مختوم ۝ ختٰمہ مسک وفی ذلک فلیتنا فس المتنافسون ۝ ومزاجہ من تسنیم ۝ عینا یشرب بھا المقربون ۝ (المطففین ۲۲ تا ۲۸)

بے شک نیک لوگ راحت و آرام میں ہوں گے، پلنگوں پر بیٹھے (جنت کے مناظر) دیکھ رہے ہوں گے، آپ ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی پہچان لیں گے، انہیں سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی، اس کی مہر کستوری ہوگی اور سبقت لے جانے والے اس کیلئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے، اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی، یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے۔

ملاحظہ فرمائیں! ابرار و صالحین کے ساتھ کس قدر لطف و کرم فرمایا جائے گا۔

جنت عدن ن التی وعد الرحمن عبادہ بالغیب انه کان وعدہ ماتیا o لایسمعون فیھا لغواً الا سلما o ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا o (مریم ۶۱،۶۲)

سدا بہار جنتیں جنکا وعدہ اللہ نے اپنے بندوں سے کیا ہے، غیب میں (بن دیکھے) یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے، ان (جنتوں) میں کوئی لغویات نہ سنیں گے سوائے سلام کے، وہاں انہیں ہر صبح وشام رزق ملے گا۔

⊙ ...... انہیں روز قیامت یہ مژدہ سنایا جائیگا:

یعباد لاخوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون o الذین امنوا بایتنا وکانوا مسلمین o ادخلوا الجنة انتم وازواجکم تحبرون o یطاف علیھم بصحاف من ذھب و اکواب وفیھا ما تشتھیه الانفس وتلذ الاعین وانتم فیھا خالدون تلک الجنة التی اورثتموھا بما کنتم تعملون o لکم فیھا فاکھة کثیرة منھا تاکلون o (الزخرف ۶۸ تا ۷۳)

اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے (تم) وہ بندے (ہو) جو ایمان لائے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے، تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی داخل ہو جاؤ، ان پر سونے کے تھال اور جام گردش میں ہوں گے، وہاں ہر وہ چیز موجود ہو گی جسے دل چاہیں اور جن سے آنکھیں لذت اندوز ہوں اور تم وہاں ہمیشہ رہو گے، اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے سبب جو تم کیا کرتے تھے تمہارے لئے وہاں بکثرت ایسے پھل ہوں گے جنہیں تم (جیسے جی میں آئے) کھاؤ گے۔

جنت میں بے حساب رزق دیئے جائیں گے

جنتیوں کو وہاں بغیر حساب کے رزق دیا جائیگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنة یرزقون فیھا بغیر حساب (المومن ۴۰)

اور جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے انہیں وہاں بغیر حساب کے رزق دیا جائیگا۔

اگر اس آیت کریمہ میں ہر جنتی مراد ہے تو بھی اولیاء کرام کو اس آیت کے زمرہ سے کسی طور بھی نہیں نکالا جا سکتا۔

نزع کے وقت صدائے دلنواز

محبوبان خدا کو نزع کے وقت ایک صدائے دلنواز اور خطاب بندہ نواز سے مشرف کیا جاتا ہے، جس کی بدولت اسے نزع کی تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا، مصائب و آلام کافور ہو جاتے ہیں، آرام و راحت اور تسکین و طمانیت مل جاتی ہے...... ارشاد باری ہے:

یاایتھا النفس المطمئنة ○ ارجعی الی ربک راضیة مرضیة ○ فادخلی فی عبدی وادخلی جنتی (الفجر ۲۷ تا ۳۰)

اے نفس مطمئن! اپنے رب کی طرف واپس آ جا! اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

وارثانِ جنت

انہیں صرف جنت میں دخول اور خلود کی اجازت نہیں ہوتی، بلکہ وہ جنت کے وارث اور مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔

⊙ ...... جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تلک الجنة التی نورث من عبادنا من کان تقیاً (مریم ۶۳)

یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اسے جو متقی ہوگا۔

⊙ ...... دوسرے مقام پر فرمایا:

ولقد کتبنا فی الزبو رمن بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (الانبیاء ۱۰۵)

اور تحقیق ہم نے زبور میں وعظ و نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ بے شک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اس آیت میں زمین سے مراد جنت کی زمین ہے، کیونکہ صالحین و متقین سے اسی سرزمین کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت مبارکہ میں صراحت ہے۔ کہ جب نیک اور متقی لوگ گروہ در گروہ جنت میں جائیں گے۔

وقالوا الحمدلله الذی صدقنا وعده واورثنا الارض نتبوأ من الجنة حیث نشاء فنعم اجر العاملین (الزمر ۷۴)

اور کہیں گے کہ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے ہمارے ساتھ کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا، اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنائیں، پس نیک کام کرنے والوں کیلئے بہترین اجر ہے۔

⊙ ...... جب روز قیامت بندگان خدا بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے تو اللہ فرمائیگا میرے بندو!

تلک الجنة التی اورثتموھا بما کنتم تعملون (الزخرف ۷۲)

یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔

⊙ ...... اور یہ اعلان بھی ہوگا:

ونودوا ان تلکم الجنة اورثتموھا بما کنتم تعملون (الاحزاب ۴۳)

اور انہیں آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال (صالحہ) کے بسبب وارث بنائے گئے ہو۔

معلوم ہوا کہ اولیاء کرام جنت کے وارث اور مالک ہیں۔

دعوت انصاف

مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے روز روشن سے زیادہ واضح ہوگیا کہ اولیاء کرام جنت کے مالک ہیں...... خالق جنت، اللہ رب العزت نے جنت کی وراثت اولیاء کرام کو عنائت فرمائی ہے...... دعوت انصاف ہے ان لوگوں کیلئے جو اتنی بات پر بھی برہم ہو جاتے ہیں کہ حضور جنت کے مالک ہیں...... قرآن کریم تو حضور اکرم ﷺ کے نیاز مندوں، غلاموں اور پیروکاروں کیلئے جنت کی مالکیت ثابت کر رہا ہے اور افسوس ہے آپ کے ایسے جذبہ دین اور جوش توحید پر کہ آپ محبوب خدا، تاجدار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کیلئے بھی اس بات کا اقرار کرنا شرک، کفر اور توحید کے منافی خیال کرتے ہیں...... حالانکہ حضور قاسم جنت ہیں، جسے چاہیں جنت عطا فرمادیں، آپ کے نواسے جنتی نوجوانوں کے سردار (ترمذی ۲/ ۲۱۷، مشکوٰۃ

ص ۵۷۰) آپ کی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار (بخاری ۱/۵۱۲، مشکوٰۃ ص ۵۶۸) آپ کے یار غار اور رفیق مزار حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ عنہم جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی ۲/۲۰۷، ابن ماجہ ص ۱۱، مشکوٰۃ ص ۵۶۰) دس صحابہ کرام کو آپ نے جنتی ہونے کی بشارت سنائی (ابوداؤد ۲/۲۸۳، ترمذی ۲/۲۱۶، ابن ماجہ ص ۱۳) صحابہ کرام کو ان کے مطالبہ پر بھی جنت عطا فرمائی ہے (بخاری ۲/۸۵۰، ۹۷۰۔ ترمذی ۲/۲۱۵)...... اگر جنت کی بابت آپ کو کچھ اختیار نہ تھا تو کیا آپ یوں جنت تقسیم فرما سکتے تھے؟ کوئی شخص کسی کو ایک انچ جگہ بغیر اجازت و اختیار کے نہیں دے سکتا یہاں تو جنت کے محلات اور قطعات دیئے جا رہے ہیں اعلحضرت نے کیا خوب فرمایا:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

پوشیدہ انعامات

کچھ نوازشات، انعامات اور احسانات کا ذکر کھلے لفظوں سے فرمایا ہے لیکن کئی الطاف و انعامات وہ ہیں جن کو خفیہ اور پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين جزآء بما كانو ا يعملون (السجدہ ۱۷)

پس کوئی شخص نہیں جانتا ان (نعمتوں کو) جو ان کیلئے چھپا کر رکھی گئی ہیں، جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ بدلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔

یعنی اپنے مقبولان بارگاہ کیلئے خداوند قدوس نے جو نعمتیں اور عنائتیں چھپا رکھی ہیں کوئی آدمی ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا...... جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رات ولااذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (بخاری ۱/۴۶۰، مسلم ۲/۳۷۸، مشکوٰۃ ص ۴۹۵)
میں اپنے نیک بندوں کیلئے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی آدمی کے دل میں ان کا خیال نہیں گزرا۔

شیطانی مکر سے آزاد

خداوند قدوس نے جب زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنانا چاہا، تو فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار فرمایا...... انہوں نے عرض کیا مولا! اگر صرف تسبیح وتقدیس اور تہلیل وتکبیر کیلئے اسے بنانا مقصود ہے تو کیا ہم تیری حمد وثنا تھوڑی بیان کرتے ہیں...... وہ تو خون ریزیاں اور دنگا وفساد بپا کردے گا...... فرمان خداوندی ہوا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، فرشتے عرض گزار ہوئے، پروردگار! ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے، اس سے زیادہ ہم ایک حرف بھی نہیں جانتے ...... مالک ارض وسما نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے بنایا، تمام اسماء کا علم پڑھایا، اور تمام فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرمایا...... سب نے سر جھکایا، لیکن ابلیس نے تکبر اور غرور دکھایا، اپنے آپ کو حضرت آدم سے بہتر بتایا، انہیں مٹی سے بنا ہوا بشر کہہ کر حقیر قرار دیا اور انہیں سجدہ کرنے سے انکار کردیا...... خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو انوار وبرکات کا مرکز بنا کر جنت میں بسایا اور ابلیس کو لعنت وپھٹکار کا سزاوار ٹھہرا کر اپنی بارگاہ سے دور ہٹایا...... ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے چند مطالبات کو پیش کیا کہ

۱...... مجھے یوم حشر تک مہلت عطا کر...... فرمایا وقت مقررہ کے دن تک تجھے مہلت دی۔

۲...... میں تیری مخلوق حضرت آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔

ساتھ ہی کہنے لگا: الا عبادک منھم المخلصین (الحجر ۴۰)

مگر تیرے وہ بندے جنہیں چن لیا گیا ہے ان پر میرا کوئی تسلط نہیں ہو سکے گا۔

رب العالمین نے فرمایا:

ان عبادی لیس لک علیھم سلطن (الحجر ۴۲) ......(ہاں!) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا)۔

دیکھئے! نوع انسانی کا سب سے بڑا دشمن اور بارگاہ خداوندی کا سب سے بڑا غدار، ابلیس جیسا خرانٹ بھی اولیاء خدا اور مقبولان بارگاہ کے عزم واستقلال کے سامنے بے بس ہے اور اپنی زبان سے اپنی بے بسی کا اقرار کر رہا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی فرما دیا کہ واقعی میرے مخلص، چنیدہ اور برگزیدہ بندے تیرے دام فریب اور شاطرانہ چال میں نہیں آسکتے، انہیں تو گمراہ کرنے کیلئے سارے جتن کر کے دیکھ لے، تجھے کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔

اولیاء قیامت کے دن بھی دوست ہوں گے

دنیا ختم ہونے والی ہے، ایک دن آئے گا جب ساری کائنات کو جمع کیا جائیگا...... سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے...... ہولناک مناظر کیوجہ سے ایک عجیب شور بپا ہوگا، ایسی گرجدار آوازیں اٹھیں گی جن کے شور سے کان بہرے ہو جائیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ پہاڑ ریت کے ذرات دکھائی دیں گے، ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا لیکن اولیائے کرام اس وقت بھی بے خوف وخطر اور خوش وخرم ہوں گے......

اپنے متعلقین، معتقدین اور مریدین کے ساتھ خلت، محبت، معاونت اور شفاعت کا حق

ادا کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فاذا جاءت الصاخة ٥ یوم یفر المرأ من اخیه ٥ وامه وابیه ٥ وصاحبته وبنیه ٥ لکل امری منهم یومئذ شان یغنیه ٥ وجوه یومئذٍ مسفرة ٥ ضاحکة مستبشرة ٥ (عبس ۳۳ تا ۳۹)

پھر جب کان بہرے کرنے والا شور اٹھے گا، اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے، اس دن ہر شخص کو ان میں سے ایک فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی، کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے، ہنستے ہوئے خوش وخرم۔

ظاہر ہے ایسی ہولناکیوں اور دلدوزیوں میں وہی افراد فکر واندیشہ اور حزن وغم سے بری ہوں گے جنہیں **لاخوف علیهم ولا هم یحزنون** (انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے) اور **لهم البشریٰ فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة** (ان کیلئے بشارت ہے دنیا وآخرت میں) کا مژدۂ جانفزا سنا دیا گیا ہو۔

نہ صرف یہ کہ وہ خود خوش وخرم ہوں کے بلکہ ان سے محبت اور عقیدت رکھنے والوں کو بروز قیامت ان کی دوستی وسنگت سے پورا پورا نفع ملے گا...... یہ اس دن بھی اپنی دوستی کا بھرم رکھتے ہوئے، فرض محبت کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں گے۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الا خلاء یومئذٍ بعضهم لبعض عدو الا المتقین (الزخرف ۶۷)

اس دن گہرے دوست (بھی) ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا پرہیز گاروں کے۔

یعنی باقی سب بھائی چارے ختم ہو جائیں گے لیکن بندگانِ خدا کی دوستی اس دن بھی سلامت رہے گی...... احادیث مبارکہ میں بھی اس حقیقت کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے......

⊙ ...... ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات وتسلیمات ہے:

المرأ مع من احب (بخاری ۲/۹۱۱، مسلم ۲/۳۳۲)

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی۔

اب ظاہر بات ہے انبیاء کرام، اولیاء عظام اور علماء فخام سے محبت کرنے والوں کا انجام انہیں کے ساتھ ہوگا۔

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو ان عبدین تحابا فی اللہ عزوجل واحد فی المشرق وآخر فی المغرب، لجمع اللہ بینھما یوم القیامۃ یقول ھذا الذی کنت تحبہ فی (شعب الایمان ۲/۴۹۲ رقم الحدیث ۹۰۲۲، مشکوٰۃ ص ۴۲۷)

اگر دو بندے اللہ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ان میں ایک مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اکٹھا کرے گا اور فرمائے گا یہ وہ آدمی ہے جس کے ساتھ تو میری خاطر محبت کرتا تھا۔

ان اللہ یقول یوم القیامۃ این المتحابون بجلالی الیوم اظلھم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی (مسلم ۲/۳۱۷، مشکوٰۃ ۴۲۵)

بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیگا میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے کدھر ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سائے میں رکھوں گا، (کیونکہ) آج (وہ دن ہے کہ) اس دن میرے سائے کے علاوہ کسی اور کا سایہ نہیں ہے......

یصف اھل النار فیمر بھم الرجل من اھل الجنۃ فیقول الرجل

منهم یافلاں اما تعرفنی اناالذی سقیتک شربة وقال بعضهم اناالذی وهبت لک وضوء فیشفع له فیدخله الجنة (ابن ماجہ ص ۲۶۲، مشکوٰۃ ص ۴۹۴ واللفظ لہٗ)

یعنی جہنمیوں کو صف در صف کھڑا کیا جائیگا، تو ان کے پاس ایک جنتی آدمی گزرے گا۔ تو جہنمیوں میں سے ایک آدمی اسے کہے گا جناب! آپ مجھے پہچانتے نہیں؟ میں وہ ہوں جس نے آپ کو پانی پلایا تھا...... اور ایک دوسرا کہے گا میں وہ ہوں جس نے آپ کو وضو کیلیے پانی پیش کیا تھا...... سو وہ جنتی ان کی شفاعت کر کے انہیں جنت میں داخل کرادیگا۔

ثابت ہوا کہ محبوبان خدا کی رفاقت، معیت، سنگت اور محبت اس دن بھی کام آئے گی جس دن دنیا کے سارے بھائی چارے، یارانے، دوستیاں اور تعلقات ختم ہو جائیں گے۔

''اللہ کا سایہ'' ایک وضاحت

سطور بالا میں ایک حدیث مبارک میں اللہ تعالیٰ کیلیے لفظ ''ظِـلّ'' استعمال ہوا ہے۔ عام طور پر جس کا معنی ''سایہ'' کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ منکرین شان رسالت حضور اکرم ﷺ کے سایہ ہونے کے متعلق وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں آپ کیلیے لفظ ''ظـــل'' استعمال کیا گیا ہے...... لفظ ''ظـــل'' کا معنی ''تاریک سایہ'' بتا کر وہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو ہمارے سائے کی طرح نبی کا سایہ بھی ثابت ہو گیا...... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ کا معنی قرائن اور سیاق وسباق سے متعین ہوگا...... ہر جگہ اس کا معنی ''تاریک سایہ'' بتانے سے سخت دشواری اٹھانا پڑے گی...... جس طرح کہ مذکورہ بالا حدیث اور دیگر وہ احادیث مبارکہ جن میں اللہ تعالیٰ کیلیے لفظ ''ظل'' استعمال کیا گیا ہے...... کیا ان روایات کے پیش نظر یہ عقیدہ بنایا جا سکتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ بھی ہماری طرح ظلمانی اور تاریک سایہ سے متصف ہے؟ معاذ اللہ۔

نہیں...... کیونکہ ''ظــل'' کا معنی ہے سایہ، کرم، رحمت، شفقت، شخصیت، مہربانی وغیرہ۔ روزمرہ گفتگو میں یہ جملہ بولا جاتا ہے کہ ''فلاں آدمی فلاں کے زیر سایہ ہے''...... اب اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ اس کے جسم کے سایہ میں بیٹھا ہے...... بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فلاں کی زیر تربیت ہے، زیر کرم یا زیر شفقت ہے...... تو معلوم ہوا کہ جس طرح لفظ ''سایہ'' اردو زبان میں بھی صرف جسم کے تاریک سایہ کیلئے نہیں بولا جاتا بلکہ اس کے دیگر معانی بھی مستعمل ہیں اسی طرح عربی میں بھی لفظ ''ظــل'' صرف تاریک سایہ کیلئے نہیں بولا جاتا بلکہ سیاق وسباق سے اسکا معنیٰ متعین ہوگا......

ہماری بات سے انکار کرنے والوں کو پھر اس بات کا بھی اعلان کر دینا چاہیے کہ خدا بھی سایہ ظلمانی سے پاک نہیں کیونکہ لفظ ''ظل'' تو اس کے لئے بھی بولا گیا ہے۔

رحمت خداوندی کے مراکز

خدائے رب العزت کسی قانون کا پابند نہیں اور نہ ہی کسی جہت اور سمت میں مقید...... لیکن یہ اس کی شان بندہ نوازی ہے کہ اس نے اولیاء کرام کو اپنی رحمت کے مراکز بنا دیا ہے

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اولٓئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولٓئک ھم المھتدون (البقرہ ۱۵۸)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

⊙ ...... ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ورحمتی وسعت کل شئی فساکتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوٰة والذین ھم بآیٰتنا یومنون (الاعراف ۱۵۶)

اور میری رحمت ہر چیز پر کشادہ ہے، پس میں اپنی رحمت کو، ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے، اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور جو ہماری نشانیوں پر ایمان لائیں گے۔

یعنی میری رحمت کا دامن تو بہت وسیع ہے لیکن اس کے حقدار صرف وہ لوگ ہیں جن میں مذکورہ بالا صفات پائی جاتی ہیں۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

ان رحمت اللّٰہ قریب من المحسنین (الاعراف ۵۶)

بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

لمحہ فکریہ ہے ان لوگوں کے لئے جو دن رات سادہ لوح مسلمانوں کو راہ راست سے برگشتہ کرنے کیلئے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں کہ ولیوں کے پاس کیا لینے جاتے ہو؟ ان کے پاس رکھا ہی کیا ہے؟ وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے ...... وہ ہماری طرح کے انسان ہی ہیں نا! ...... کیا اللہ ان کی زیادہ سنتا ہے؟ ...... کیا خدا ہر ایک کی شہ رگ کے قریب نہیں؟ تو جتنا ان کے قریب ہے اتنا ہی ہمارے قریب ہے تو پھر خود ہی دعا مانگ لو وہ سن لے گا ...... وغیرہ وغیرہ

ایسے لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ اللہ اپنے علم، قدرت اور تصرف کے لحاظ سے تو سب کے قریب ہے لیکن اپنی رحمت، عنائت اور کرم کے اعتبار سے نبیوں اور ولیوں کے قریب ہے، اولیاء کے پاس چونکہ اللہ کی رحمت ہے، اس لئے ہم وہاں سے اللہ کی رحمت لینے جاتے ہیں اور بحمدہ تعالیٰ ہمیں رحمت خداوندی سے نوازا بھی جاتا ہے ...... اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کی مہربانی اور کرم دیکھیں انہوں نے

گناہگاروں کو جہاں یہ مژدہ سنایا کہ رحمت الٰہی نیک لوگوں کے پاس ہے......وہاں زبان رسالت نے ان غریب اور نادار مسلمانوں کی بھی دستگیری فرمائی جو اپنی غربت، تنگ دستی اور دیگر موانع کی وجہ سے بارگاہ ولایت میں حاضری دینے سے قاصر ہیں......ان کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا:

⊙ ...... تنزل الرحمة عند ذکر الصالحین (شرح شفا للقاری ۱/۱۴۲)

نیک لوگوں کے ذکر کے پاس اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

یعنی اگر کوئی گناہ گار ولیوں کی بارگاہ میں حاضر ہو تو رحمت خداوندی اس کا استقبال کرتی ہے اور اگر کوئی تنہا یا محفل کی صورت میں ان کا ذکر کرے تو بھی رحمت الٰہی اسے نوازتی ہے۔

صرف رحمت ہی نہیں......ذکر اولیاء کرام کی برکت سے ان کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں:......ارشاد نبوی ہے:

⊙ ...... ذکر الانبیاء من العبادة وذکر الصالحین کفارة

(جامع الصغیر ۲/۱۲۰، فیض القدیر ۳/۵۶۴ رقم الحدیث ۴۳۳۱، فتح الکبیر ۲/۱۲۰، السراج المنیر للعزیزی ۲/۲۹۹ میں ہے حدیث حسن لغیرہ یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے)

یعنی انبیاء کا ذکر عبادت ہے اور نیک لوگوں کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔

وصول الی اللہ کے ذرائع

در اولیاء پر آنے والوں کو کبھی خدا کی رحمت ملتی ہے اور کبھی یہ حاضری وصول الی اللہ کا ذریعہ بن جاتی ہے اور انہیں خود صاحب رحمت، اللہ رب العالمین کا وصل نصیب ہو جاتا ہے......حدیث قدسی ہے:

ان اللہ عزوجل یقول یوم القیامة یاابن آدم مرضت فلم

تعدنی قال یارب کیف اعودک وانت رب العالمین قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده اما علمت انک لوعدته لوجدتنی عنده یاابن آدم استطعمتک فلم تطعمنی قال یارب کیف اطعمک وانت رب العالمین قال اما علمت انه استطعمک عبدی فلان فلم تطعمه اماعلمت انک لواطعمته لوجدت ذلک عندی یاابن آدم استسقیتک فلم تسقنی قال یارب کیف اسقیک وانت رب العالمین قال استسقاک عبدی فلان فلم تسقه اما انک لوا سقیته وجدت ذلک عندی (مسلم ۲/۳۱۸ واللفظ لہٗ، مشکوٰۃ ص ۱۳۴)

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوگیا تھا تو نے میری عیادت (بیمار پرسی) نہیں کی، وہ کہے گا: اے پروردگار! تو تمام جہانوں کا پالنہار ہے میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ (کیونکہ تو بیمار ہونے سے پاک ہے) تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھے علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوگیا تھا لیکن تو اسکی بیمار پرسی کیلئے نہیں آیا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کیلئے آتا تو مجھے اس کے پاس پالیتا...... اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا، وہ بندہ عرض کرے گا پروردگار! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا؟ جبکہ تو خود تمام جہانوں کو پالنے والا ہے...... تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا لیکن تو نے اسے کھانا نہ کھلایا، کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اسے کھانا کھلا دیتا تو اسے میرے پاس پالیتا۔

اے اولادِ آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہ پلایا...... بندہ عرض کرے گا پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو خود تمام جہانوں کو پالتا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی کا مطالبہ کیا تھا لیکن

تو نے اسے پانی نہ پلایا، سن لے! اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔

بے شک اللہ تعالیٰ بیماری، بھوک اور پیاس سے پاک ہے لیکن اپنے محبوبوں کی رفعت شان کو بیان کرنے کی خاطر وہ ان کی بیماری، بھوک اور پیاس کو اپنی طرف منسوب کرر ہا ہے...... مثلاً:

مرضت (میں بیمار ہو گیا تھا) استطعمتک (میں نے تجھ سے کھانا مانگا) استسقیتک (میں نے تجھ سے پانی طلب کیا)...... اب کہاں یہ الزام کہ اہلسنت و جماعت بزرگوں کو خدا سے ملا دیتے ہیں اور کہاں یہ انداز کہ خدا ان کے معاملات و حالات کو بذات خود اپنی طرف منسوب فرما کر نہ صرف انہیں اپنے ساتھ ملا رہا ہے، بلکہ کھلے لفظوں سے یہ بھی فرما دیا:

لوعدته لوجدتنی عنده ، اگر تو اس کی عیادت اور بیمار پرسی کیلئے آتا تو اس کے پاس مجھے بھی پالیتا...... معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کو اپنی خدمت اور ان کی ہم نشینی کو اپنی ہم نشینی قرار دیا ہے...... تو پھر کہنے دیا جائے کہ

اللہ اللہ کیے جانے سے تو اللہ نہ ملے
یہ اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں

مولانا روم نے بھی کیا خوب فرمایا:

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
او نشیند در حضور اولیاء

اولیاء کے پاس آنے والا بد بخت نہیں ہوتا

اللہ والوں کے پاس آنے والا کبھی بد بخت اور جہنمی نہیں ہو سکتا ہے ارشاد نبوی ہے:

ان اللّٰہ ملا ئکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون اللّٰہ تنادوا ھلموا الیٰ حاجتکم فیحفونھم باجنحتھم الی السماء الدنیا قال فسئلھم ربھم وھو اعلم منھم مایقول عبادی قال یقولون یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویمجدونک قال فیقول ھل راؤنی قال فیقولون لاواللّٰہ ماراؤک قال فیقول کیف لوراؤنیٰ قال یقولون لوراؤک کانوا اشد لک عبادۃ واشد لک تمجیدا واکثر لک تسبیحاً قال یقول فما یسئلون قالوا یسئلونک الجنۃ قال یقول وھل راوھا قال یقولون لاواللّٰہ یارب ماراوھا قال یقول فکیف لوانھم راوھا قال یقولون لوانھم راوھا کانوا اشد علیھا حرصا واشد لھا طلباً واعظم فیھا رغبۃ قال فمم یتعوذون قال یقولون من النار قال یقول وھل راوھا قال یقولون لاواللہ یارب ماراوھا قال یقول فکیف لوراوھا قال فیقولون لوراوھا کانوا اشد منھا فراراً واشد لھا مخافۃ قال فیقول فانی اشھدکم انی قد غفرت لھم قال یقول ملک من الملائکہ فیھم فلان لیس منھم انما جآء لحاجۃ قال ھم الجلساء لایشقی جلیسھم (بخاری ۲/ ۹۴۸، ترمذی ۲/ ۱۹۹، مشکوٰۃ ۱۱۷)

یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں چکر لگاتے رہتے ہیں ذکر والے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں، پس جب کسی جماعت کو پالیتے ہیں جو اللہ کے ذکر میں مصروف ہوتی ہے تو دوسروں کو پکارتے ہیں، آؤ! اپنے مقصد کی طرف، پس وہ انہیں آسمان دنیا تک اپنے (نورانی) پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ (جب واپس جاتے ہیں) تو ان کا رب ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے) میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ تو وہ کہتے ہیں وہ تیری تسبیح، تیری بڑھائی،

تیری حمد اور تیری بزرگی بیان کر رہے تھے، اللہ پوچھتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں: نہیں......تو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو پھر وہ تیری بہت زیادہ عبادت کرتے، بہت زیادہ بزرگی بیان کرتے اور بہت زیادہ تسبیح پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے وہ کس چیز کا سوال کر رہے تھے؟ کہتے ہیں تجھ سے جنت مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں، نہیں......تو اللہ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ عرض کرتے ہیں پھر تو وہ اسکی بہت زیادہ طلب کرتے اور اس کی بہت زیادہ رغبت رکھتے......اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ عرض کرتے ہیں آگ سے، اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں نہیں دیکھا، اللہ فرماتا ہے، اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ عرض کرتے ہیں پھر وہ اس سے بہت زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ ڈرتے، اللہ فرماتا ہے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان کو بخش دیا......ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: مولا! ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو ان میں سے نہیں تھا بلکہ وہ کسی (اور) حاجت کیلئے آیا تھا......خدا فرماتا ہے وہ ایسی مجلس والے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا شقی (بدبخت اور جہنمی) نہیں ہوتا۔

یعنی گو وہ کسی دنیوی غرض اور ذاتی حاجت کیلئے اس ''محفل ذکر'' میں آیا تھا۔ لیکن آیا تو میرے بندوں کے پاس تھا......اب جبکہ وہ اس محفل میں آ گیا ہے تو میں اس کی خطا کاری اور دنیاداری کو دیکھوں یا اپنے بندوں کی یاری کو دیکھوں...... ان کے پاس آنے والوں کو میں یہی انعام دیا کرتا ہوں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ان نیکوں کے صدقے گناہگاروں کی بھی بن آتی ہے، انکار کرنے والوں کو اب تو اپنے اس قول سے باز آ جانا چاہئے کہ ''ولیوں کے

پاس کیا لینے جاتے ہو؟"......اب تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ گنہگاران کے پاس سے رحمت اور نجات لینے جاتے ہیں۔

"محفل ذکر" ایک وضاحت

اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ "محفل ذکر" کا انعقاد غلط، ناجائز اور بدعت نہیں بلکہ باعث نجات و رحمت ہے......بلکہ محافل ذکر کو "جنت کے باغ" کہا گیا ہے......ملاحظہ ہو!

سرورعالم ﷺ نے فرمایا:

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال حلق الذکر (ترمذی ۲/۱۸۹، مشکوۃ ۱۹۸)

جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو کچھ چرلیا کرو، صحابہ کرام نے عرض کیا: حضور! جنت کے باغ کونسے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا محافل ذکر۔

مسجد نبوی میں دو قسم کی جماعتیں تھیں......ایک درس و تدریس والے اور دوسرے حلقہ ذکر والے۔ حضور اکرم ﷺ نے دونوں کی اچھائی بیان فرمائی۔ (ابن ماجہ ص ۲۱)

اس کے باوجود بعض لوگ صوفیاء کرام کی محافل ذکر پر زبان طعن دراز کرتے ہیں......اللہ انہیں ہدایت نصیب کرے۔ آمین

اصحاب کہف کا کتا

بنی اسرائیل کے چند افراد نے بادشاہ کے ظلم سے تنگ آ کر اپنا ایمان و عقیدہ بچانے کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ کر غار کی راہ لی تو ایک کتا بھی ان کے ساتھ ہو لیا، انہوں نے اس سے پیچھا چھڑانے کی ہزار کوشش کی لیکن وہ جانے کا نام نہ لیتا تھا، رات

کی تاریکی میں ہر ایک سے چھپتے چھپاتے قدم اٹھا رہے تھے، خدشہ تھا کہ کہیں کتا بھونک کر کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ کر دے اور یہ پکڑے نہ جائیں......لیکن کتے نے بھی ٹھان لی تھی کہ ان کا دامن نہیں چھوڑوں گا اس نے زبان حال سے کہا ہوگا کہ وہ اور کتے ہوں گے جو ولیوں کو بھونکتے ہیں، میں بھونکنے والا نہیں ہوں بلکہ ولیوں کی عزت پر مرمٹنے والا ہوں......لہذا میں ہرگز جدا نہیں ہوں گا۔اور حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے ان کی حفاظت ونگہبانی کا ظاہری انتظام اس کتے کی شکل میں کر دیا تھا......اور کتے نے بھی ولیوں کا ساتھ نبھا کر اطاعت شعاری اور وفاداری کی اعلیٰ مثال قائم کر دی......اب قاری کی زبان پر کتے کی تلاوت، خطیب کے خطبہ میں کتے کا ذکر اور صوفیوں کی خانقاہوں میں کتے کے نام کے وظیفے جاری ہیں......قرآن مجید نے اس کتے کی شان یوں بیان فرمائی ہے:

وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید......(الکہف ۱۸)

اور ان کا کتا اپنے دونوں بازو پھیلائے ان کی دہلیز پر بیٹھا ہے۔

اب اگر زبان تصور سے آپ اس کتے سے پوچھیں کہ دنیا میں اور بھی بیشمار اور اعلیٰ سے اعلیٰ نسل والے کتے موجود ہیں انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں، جبکہ تیرے نام کی تلاوت، خطبے، ذکر، وظیفے اور چرچے ہو رہے ہیں......آخر تجھے کیا لگ گیا، کہ ہر طرف تیرا شور ہے تو وہ زبان حال سے بتائے گا کہ لوگو! مجھے تو کچھ نہیں لگا، یہ ساری شانیں مجھے اس لئے ملی ہیں کہ میں اللہ کے ولیوں سے لگ گیا ہوں۔

اب انصاف فرمائیں! کہ ولی ہوں بنی اسرائیل کے اور ان کے ساتھ ایک کتا لگ جائے تو اسے یہ مقام ملتا ہے اور اگر ولی ہوں امت محمدیہ کے (جو تمام امتوں سے افضل و بہتر ہے) اور ان کے ساتھ حیوان نہیں اشرف المخلوقات، انسان لگ جائے تو بارگاہ رب العزت سے اسے کیا مقام و مرتبہ نصیب ہوگا۔

سو آدمیوں کا قاتل

نبی اکرم، رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کان فیمن کان قبلکم رجل قتل تسعة وتسعین نفسا فسال عن اعلم اهل الارض فدل علی راهب فاتاه فقال انه قتل تسعة وتسعین نفسا فهل له من توبة فقال لافقتله فکمل به مائة ثم سال عن اعلم اهل الارض فدل علی رجل عالم فقال انه قتل مائة نفس فهل له من توبة فقال نعم ومن یحول بینه وبین التوبة انطلق الی ارض کذا وکذا فان بها اناسا یعبدون الله تعالیٰ فاعبدالله تعالیٰ معهم ولاترجع الی ارضک فانها ارض سوء فانطلق حتی اذا نصف الطریق اتاه الموت فاختصمت فیه ملائکة الرحمة وملائکة العذاب فقالت ملائکة الرحمة جاء تائبا مقبلا بقلبه الی الله وقالت ملائکة العذاب انه لم یعمل خیرا قط فاتاهم ملک فی صورة ادمی فجعلوه بینهم فقال قیسوا ما بین الارضین فالی ایتهما کان ادنیٰ فهو له فقاسوا فوجدوه ادنیٰ الی الارض التی اراد قبضتهٗ ملائکة الرحمة قال قتادة فقال الحسن ذکرلنا انه لما اتاه الموت نایٰ بصدره (وفی روایة فکان الی القریة الصالحة اقرب منها بشبر فجعل من اهلها. وفی روایة فاوحی اللّٰه الی هذه ان تباعدی والی هذه ان تقربی) (بخاری ۱/۴۹۳،۴۹۴۔ مسلم ۲/۳۵۹ واللفظ لہ، مشکوٰۃ ص ۲۰۳)

یعنی تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی تھا جس نے ننانوے افراد کو قتل کیا تھا پھر اس نے لوگوں سے پوچھا! روئے زمین میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسکی ایک راہب (تارک الدنیا) عبادت گزار کی طرف رہنمائی کی گئی۔ اس نے اس راہب

سے پوچھا میں نے ننانوے قتل کئے ہیں کیا میرے لیئے توبہ کی گنجائش ہے؟ اس نے کہا (بالکل) نہیں...... اس آدمی نے اسے بھی قتل کر کے سو پورا کر دیا ...... پھر (تھوڑے عرصہ بعد) لوگوں سے سب سے بڑے عالم کے متعلق پوچھا: تو اس کی ایک عالم دین کی طرف رہنمائی کی گئی، اس نے اس عالم سے پوچھا کہ میں سو آدمیوں کا قاتل ہوں کیا میں توبہ کی امید رکھ سکتا ہوں؟ اس عالم دین نے کہا: کیوں نہیں۔ تیرے اور تیری توبہ کے درمیان کونسی چیز حائل ہو سکتی ہے...... جاؤ! فلاں علاقہ میں چلے جاؤ!...... وہاں ایسے لوگ رہتے ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں...... تو بھی ان کے ساتھ مل کر عبادت خداوندی میں مصروف ہو جا! اور اپنی زمین کیطرف واپس نہ پلٹنا کیوں کہ یہ بری زمین ہے...... وہ آدمی (ان اللہ والوں کی طرف) چل پڑا ابھی نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے موت نے آلیا...... (فرشتے بھی زمین پر اتر آئے) رحمت والے اور عذاب والے فرشتوں نے آپس میں جھگڑا شروع کر دیا...... رحمت والے فرشتوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف خلوص دل کے ساتھ توبہ کر کے آرہا تھا...... (لہذا اسے ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ گناہوں سے پاک ہو کر جنتی بن چکا ہے) عذاب کے فرشتے کہنے لگے (یہ سو آدمیوں کا قاتل ہے) اس نے کوئی اچھا عمل نہیں کیا (لہذا اسے ہم جہنم میں لے جائیں گے) اتنی دیر میں ان کے پاس ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا...... انہوں نے اسے اپنا حاکم اور ثالث مقرر کیا...... سو اس نے کہا تم زمین ماپ لو! یہ جس طرف زیادہ قریب ہوا، اسے اس طرف ہی لے جانا (اگر یہ ولیوں کے زیادہ قریب ہوا تو رحمت کے فرشتے لے جائیں ورنہ عذاب والے فرشتے اٹھالیں) انہوں نے زمین ماپی، تو دیکھا کہ وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جدھر اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ تو رحمت کے فرشتوں نے اسے اٹھالیا...... (امام حسن فرماتے ہیں اسے جب موت آئی تھی تو آخری لحات میں بھی وہ اپنے سینے کے بل ولیوں کی طرف گھسٹ

رہا تھا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اس (پچھلے) حصے کو وحی فرمائی کہ دور ہو جا اور اس (اگلے) حصے کو حکم فرمایا کہ تو قریب ہو جا!۔

فوائد و مسائل

اللہ رب العالمین کو اپنے ولیوں کی نسبت کا اتنا احساس ہے کہ سو آدمیوں کا قاتل اگر ان پاکبازوں کی بارگاہ میں حاضری دینے کیلئے آمادہ ہو جائے...... گھر سے نکل پڑے، ان کی محبت اور اللہ کی خشیت کو دل میں بسا لے جب آستانہ اولیاء اور خانقاہ بندگان خدا کی طرف چل پڑے اور راستے میں اسے موت آ جائے لیکن وہ دراولیاء تک پہنچ نہ پائے، اگرچہ سفر ابھی مختصر ہی طے کیوں نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ پھر بھی اسے ضائع نہیں ہونے دیتا، زمین کے باقی حصے کو سکیڑ کر، ولیوں کی بستی کے قریب کرکے، رحمت والے فرشتوں کو آواز دیتا ہے، اے ملائکہ رحمت ! اٹھو جلدی کرو! میرے اس بندے کو اٹھاؤ اور جنت میں لے جاؤ کیونکہ یہ ولیوں کے قریب آ گیا تھا تو جو ان کے قریب آ جاتا ہے اسے میری رحمت ڈھانپ لیتی ہے...... چاہے وہ سو آدمیوں کا قاتل ہی کیوں نہ ہو...... کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین (الاعراف ۵۶)

بے شک نیکوں کے پاس اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

دعوت غور و فکر ہے کہ اگر ولی ہوں بنی اسرائیل کے اور سو آدمیوں کا قاتل صرف ان کی بارگاہ میں حاضری کا ابھی ارادہ ہی کرے، تو رحمت الٰہی اس کا استقبال کرتی ہے...... تو اگر ولی ہوں امت مسلمہ کے جنہیں تمام امتوں سے اعلیٰ و افضل ہونے کا شرف حاصل ہے اور گناہ گار بندہ ان کی بارگاہ میں پہنچ بھی جائے تو اس پر رحمت الٰہی اور انوار خداوندی کی برسات کس قدر ہو گی...... نسبت اولیاء کی وجہ سے

اسے کس قدر نوازا جائیگا......

بزرگوں کی نسبت بڑی چیز ہے
خدا دے یہ دولت بڑی چیز ہے

⊙ ...... مزید یہ کہ سو آدمیوں کا قاتل جا تو رہا تھا اللہ کے ولیوں کے پاس لیکن رحمت کے فرشتوں نے اس کے متعلق جو الفاظ کہے تھے وہ ملاحظہ ہوں!

''جاء تائبا مقبلا بقلبه الی اللہ'' یعنی یہ خلوص دل کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اللہ رب العالمین کی طرف آ رہا تھا...... فرشتے غلط بات تو نہیں کرتے نا!...... تو پھر ماننا پڑے گا کہ جو بارگاہ اولیاء میں آتا ہے وہ درحقیقت بارگاہ خدا میں جا رہا ہوتا ہے...... کیونکہ انکے آستانے رحمت الٰہی کے مرکز ہیں...... لہٰذا ان کی طرف ظاہری سفر قرب خداوندی کا زینہ بن جاتا ہے۔

⊙ ...... جب رحمت والے اور عذاب والے فرشتوں نے آپس میں جھگڑا کیا تو ایک اور فرشتہ انسانی شکل میں انکے پاس آیا تاکہ ان کے درمیان نزاع کو ختم کیا جا سکے فرشتوں کے نور ہونے کے متعلق کسی فرقہ میں بھی اختلاف نہیں جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے۔

خلقت الملائکة من نور (مسلم ۲/۴۱۳، مشکوٰۃ ص ۵۰۶، مسند احمد ۶/۱۵۳، ۱۶۸)

کہ فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں۔

جب نوری فرشتہ انسانی شکل میں زمین پر آیا تھا تو کیا اس کی نورانیت میں کچھ فرق آیا؟...... بالکل نہیں...... تو معلوم ہوا اگر نوری مخلوق زمین پر انسان اور آدمی کی صورت میں بھی آ جائے تو ان کی نورانیت وحقیقت میں کچھ فرق نہیں پڑتا...... وہ نور ہی رہتا ہے۔

⊙ ...... اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نرے عابد اور عالم دین میں زمین و آسمان کا فرق ہے...... عابد نے صرف یہ سوچا کہ یہ ننانوے آدمیوں کا قاتل ہے،

بڑا پاپی اور سخت گناہ گار ہے۔ لہذا اس نے اسے توبہ اور رجوع الی اللہ سے مایوس کر دیا......اور وہ قاتل گناہ پر مزید دلیر ہو گیا، جبکہ عالم دین نے اللہ کی رحمت، بخشش اور عنایت کی وسعت کے پیش نظر اسے توبہ وانابت سے مایوس نہ کیا......اسے حوصلہ دیا، توبہ اور رجوع الی اللہ کی طرف متوجہ کیا، اس نے رحمت الٰہی کی طرف توجہ کی تو رحمت ایزدی نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

⊙ ...... یہ بھی واضح ہوا کہ گناہگاروں کو اولیاء کرام کے آستانوں پر حاضر ہو کر توبہ واستغفار کرنا چاہئے، یہ ان کیلئے ذریعہ نجات اور کفارۂ سیئات ثابت ہوگا۔

⊙ ...... اگر اولیاء کرام کے آستانے قبولیت دعا کے وسائل ہیں تو در مصطفٰی کی عظمت ورفعت کا کیا کہنا اس کے متعلق تو صریح حکم خداوندی ہے کہ

ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً (النساء۶۴)

اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (محبوب!) تیرے پاس آ پہنچیں پس اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرلے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا پائیں گے۔

مجرم بلائے جاتے ہیں جآؤوک ہے گواہ
پھر رد ہوں کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

اولیاء کے لئے نور کے منبر

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان من عباد الله لانا ساماهم بانبياء ولاشهداء يغبطهم الانبياء والشهداء يوم القيامة بمكانهم من الله قالوا يارسول الله تخبرنا من

هم قال هم قوم تحابوا بروح الله على غير ارحام بينهم ولا اموال يتعاطونها فو الله ان وجوهم لنور وانهم لعلیٰ نور لايخافون اذا خاف الناس ولايحزنون اذا حزن الناس وقرأ هذه الاية الاان اولياء الله لاخوف عليهم ولا هم يحزنون (ابوداؤد ۲/۱۴۱رقم ۳۵۲۷،ترمذی ۲/۶۲رقم ۳۳۹۵،مشکوۃ ۴۲۴،شعب الایمان ۶/۴۸۶رقم الحدیث ۸۹۹۸،الترغیب والترہیب ۴/۲۱،حلیۃ الاولیاء ص ۱/۵)

یعنی اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے لوگ ہیں کہ نہ تو نبی ہیں اور نہ شہید (لیکن) اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ دیکھ کر قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے...... صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں خبر دیں وہ کون لوگ ہیں؟...... تو آپ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے بندوں سے صرف اللہ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں...... نہ تو کسی رشتہ، ناطہ کی وجہ سے اور نہ ہی مال ودولت کی وجہ سے کوئی فائدہ اٹھاتے ہیں...... پس اللہ کی قسم ان کے چہرے منور ہوں گے اور وہ نور پر فائز ہوں گے جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہیں ہوگا...... پھر حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

الا ان اولياء الله لاخوف عليهم ولا هم يحزنون

علاوہ ازیں قرآن پاک کے یہ الفاظ پیچھے گزر چکے ہیں:

يسعى نورهم بين ايديهم وبايمانهم (الحدید ۱۲)

ان کا نور ان کے آگے اور دائیں پھیل رہا ہوگا۔

محبت اولیاء کیلئے خدائی انتظام

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذين امنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمان

ودا (مریم ۹۶)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ ان کیلئے محبت پیدا فرما دیتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا احب اللّٰہ العبد نادی جبریل ان اللہ یحب فلانا فاحببه فیحبه جبرئیل فینادی جبرئیل فی اهل السماء ان اللہ یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض

(بخاری ۱/۴۵۶، مسلم ۲/۳۳۱، مسند احمد ۲/۴۱۳، مشکوٰۃ ص ۴۲۵، کنز العمال ۱۱/۹۹ رقم ۳۰۷۸۸، ترمذی ۲/۱۴۵)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے لہذا تو بھی اس سے محبت کر...... تو جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر حضرت جبریل آسمان کے باشندوں کو پکارتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ بیشک اللہ تعالیٰ فلاں (آدمی) سے محبت فرماتا ہے (آسمان والو!) تم بھی اس سے محبت کرو...... تو اہل آسمان بھی اسے محبوب رکھتے ہیں...... پھر زمین میں اس کے لئے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

یعنی پھر اہل زمیں کے دلوں میں اس بندۂ خدا کی محبت ڈال دی جاتی ہے...... وہ اس کے پاس قرب وجوار سے اور دور دراز سے کھینچے چلے آتے ہیں...... اگر چہ وہ کسی جنگل میں گوشہ نشین ہی کیوں نہ ہو اس کے عقیدت مند وہاں بھی پہنچ جاتے ہیں...... کوئی لاکھ فتوے داغے کہ "ولیوں کے پاس جانا شرک ہے...... ان کے پاس جانے سے توحید میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، یہ تو ہمارے جیسے انسان ہیں، خدا تک کسی وسیلہ و واسطہ کے بغیر جانا چاہیے" لیکن یہ دیوانے کسی کی نہیں سنتے، روکنے والے جتنی شدت سے روکتے ہیں یہ اتنے ہی زور عقیدت و محبت سے در اولیاء پر حاضری

دیتے ہیں......جگہ جگہ ان کے نام کی محفلیں اور مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، ان کے نام کے جلسے وجلوس نکالے جاتے ہیں۔

سالانہ اعراس مقدسہ اور روحانی اجتماعات کا انعقاد کر کے ان کی پاک بارگاہوں میں ہدیہء عقیدت اور نذرانہء محبت پیش کیا جاتا ہے......آخر کیا وجہ ہے کہ مخالفین نے مسلمانوں کو آستانوں کی حاضر سے روکنے کیلئے ہزار جتن کیے، تقریر و تحریر میں ان کے خلاف سرتوڑ کوششیں کیں......لیکن ان کی خانقاہوں میں رونق اور جوش و خروش پہلے سے بھی زیادہ دکھائی دیتا ہے......ہر وقت ایک سماں بندھا ہوتا ہے...... ہر آن ایک پر کیف اور وجد آفرین منظر نظر آتا ہے......آخر ایسا کیوں نہ ہو؟......کیونکہ ان کی عقیدت ومحبت تو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے اس خدائی انتظام کے سامنے دنیا والوں کی تدبیریں بے بس اور عاجز ہیں۔ کیونکہ:

ے فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیسے بجھے جسے روشن خدا کرے

ولی سے دشمنی رکھنا خدا سے جنگ کرنا ہے

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یعنی تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور بے شک جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے اعلان جنگ کیا بیشک اللہ تعالیٰ ان نیک اور متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے، جو چھپے رہتے ہیں......اگر وہ غائب ہوں تو ان کو تلاش نہیں کیا جاتا......اور اگر وہ حاضر ہوں تو ان کو بلایا نہیں جاتا اور انہیں پہچانا نہیں جاتا...... ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں اور وہ ہر غبار آلود اندھیروں سے نکل آتے ہیں۔

(ابن ماجہ کتاب الفتن ص ۲۸۷، طبرانی کبیر ۲۰/۱۵۴ رقم ۳۲۱ حلیۃ اولیاء ۱/۵، اتحاف السادۃ المتقین ۸/۲۶۴، ۲۶۳)

⊙ ...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس نے میرے ولی کو ایذاء پہنچائی اس سے میری جنگ حلال ہوگئی۔
(حلیۃ الاولیاء ۱/۵، اتحاف السادۃ المتقین ۸/۴۷۷)

⊙ ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
ان اللّٰہ قال من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب (بخاری ۲/۹۶۳، مشکوٰۃ ۱۹۷)
بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی سے دشمنی رکھی میں اسے
اعلان جنگ کرتا ہوں۔

یعنی ولیوں سے دشمنی رکھنے والے ان سے دشمنی نہیں رکھتے، درحقیقت وہ خدا کے دشمن ہیں ...... کیونکہ اولیاء کرام محبوبان خدا ہیں ...... اور محبوبوں کا دشمن کبھی دوست نہیں ہوسکتا ...... بظاہر وہ کتنا ہی خیر خواہ کیوں نہ ہو۔

دشمنان اولیاء، خدا سے جنگ کرتے ہیں ...... اور اصول یہ ہے کہ دوران جنگ ایک فریق دوسرے فریق کی سب سے اعلیٰ اور بہتر چیز کو چھیننے کی کوشش کرتا ہے ...... خدا سے جنگ کے دوران اولیاء کے دشمنوں کا ایمان چھین لیا جاتا ہے ...... یہی وجہ ہے کہ دشمنان اولیاء کو بے ایمانی کی حالت میں موت آتی ہے ...... (العیاذباللہ منہ)

؎ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً گستاخیء اولیاء سے

اولیاء کی معیت اختیار کرنے کا قرآنی حکم

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بندگان خدا اور مقربان بارگاہ الٰہ کی معیت اور سنگت اختیار کرنے کا حکم لازوال فرمایا گیا ہے۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یاآیہاالذین امنوا اتقوااللّٰہ وکونوا مع الصادقین (التوبہ ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (تقویٰ اختیار کرو) اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

درج بالا آیت کریمہ کے اسلوب کو ملاحظہ فرمائیں! پہلے ایمان اور تقویٰ کا ذکر کیا بعد ازیں سچوں اور پاکبازوں کی سنگت کا حکم فرمایا...... اس میں راز یہ ہے کہ ایمان اور تقویٰ انسان کے پاس دو انمول خزانے ہیں...... جو مسلمان کو جان سے عزیز ہیں اور شیطان مسلمان کا کھلا دشمن ہے...... اس نے خدا سے اس بات کا اختیار مانگا تھا کہ میں مسلمانوں کو چاروں طرف سے پورے طور پر گمراہ کرنے کی کوشش کرونگا...... خدا نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن: ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (الحجر ۴۲)

میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار نہیں

بندگان خدا شیطان سے محفوظ ہو چکے ہیں اس لئے دوسرے مسلمانوں کو بھی حکم فرمایا کہ اگر تم اس لٹیرے سے اپنے ایمان اور تقوے کے خزانوں کو بچانا چاہتے ہو تو ان سے وابستہ ہو جاؤ جن پر شیطان کو کوئی تسلط اور اختیار حاصل نہیں ہے، تمہارا ایمان اور تقویٰ بھی محفوظ ہو جائے گا۔

⊙ ...... اسی بات کو دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

یاایہاالذین امنوا اتقوااللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (الانعام)

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور (اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے) وسیلہ تلاش کرو۔ وسیلہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے کسی دوسری چیز تک پہنچا جا سکے۔ بارگاہ خداوندی تک رسائی کیلئے جہاں نیک اعمال، عبادات اور پیروی سنت وسیلہ ہیں، وہاں اولیاء کرام بھی وسیلہ ہیں کیونکہ ان کے وسیلہ سے غفلت کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور معرفت خداوندی نصیب ہو جاتی ہے۔

اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

⊙ ...... اولیاء کرام کی معیت اختیار کرنے کے متعلق مزید فرمایا:

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عینک عنھم (الکھف ۲۸)

اور خود کو ان لوگوں کے ساتھ ثابت رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، اسکی رضا چاہتے ہیں، اور آپ کی نگاہیں ان سے نہ ہٹیں......

اپنے محبوب مکرم ﷺ کو اللہ والوں کی معیت اختیار فرمانے کا حکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی توجہ ادھر مبذول کرائی ہے کہ تمہارے رب کی رضا و خوشنودی اسی میں ہے کہ تم اس کے مقرب بندوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وابستہ ہو جاؤ۔

نیکوں کی پیروی کا حکم

اسلام نے مسلمانوں کو جہاں ''اسوۂ حسنہ'' کو اپنانے کا حکم فرمایا ہے وہاں اولیاء کرام کی پیروی کرنے کی طرف بھی متوجہ فرمایا ہے...... چونکہ ان کا راستہ ''صراط مستقیم'' ہے لہذا ان کے پیچھے چلنے والا اور ان کی پیروی کرنے والا بلا خوف و خطر منزل مقصود پر فائز ہوگا۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واتبع سبیل من اناب الی (لقمان ۱۵)

اور اس کی پیروی کرو جو میری طرف مائل ہوا۔

یعنی جو ہر طرف سے رخ موڑ کر میری جانب متوجہ ہو، اور دنیوی الجھنوں اور ذاتی رنجشوں سے آزاد ہو کر اپنا رابطہ مجھ سے استوار کیا ہو...... اگر وہ کسی سے محبت

کرے تو صرف اللہ کیلئے اگر کسی سے بغض وعداوت رکھے تو بھی فقط اللہ کیلئے...... جو ہر معاملے میں اللہ کی رضا وخوشنودی کو مقدم سمجھے...... تم بھی اسکی پیروی کرو...... کیونکہ اس کے قدم بقدم چلو، اس کے قدموں کے نشان پر چلتے ہوئے تم بھی ہم تک پہنچ جاؤ گے۔

⊙ ...... ہر نمازی حالت نماز میں بارگاہ رب العزت میں دست بستہ عرض کرتا ہے...... مولا! اهدنا الصراط المستقیم

ہمیں سیدھے رستے پہ چلا...... جو کہ ان

صراط الذین انعمت علیهم

لوگوں کا رستہ ہے جن پر تو نے انعام کیا ہے۔

اب قرآن پاک سے ہی پوچھ لیں کہ انعام یافتہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اولئک الذین انعم اللّٰہ علیهم من النبیین (مریم ۵۸)

یعنی یہی انبیاء کرام ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔

مزید ارشاد فرمایا:

انعم اللّٰہ علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین (النساء ۶۹)

اللہ نے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں پر انعام فرمایا ہے۔

گویا نمازی حالت میں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کا راستہ مانگا جا رہا ہے...... آج تک کسی بھی مسلک کے کسی بھی نمازی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ نماز اللہ کی ہے، یہ کتنی غلط بات ہے کہ ہم اللہ کی نماز میں کھڑے ہو کر ''غیروں'' کا راستہ مانگ رہے ہیں ...... جس کی نماز پڑھ رہے ہیں راستہ بھی تو اسی کا مانگنا چاہئے...... لہذا یوں عرض کرنا چاہئے کہ خدایا! ہمیں اپنا راستہ دکھا! لیکن اس ترمیم اور

ادو بدل کی ضرورت تو تب پڑے جب یہ دعا کسی انسان نے سکھلائی ہو...... یہ دعا تو خود مالک الملک، احکم الحاکمین نے تعلیم فرمائی ہے تو گویا رب العالمین اس دعا کے ذریعے ہمیں یہی بتلانا چاہتا ہے کہ میرا راستہ اور میرے پیاروں کا راستہ یہ دو راستے نہیں یہ ایک ہی راستہ ہے...... سنو! میرا راستہ وہی ہے جو میرے پیاروں کا راستہ ہے...... اگر کوئی ان پیاروں کا راستہ چھوڑ کر مجھ تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ میری بارگاہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ لہذا میرے پاس آنے کیلئے تمہیں ان کے رستوں پہ چلنا پڑے گا...... خواہ تمہیں گوارا ہو یا نا گوارا۔ کیونکہ:

عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیرلکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شرلکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون (البقرہ ۲۱۶)

ہوسکتا ہے کہ تم ایسی چیز کو ناپسند کرلو جو تمہارے لئے اچھی ہو اور ایسی چیز کو پسند کرلو جو تمہارے لئے بری ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔۔

اختلافات ختم کرنے کا سنہری طریقہ

موجودہ دور افتراق واختلاف کا دور ہے ہر دانشمند آدمی پریشان ہے کہ وہ کیا کرے...... نوجوان اسلام سے دور بھاگ رہے ہیں کہ ''علماء کا ہی کسی بات پر اتفاق نہیں، کوئی ایک چیز کو شرک کہتا ہے تو کوئی توحید، کوئی کسی عمل کو کفر بتاتا ہے تو کوئی ایمان، کوئی کسی امر کو حرام گردانتا ہے تو کوئی حلال...... کوئی کسی فعل کو بدعت باور کراتا ہے تو کوئی سنت...... اس قدر اختلاف کے ہوتے ہوئے ہم کونسا موقف اختیار کریں اور کونسا رد کریں؟...... لہذا ہم اختلافات میں نہیں پڑنا چاہتے...... بس کافی ہے کہ ہم نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا ہے'' ...... اس قسم کی ہزاروں باتیں سننے میں آتی ہیں...... لہذا ہم پورے درد دل اور اخلاص وخیر خواہی کے جذبہ کے تحت اس

تشتت وافتراق سے بچنے اور فرقہ واریت کو ختم کرنے کا ایک سنہری طریقہ عرض کیئے دیتے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر ہر مسلمان سکھ کر سانس لے سکتا ہے اور اچھے اور برے کی پہچان بھی آسان سے آسان تر ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا آیات مبارکہ میں بندگان خدا کی پیروی اور ان کے راستے پہ چلنے کا حکم موجود ہے...... اور صریح لفظوں میں فرمادیا گیا ہے کہ اولیاء کرام اور بزرگان دین کا طریقہ ہی ''صراط مستقیم'' ہے۔ یہی ایک ذریعہ ہے جو بارگاہ خداوندی تک لے جاتا ہے...... لہذا تمام مکاتب فکر اپنی اپنی تحقیق، ریسرچ اور غور وفکر کو بالائے طاق رکھ کر یہ معلوم کریں کہ بزرگان دین کے عقائد ومعمولات کیا تھے، ان کا طریقہ کیا تھا...... ان کے عقائد ونظریات اور اعمال ومعمولات کو دریافت کر کے ان پر عمل پیرا ہو جائیں...... پھر دیکھیں کا چند ہی ایام میں دنیا کا نقشہ بدل جائے گا، اتفاق واتحاد کا دور دورہ ہوگا، محبت ویگانگت کا شہرہ ہوگا...... اور گلشن اسلام میں پھر سے بہار آجائے گی...... اسلام کا بول بالا اور کفر کا منہ کالا ہو جائے گا...... اور اختلافات، تنقیدات، نفرتیں، کدورتیں اور فرقہ وارانہ نحوستیں دم دبا کر بھاگ کھڑی ہوں گی۔

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

اللھم اھدنا الصراط المستقیم

خدا اولیاء کرام سے راضی ہے

اولیاء کرام ہر عمل میں رضائے خداوندی کے متلاشی رہتے ہیں...... قدم قدم پہ ''رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ'' کا نعرہ لگاتے ہیں...... کوئی خوش ہو یا ناراض، انہیں تو صرف اپنے معبود حقیقی کی خوشنودی مطلوب ہے...... جب ان کے قول وفعل میں

رضائے خداوندی کی جھلک نظر آتی ہے تو پھر ایک وقت آتا ہے کہ مالک دوجہاں، مطلوب انس وجاں، اعلان فرمادیتا ہے جاؤ!: میں تم سے راضی ہوگیا...... درج ذیل سطور میں اسی رضائے الٰہی کا ذکر ہورہا ہے۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعدلهم جنت تجرى تحتها الانهر خلدين فيها ابداً ذلك الفوز العظيم (التوبہ ۱۰۰)

سب سے آگے آگے اور سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین وانصار میں سے اور وہ لوگ جنہوں نے ان (صحابہ کرام) کی پیروی کی اچھے طریقہ سے۔ اللہ ان (سب) سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے...... اور اس نے تیار کی ہیں ان کیلئے ایسی جنتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

ظاہر ہے اس سے بڑھکر اور کیا کامیابی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا و خوشنودی کی سند عطا فرمارہا ہے اور اپنے دست کرم سے فلاح اخروی کا تاج ان کے مبارک سروں کی زینت بنارہا ہے۔ اللهم اجعلنا منهم

ان الذين امنوا وعملوا الصالحات اولئك هم خير البرية ○ جزاء هم عند ربهم جنت عدن تجرى من تحتها الانهر خالدين فيها ابداً، رضى الله عنهم ورضوا عنه ذلك لمن خشى ربه (البینہ ۸)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں...... ان کے پروردگار کے ہاں ان کی جزاء ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں تا ابد رہیں گے...... اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ

اللہ سے راضی ہو گئے ...... یہ (سعادت و مقام) اس کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔

یعنی خشیت الٰہی اور خوف خداوندی کے ساتھ جو ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرتا ہے اسے ہمیشہ رہنے والی جنتیں بھی ملتی ہیں اور مقام رضا سے بھی نوازا جاتا ہے۔

⊙ ...... ان نیک اور صالحین کو ان کی وفات کے وقت ہی یہ مژدہ سنا دیا جاتا ہے

یایھا النفس المطمئنۃ ○ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ (الفجر ۲۸،۲۷)

اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹ آ، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

یعنی تو نے ساری عمر اللہ کو راضی کرنے کی ٹھان رکھی تھی، تجھے مژدہ ہو! تیرا معبود تجھ سے راضی ہو گیا، اب واپس لوٹ کر دیکھ تو سہی تجھے راضی کرنے کیلئے تیرے پروردگار نے تیرے لئے کیا کیا انتظامات کر رکھے ہیں۔

معلوم ہوا بزرگان دین اور صالحین سے خدا راضی ہوتا ہے ...... ہم گناہگار اسی لئے تو ان پاکبازوں کی بارگاہوں میں حاضری دیتے ہیں کہ ان کے نقش قدم پر چلیں تا کہ ان کے وسیلے سے ہمارا پروردگار ہم سے بھی راضی ہو جائے۔

غیر صحابہ کو "رضی اللہ عنہ" کہنا کیسا ہے؟

مذکورہ بالا آیات بینات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہر ولی اور ہر نیک فرد کو رضائے خداوندی حاصل ہوتی ہے ...... تو معلوم ہوا ہر نیک، متقی اور پارسا شخصیت کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں ...... اسے صرف صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص سمجھنا علم دین سے دوری کا نتیجہ ہے ...... صحابہ کرام کے علاوہ تبعین شریعت اور عاملین سنت کو خود اللہ رب العالمین نے "رضی اللہ عنہم" کہا ہے ...... اب وہ حضرات جواب دیں جو

صحابہ کرام کے علاوہ دیگر بزرگان دین کو "رضی اللہ عنہ" کہنے کو بدعت قرار دیتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی سنت پر عمل کرنا بھی بدعت ہے؟۔ استغفر اللہ العظیم

اللہ اولیاء کا ذکر کرتا ہے

اولیاء کرام کا مقصود زندگی خدا کی بندگی اور ذکر خداوندی ہے...... وہ ہر دم اور آن ذکر خداوندی میں بسر کرتے ہیں...... اگر زبان کبھی خاموش بھی ہو جائے تو ان کے قلوب ہر گھڑی اللہ کے ذکر میں مگن رہتے ہیں......

اور یہ قرآنی اصول ہے کہ جو اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ اسے یاد کرتا ہے......

⊙ ...... جیسا کہ فرمایا گیا:

فاذکرونی اذکرکم (البقرہ ۱۵۰) تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

⊙ حدیث قدسی میں ہے:

انا عندظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیرمنهم وان تقرب الی بشبر تقربت الیه ذراعاً وان تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا وان اتانی یمشی اتیته هرولة (بخاری ۲/۱۱۰۱ واللفظ لہ، مسلم ۲/۳۴۱، مشکوٰۃ ۱۹۷)

میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اگر اور وہ مجھے تنہا یاد کرے تو میں بھی اسے تنہا یاد کرتا ہوں اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ میرے طرف ایک بالشت آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں ایک قوم اس کے قریب آتا ہوں اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

⊙ ...... حضرت عمرو بن جموح بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ

میرے اولیاء میرے بندے اور میرے محبوب ہیں یہ میری مخلوق میں وہ لوگ ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ (مسند احمد ۳/۴۳۰، حلیۃ الاولیاء ۱/۶)

انصاف کیجئے! جن کا ذکر خدا کرتا ہے کیا ہم گناہگاروں کو ان کا ذکر نہیں کرنا چاہئے؟

اولیاء کیلئے حیات برزخی

اولیاء کرام کو ان کے اعمال صالحہ اور معمولات حسنہ کی بدولت حیات طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی مل جاتی ہے...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

من عمل صالحا من ذكر او انثى وهو مومن فلنحيينه حيوٰة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون (النحل ۹۷)

جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض انہیں ان کا اجر ضرور عنائت کریں گے۔

اس آیت مبارکہ میں ہر نیک مومن، مرد اور عورت کیلئے پاکیزہ زندگی کی بشارت دی گئی ہے...... تو اولیاء کرام بدرجہ اولیٰ اس زمرہ میں شامل ہوں گے۔

"حیات طیبہ" سے کیا مراد ہے۔ مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں لیکن حضرت علامہ آلوسی بغدادی نے امام شریک کے حوالے سے جو تفسیر بیان کی ہے وہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ وہ "تفسیر القرآن بالحدیث" کے درجہ میں ہے...... آپ فرماتے ہیں:

هى حياة فى البرزخ فقد جآء القبر روضة من رياض الجنة

(روح المعانی ۴/۲۰۷)

یعنی اس سے مراد برزخ (قبر) کی زندگی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے
کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔
خاصان خدا یعنی اولیاء کرام کو ''شہداء'' کے حکم میں بھی قرار دیا گیا ہے۔
کیونکہ ان کی زندگی اور موت اللہ کیلئے ہوتی ہے......اور بعض احادیث مبارکہ بھی اس
موقف کی تائید کرتی ہیں ...... امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے شرح الصدور ص ۲۵۱،
۲۵۰ باب مقر الارواح میں اس کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے جب اولیاء کرام
''شہداء'' کے حکم میں ہیں جب تو ان کی حیات برزخی نفوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ
سے ثابت ہے......ملاحظہ ہو البقرہ آیت ۱۵۴ اور آل عمران آیت ۱۶۹۔
مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی لکھا ہے:
اولیائے کرام بھی بحکم شہداء ہیں اور مشمول آیت بل احیاء عند ربھم کے
ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ مبوب ص ۲۴۶)

⊙ ...... حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ لایموتون بل ینتقلو ن من دار الی دار (مرقات ۳/۲۴۱)
اولیاء اللہ فنا نہیں ہوتے بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے
ہیں۔

⊙ ...... حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ حدیث مرفوع نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اولیاء اللہ لایموتون ولکن ینقلون من دار الی دار
(تفسیر کبیر ۹/۹۲، زیر تفسیر آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبل اللہ امواتا......الخ)
اللہ کے ولی مرتے نہیں اور لیکن ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔
حضرت ابو سعید خراز فرماتے ہیں میں نے مکہ میں باب بنی شیبہ پر ایک نوجوان
کو دیکھا جو کہ وفات شدہ تھا، میں اسے دیکھ کر مسکرایا تو اس نے کہا: ابو سعید اما علمت ان

الاحبا احیاء وان ماتوا وانما ینقلون من دار الی دار (شرح الصدور ص ۲۰۸)

کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ کے محبوب زندہ ہوتے ہیں چاہے ان پر موت بھی آ جائے وہ صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں:

⊙ ...... شیخ ابو علی روذباری نے ایک فقیر کی لحد تیار کی۔ جب اس کا کفن بند کھول کر اسے مٹی پر رکھا تو اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا: ابو علی! تو مجھے اس کے سامنے ذلیل نہ کر جس نے مجھے راہ دکھائی تو میں نے عرض کیا: آپ مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں؟، تو انہوں نے کہا: بلکہ میں (اصل میں) زندہ ہی ہوں۔ **وکل محب لله حی** اور اللہ کا ہر محبوب زندہ ہوتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۲۰۸)

⊙ ...... اسی طرح ایک اور ولی کو وفات کے بعد جب قبر میں رکھا تو اس نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ موت آنے کے بعد بھی زندہ ہیں تو انہوں نے بھی فرمایا۔

انا محب وکل محب لله حیی (ایضاً)

میں محب ہوں اللہ کا ہم محب زندہ ہے۔

حضرت غوث پاک فرماتے ہیں:

الانبیاء والاولیاء یصلون فی قبورھم کما یصلون فی بیوتھم

(سر الاسرار ص ۱۰۴)

انبیاء اور اولیاء قبروں میں بھی اسی طرح نمازیں پڑھتے ہیں، جس طرح اپنے گھروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

معلوم ہوا اولیاء کرام وفات کے بعد بالکل ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ وہ نقل مکانی کرتے ہیں۔

اولیاء اللہ مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
درحقیقت وہ کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

بقول شاعر

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما!

اور ایک پنجابی شاعر کی زبان میں:

جنہاں عشق نمازاں پڑھیاں اوہ کدی ناں مردے
ولیاں دے درباراں اتے ویکھ لو دیوے بلدے

اور حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کے بقول:

نام فقیر تنہاں دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

نوٹ: حافظ ابن قیم نے کتاب الروح میں اور حافظ سیوطی علیہ الرحمۃ نے شرح الصدور میں حیات اولیاء پر متعدد واقعات درج کیے ہیں۔ تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اولیاء کے پڑوس میں دفن ہونے کی فضیلت

اولیاء کرام کے اجسام مقدسہ اور ابدان مبارکہ کی عظمت اور برکت ملاحظہ ہو کہ ان کی قبور کے پاس دفن ہونے والوں کیلئے مغفرت کا ذریعہ اور سفارش کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے رضی اللہ عنہ روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحی بجار السوء

(اخرج ابونعیم وابن مندۃ بشرح الصدور ص ۱۰۱، جامع الصغیر ۱/۵۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے مردوں کو نیک لوگوں کے درمیان میں دفن کیا کرو، کیونکہ میت کو برے پڑوسی سے اسی طرح تکلیف ہوتی ہے جس طرح زندہ آدمی کو برے پڑوسی سے تکلیف ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ قبر میں میت نیک لوگوں کی وجہ سے آرام وراحت اور بروں کی وجہ سے دکھ اور کلفت محسوس کرتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ادفنوا موتاکم فی وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجاره السوء کما یتاذی الحی بجاره السوء

(اخرج ابن عساکر فی تاریخ دمشق بسند ضعیف، شرح الصدور ص ۱۰۱)

اپنے مردوں کو نیک لوگوں کے درمیان میں دفن کیا کرو۔ کیونکہ صاحب قبر زندہ کی طرح برے پڑوسی سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے

ان ندفن موتانا فی وسط قوم صالحین الخ

(اخرج ابن عساکر والمالینی فی المؤتلف والمختلف شرح الصدور ا ۱۰)

کہ ہم اپنے مردوں کو نیک لوگوں کے درمیان میں دفن کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کسی کا وصال ہو جائے تو اسے اچھا کفن پہناؤ۔ اور اس کی وصیت کو جلدی پورا کرو، اور اس کی قبر کو گہرا کھودو، اور اس کی قبر کو برے پڑوسی سے بچاؤ، عرض کیا گیا:

یارسول اللہ ﷺ وهل ینفع الجار الصالح فی الاخرة قال هل

ینفع فی الدنیا ، قال نعم قال کذلک ینفع فی الاخرۃ

(اخرج المالینی شرح الصدور ص ۱۰۲)

اے اللہ کے رسول! کیا اچھا پڑوسی آخرت میں بھی نفع دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا وہ دنیا میں نفع دیتا ہے۔ عرض کیا جی ہاں...... فرمایا: اسی طرح وہ آخرت میں بھی نفع دیتا ہے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حدیث مرفوع بیان کی ہے کہ

مردہ کو کفن اچھا پہناؤ، چیخ وپکار کے ذریعے اسے تکلیف نہ پہنچاؤ اور نہ وصیت کو مؤخر کر کے اور نہ قطع رحمی کر کے اور اس کے قرض کو جلدی ادا کرو اور اسے برے پڑوسیوں سے بچاؤ۔ (اخرج الدیلمی وابن مندۃ، شرح الصدور ص ۱۰۲، جامع الصغیر ۱/۵۱)

حضرت عبداللہ بن نافع المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک آدمی مدینہ میں فوت ہوا اور وہیں دفن کیا گیا، تو اسے ایک آدمی نے دوزخ میں دیکھا، اس نے اس کا بہت غم کیا سات یا آٹھ سال بعد جب اسے دوبارہ دیکھا، تو وہ اہل جنت میں سے تھا، اس نے وجہ دریافت کی تو وہ کہنے لگا:

دفن معنا رجل من الصالحین فشفع فی اربعین من جیرانہ فکنت فیھم (اخرج ابن ابی الدنیا فی القبور ایضا ۱۰۲)

ہمارے پاس ایک نیک آدمی دفن کیا گیا، تو اس نے اپنے چالیس ہمسائیوں کی شفارش کی، ان میں، میں بھی تھا۔

غور فرمائیں!...... اگر اولیاء کرام بعد از وصال اس قدر نفع بخش ہوتے ہیں تو زندگی میں ان کے فیوض وبرکات کا کیا کہنا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بزرگوں کی نسبت بڑی چیز ہے
خدا دے یہ دولت بڑی چیز ہے

مراتب ولایت

تعریفات مراتب

اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کا پہلا مرتبہ ولایت ہے ولی بروزن فعیل فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں آتا ہے

ان الولی من کان علی بینة من ربه (روح المعانی جز ۵ جلد ۳/ ۷۶)

ولی وہ ہوتا ہے جو اپنے رب کی طرف سے واضح اور روشن دلیل پر ہو۔

جیسا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ الکریم نے فرمایا:

وجعلنا له نوراً یمشی به فی الناس (الانعام ۱۲۲)

یعنی ہم نے اسے ایک نور دیا ہے جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔

اولیاء دراصل انبیاء کے ورثاء ہوتے ہیں، نبوت کے بعد یہی حضرات زمین پر اخلاق الٰہیہ کی تصویر اور سراپا رشد وہدایت ہوتے ہیں اور اس دنیا کے رہنے والوں کے لئے ان کا وجود ذریعہ رحمت و برکت ہوتا ہے۔

دوسرا مرتبہ

ولایت کا دوسرا مرتبہ شہادت ہے

والمراد بهم الذین بذلوا ارواحهم فی طاعة الله تعالیٰ و اعلاء کلمته (روح المعانی جز ۵ جلد ۲/ ۷۷)

یعنی شہدا سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے دین کی سربلندی کیلئے وقف کردیں۔

شہادت کی دو قسمیں ہیں شہادت صغری اور شہادت کبریٰ۔ شہادت صغریٰ کی
متعدد اقسام ہیں ان میں سب سے اعلیٰ شہادت اللہ تعالیٰ کی راہ میں غازی ہونے کی
حالت میں کفار و مشرکین کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دینا ہے۔
شہادت کبریٰ کی دو قسمیں ہیں۔
پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی صفات کی وجہ سے اس کے ساتھ بلا علت محبت کرنا ہے
دوسری قسم شہادت کی اعلیٰ قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ عارف کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ
(بلا کیف) نصیب ہو جائے۔

وهم اهل الحضور مع الله تعالیٰ علی بساط العلم به

(روح المعانی جز ۵، ۲/ ۷۷)

یعنی اہل شہادت وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بساط علم کے مطابق
شرف حضوری حاصل ہو جاتا ہے۔
جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم (آل عمران ۱۸)

اس آیت میں مرتبہ شہادت والوں کو اولوا العلم قرار دے کر بساط شہادت
پر فرشتوں کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ یہاں شہادت سے عرف عام والی شہادت مراد
نہیں بلکہ شہادت بمعنی حضور و مشاہدہ مراد ہے شہادت کی ان دو قسموں کو یوں بھی بیان
کیا جا سکتا ہے۔

تلوار کی شہادت، شہادت صغری ہے
اور محبت کی شہادت، شہادت کبریٰ ہے

یوں سمجھ لیجئے ایک وہ شہید ہے جو لوہے کی تلوار سے شہید ہوتا ہے دوسرا وہ
شہید ہے جو عشق کی تلوار سے شہید ہوتا ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ لوہے کی تلوار

جب چلتی ہے تو ایک کو دو کر دیتی ہے اور عشق کی تلوار جب چلتی ہے تو دو کو ایک کر دیتی ہے۔ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

بسیار دیدہ ایم کہ یک را دو کرد تیغ
شمشیر عشق بیں کہ دو کس را یکے کند

تیسرا مرتبہ

ولایت کے تیسرے درجے کا نام مرتبہ صدیقیت ہے۔ صدیق مبالغے کا صیغہ ہے بمعنی المتقدم فی التصدیق یعنی تصدیق میں آگے بڑھنے والا اور جلدی کرنے والا۔ بعض علماء نے صدیق کا معنی یوں بیان فرمایا:

کثیر الصدق و کثیر التصدیق (تفسیر خازن)

یعنی بہت زیادہ سچ بولنے والا اور بہت زیادہ تصدیق کرنے والا۔

بیہقی وقت حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں:

الصدیقون وھم المبالغون فی الصدق المتصفون بکمال متابعۃ الانبیاء ظاھراً وباطناً المستغرقون فی کمالات النبوۃ والتجلیات الذاتیۃ (تفسیر مظہری ۲/۱۶۱)

یعنی صدیق مبالغے کی حد تک سچے ہوتے ہیں اور ظاہری و باطنی طور پر انبیاء کرام کی کامل ترین اتباع سے متصف ہوتے ہیں اور کمالات نبوت اور تجلیات ذاتیہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔

چار کامل مرتبے

صاحب تفسیر روح المعانی علامہ محمود آلوسی بغدادی نقشبندی مجددی قدس سرہ،

نے آیت مبارکہ

اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہدآء والصالحین......الخ کے تحت تحریر فرمایا ہے:

ونقل بعض تلامذۃ مولانا الشیخ خالد النقشبندی قدس سرہ عنہ انہ قرر یوما ان مراتب الکمل اربعۃ ﷺ نبوۃ ......وقطب مدارھا نبینا ثم صدیقیۃ ...... وقطب مدارھا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ثم شہادۃ...... وقطب مدارھا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ثم ولایۃ...... وقطب مدارھا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ(روح المعانی ج ۵، ۳/۷۶)

ترجمہ: حضرت مولانا شیخ خالد نقشبندی قدس سرہٗ (خلیفہ مجاز حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) کے بعض شاگردوں نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک دن چار کامل مرتبوں کو مقرر کیا اور فرمایا کہ:

پہلا کامل مرتبہ نبوت ہے اور نبوت کے قطب مدار ہمارے نبی اکرم ﷺ ہیں۔

دوسرا کامل مرتبہ صدیقیت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

تیسرا کامل مرتبہ شہادت ہے اور اس کے قطب مدار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

چوتھا کامل مرتبہ ولایت ہے اور ولایت کے قطب مدار حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔(البینات شرح مکتوبات ۱/۵۲۶ تا ۵۳۰)

ولایت کی دو قسمیں

۱......ولایت عامہ ۲......ولایت خاصہ

ولایت عامہ

جو تمام مومنین کو حاصل ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور (البقرۃ ۲۵۷)

ولایت خاصہ

جو متقین (ارباب سلوک) سے مختص ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اولیاءہ الا المتقون (الانفال ۳۴)

یہ ولایت عروج ونزول اور فنا وبقا سے عبارت ہے اس کی تعریف صوفیاء کرام نے یوں فرمائی ہے:

ھی عبارۃ عن فناء العبد فی الحق وبقائہ

عارف کامل حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ولایت خاصہ کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں (اول) ولایت (بالفتح واؤ) دوم ......ولایت (بکسر واؤ)

ولایت (واؤ کی فتح (زبر) کے ساتھ) حق تعالیٰ کے ساتھ بندے کے قرب کو کہتے ہیں اور ولایت (واؤ کے کسرہ (زیر) کے ساتھ) اس صفت کو کہتے ہیں جس کے سبب سے بندہ مخلوق میں مقبول ہوجاتا ہے اور دنیا والے اس کے گرویدہ

ہوجاتے ہیں، خوارق وتصرفات اس دوسری قسم میں داخل ہیں اور جو برکات مستعد لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں وہ ولایت (بالفتح) کا اثر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ان دونوں قسموں میں صرف ایک قسم حاصل ہوتی ہے اور بعض حضرت کو ان دونوں کا کافی حصہ حاصل ہوتا ہے اور بعض ان دونوں قسموں کی ولایتوں میں سے کسی ایک کا حصہ دوسری سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ ولایت (بالفتح) کا ولایت (بالکسر) پر غلبہ رہتا ہے اور اگر کوئی مقتداء شخص اس دنیا سے انتقال فرماتا ہے تو ولایت (بالکسر) کو اپنے کسی مخلص کے لئے چھوڑ جاتا ہے اور ولایت (بالفتح) کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور کبھی کسی لغزش کی بناء پر ولایت (بالکسر) کو ولی سے واپس لے لیتے ہیں۔ (زبدۃ المقامات مقصد اول فصل سوم)

درجات ولایت

اہل علم کو اللہ تعالیٰ نے مختلف درجات سے نوازا ہے (خواہ علم ظاہری ہو یا باطنی) جیسا کہ ارشاد ہے:

والذین اوتوا العلم درجات (المجادلہ ۱۱)

صوفیاء کرام کے نزدیک ولایت کے دو درجے ہیں۔ اور ولایت صغریٰ، دوم ولایت کبریٰ (بعض نے ولایت علیا کا بھی ذکر فرمایا ہے)۔ ولایت صغریٰ تو عامۃ المومنین وصالحین کو شامل ہے اور ولایت کبریٰ کے چار درجے ہیں۔

پہلا درجہ خلت

یہ درجہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خاص مناسبت رکھتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً (النساء ۱۲۵)

دوسرا درجہ حب

یہ درجہ محبوب خدا ﷺ کے لئے ظاہر ہوا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے حبیب کے لقب سے نوازا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا: انا حبیب اللہ ولا فخر (ترمذی ۲/۲۰۲)
حدیث قدسی ہے:

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت نور محمد

بلکہ آپ کی تبعیت میں آپ کے غلاموں کو بھی یہ درجہ عطا ہوا۔ جیسا کہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ۳۱) سے ثابت ہے۔

تیسرا درجہ ختام

یہ درجہ خاتمیت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب ۴۰)

یہ مرتبہ ختم نبوت سے ختم ولایت کی طرف مشعر ہے۔

چوتھا درجہ عبودیت

یہ درجہ عبدیت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ (بنی اسرائیل ۱) سے ظاہر ہے۔

نبوت اور ولایت کا باہمی تعلق

واضح رہے کہ سرور کائنات ﷺ تمام کمالات حقیہ وخلقیہ کے مظہر ہیں اور بمطابق حکم فاتبعونی یحببکم اللہ کمالات انسانی کا انحصار بھی آپ کی اتباع پر موقوف ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام، اہل بیت عظام و اولیائے فخام کو تمام کمالات ظاہری و باطنی آپ کی اتباع ہی کے ذریعے میسر آئے اور آپ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے فیض یاب ہوئے۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/۵۵۵تا۵۵۸)

اقسام اولیاء

اولیاء محبوبین

محبوبیت کے درجے پر فائز اولیاء کرام محمدی المشرب ہوتے ہیں اور ان کا جذبہ سلوک پر مقدم ہوتا ہے اور اپنے مبداء فیض میں سرور عالم ﷺ کے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں یعنی ان کا مبداء فیض ظل شان العلم ہوتا ہے یہ حضرات محبوبیت ذاتیہ سے مشرف ہوتے ہیں یعنی خلقت کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے مبداء فیض کے ساتھ اشتراک ومناسبت رکھتے ہیں۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/ ۳۴۷)

اولیاء محبین

محبیت کے درجے پر فائز اولیاء کرام دیگر حضرات انبیاء عظام علیہم السلام کے مشارب پر ہوتے ہیں یعنی جس کا مبداء فیض ظل صفت التکوین ہے وہ آدمی المشرب ہے اور جس کا مبداء فیض برزخ اجمال وتفصیل ظل صفت العلم ہے وہ نوحی المشرب ہے اور جس کا مبداء فیض تفصیل ظل صفت العلم ہے وہ ابراہیمی المشرب ہے اور جس کا مبداء فیض ظل صفت الکلام ہے وہ موسوی المشرب ہے اور جس کا مبداء فیض ظل صفت القدرت ہے وہ عیسوی المشرب ہے اور مشارب کا یہ فرق تقدیر ازلی کے مطابق تقسیم خداوندی ہے اس میں بندے کا اپنا عمل دخل کچھ نہیں ہوتا۔ اولیاء محبین کا سلوک ان کے جذبہ پر مقدم ہوتا ہے۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/ ۳۴۸)

اولیائے محبوبین

واضح ہو کہ محبوبیت مطلقہ خاصہ سرور عالم ﷺ ہے بعض اولیائے کرام کو

آپ کی متابعت ووراثت کی برکت سے یہ مرتبہ محبوبیت عطا ہوا ہے جن میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت نظام الدین دہلوی، محبوب الٰہی حضرت خواجہ سید بہاؤالدین محمد اویسی بخاری المعروف شاہ نقشبند اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدست اسرارہم سرفہرست ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (البینات شرح مکتوبات ا/۴۶۵)

مراد اور مرید

آپ فرماتے ہیں کہ دعوت وارشاد کا یہ مقام حاصل ہو جانا آسان کام نہیں بسا اوقات مراد ہونے کے باوجود اس قدر مشکل اور سخت منزلوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ مرید لوگ عمر نوح علیہ السلام ہزار سال کی محنتوں کے بعد بھی یہ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔

کیونکہ یہ کمالات مراد اور محبوب اولیاء کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ مراد تو اس وادی میں قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مراد اور مرید کا فرق واضح کیا جائے۔ (البینات شرح مکتوبات ا/۵۰۰)

مراد

وہ اولیائے کرام جن کو جذبہ الٰہی نے اپنی طرف کھینچ لیا ہو اور وہ بلا کسب وریاضت محض فضل کے راستے خدا تک پہنچیں مراد اور محبوب کہلاتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات ا/۵۰۰)

مرید

وہ سالکین جو اپنے ارادہ کو اللہ کے ارادے میں محو وفنا کر کے راضی برضا ہو

جائیں مرید کہلاتے ہیں۔ اہل تصوف کا قول ہے المرید من لا یرید الا اللہ مرید وہ شخص ہے جو اللہ کے سوا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو، چونکہ مرید اپنے شیخ کے ساتھ یہی نسبت رکھتا ہے اس لئے اس کو مرید کہا جاتا ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ سلوک وریاضت اور توبہ وانابت کے راستے خدا تک پہنچیں مرید اور محب کہلاتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات ا/۵۰۱،۵۰۰)

قطب ارشاد

یہ اولیائے ظاہرین میں سے ہوتا ہے خلافت الٰہیہ اور نیابت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے سرفراز ہوتا ہے۔ مخلوق کیلئے ہر قسم کی حسنات وبرکات کا ذریعہ اور گناہوں سے مغفرت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ دینی اور تشریعی امور اس کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں ''قطب ارشاد واسطہ وصول فیوض است کہ بارشاد وہدایت عالم تعلق دارد'' (معارف لدنیہ معرفت ۳۵)

یعنی قطب ارشاد ہدایت وارشاد (دعوت) سے متعلق امور میں وصول فیض کا واسطہ ہوتا ہے۔ (البینات شرح مکتوبات ا/۵۰۲)

قطب افراد

جو متابعت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے باعث فردیت ذات کی تجلی سے ممتاز ہو اور اپنے انتہائی کمال کی وجہ سے دائرہ قطب الاقطاب سے خارج ہو یہ روئے زمین پر اولیاء کرام میں سے صرف تین ہوتے ہیں۔ (اصطلاحات صوفیاء) فرد اور قطب وحدت ایک ہی مقام کے دو نام ہیں فرد اور قطب وحدت کا مرتبہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بطور دعا کے غزوۂ بدر میں ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام فلا تعبد فی الارض ابداً (مسند احمد ۱/۳۲)

یعنی اے اللہ اگر اس جماعت کو ہلاک کر دیا گیا تو آپ کی عبادت زمین میں کبھی نہ کی جائے گی۔

گویا دعاؤں کی قبولیت اور فیضان معرفت قطب افراد اور قطب وحدت کی خصوصیات میں سے ہے۔ و اللہ اعلم (الیبنات شرح مکتوبات ۱/۵۰۲، ۵۰۳)

رجال اشتیاق

بعض اہل تصوف کے نزدیک اولیاء کے ایک گروہ کو رجال اشتیاق کہا جاتا ہے جو حالت شہود و اشتیاق میں رہتے ہیں اور اشتیاق ان کو حالت اضطراب میں رکھتا ہے اور ان کے جگر میں حرقت (جلن) پیدا کرتا ہے۔ ان کو ملوک طریق بھی کہا جاتا ہے۔ (الیبنات شرح مکتوبات ۱/۶۳۹)

مقربین

مقربین و ابرار کی اصطلاحات قرآن کریم سے ماخوذ ہیں جیسا کہ اولئک المقربون (الواقعہ ۱۱) اور ان الابرار لفی نعیم (المطففین ۲۲) ظاہر ہے

واضح رہے کہ جو مقربین شوق سے خالی ہوتے ہیں ان کو مقرب واصل کہا جاتا ہے اور مقرب واصل وہ خوش نصیب افراد ہوتے ہیں جو صفات بشریہ سے فانی ہو کر صفات باری تعالیٰ سے باقی ہو چکے ہوں اسی لئے مقربین کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

۱......مقرب مبتدی، ۲......مقرب متوسط، ۳......مقرب واصل

مذکورۃ الصدر پہلے دونوں مقربین (مبتدی و متوسط) اہل شوق سے شمار کئے گئے ہیں۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/۶۳۹)

ابرار

ابرار سے مراد وہ اہل شوق ہیں جو ابھی تک فنا و بقا کی لذت اور عروج و نزول کے معارف سے مشرف نہ ہوئے ہوں لیکن ذات حق کی طلب میں ہر وقت مضطرب اور بے قرار ہوں اور مطلوب کے تصور جمال و وصال سے ان کے صبر و سکون کی دنیا میں زلزلے پیدا ہوتے ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اسی کیفیت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا:

عجلت الیک رب لترضیٰ (طہٰ ۸۴)

یعنی اے میرے رب میں تیری طرف آنے میں مضطرب تھا تاکہ تیری رضا حاصل کرسکوں۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/ ۶۳۹، ۶۴۰)

مقربین و ابرار کی عبادات میں فرق

مقربین کی عبادات میں جنت کا طمع اور دوزخ کا خوف شامل نہیں ہوتا بلکہ محض رضائے الٰہی پیش نظر رہتی ہے جبکہ ابرار کی عبادات طمع اور خوف سے ملوث ہوتی ہیں کیونکہ وہ محبت ذاتیہ سے بہرہ یاب نہ ہونے کی وجہ سے نفس کے تقاضوں سے پورے طور پر آزاد نہیں ہوتے لہذا ان کی عبادات پر طمع و خوف سے ملوث ہونے کا اطلاق ان کے نفس کی شرکت کی بناء پر کیا جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں پس لامحالہ ابرار کی نیکیاں جہت عبادت کے اعتبار سے حسنات (نیکیاں) ہیں اور جہت نفس کے لحاظ سے سیئات

(گناہوں) کے زمرے میں آتی ہیں اور مقربین کی نیکیاں حسنات محضہ ہیں کیونکہ وہاں نفس کی آلائش کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کا یہی مطلب ہے۔ مقربین کو مرتبہ ولایت خاصہ کے بعد کمالات نبوت سے بھی پورا حصہ ملتا ہے جبکہ ابرار، اولیائے مستہلکین (اولیائے مغلوب الحال) میں سے ہوتے ہیں اور مرتبہ کمالات نبوت اور مقام تلقین وارشاد کے اہل نہیں ہوتے۔

بینہ: واضح رہے کہ مقربین کی عبادات کا طمع اور خوف سے خالی ہونا عروج کے وقت متحقق ہوتا ہے کیونکہ یہ کیفیت عروجی مرتبوں میں پیش آتی ہے۔ نزول کے مرتبے میں مقربین بھی طمع اور خوف سے خالی نہیں ہوتے لیکن اس مرتبے میں ان کا طمع اور خوف نفس کے تقاضوں کے تحت نہیں ہوتا وہ جنت کا طمع اپنے نفس کے آرام کیلئے نہیں رکھتے بلکہ جنت کے صرف اس لئے طالب ہوتے ہیں کہ وہ رضائے الٰہی کا محل ہے اور دوزخ کا خوف اپنے نفس کی اذیت وتکلیف کے پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ دوزخ سے صرف اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ قہر الٰہی کا محل ہے وہ اپنے نفس کیلئے انعام وایلام کے تصور سے فارغ ہوتے ہیں کیونکہ وہ نفس کی غلامی سے کامل طور پر آزاد ہو چکے ہوتے ہیں۔

جنت کی طلب کرنا اور دوزخ سے نجات مانگنا مقربین کا مرتبہ ہے

یہ امر مستحضر رہے کہ جنت محل رضائے الٰہی ہے لہٰذا جنت کی طلب دراصل رضائے الٰہی کی طلب ہے حضور سرور کائنات ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کا سوال کیا۔ (المعجم الکبیر ۲۳/۳۱۶) اور ہمیں بھی حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس طلب کریں۔ (صحیح بخاری ۱/۳۹۱) بعض کوتاہ بینوں نے جنت کی طلب کو غیر کی طلب سمجھ لیا اور جنت سے لاتعلقی اور دوزخ سے لاپرواہی ظاہر کرنے لگے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا کہ جنت کی طلب انبیاء و مقربین کا مرتبہ ہے اور انبیاء و مقربین غیر کی طلب و محبت سے فارغ ہوتے ہیں۔ آپ نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے اس قول کہ "میں جنت کو جلانے اور دوزخ کو بجھانے چلی ہوں" کو سکر پر محمول فرمایا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ رابعہ سکر کے عالم میں جنت اور دوزخ کی حقیقت سے واقف نہ ہوئیں۔ ورنہ یہ کلمات ان کی زبان پر نہ آتے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دوزخ محل غضب الٰہی ہے لہذا مقربین کا دوزخ سے پناہ مانگنا دراصل اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ مانگنا ہے جو کہ عنداللہ شرعاً مطلوب ہے۔ اکثر شعراء اپنے کلام میں جنت اور دوزخ کو ایک معمولی اور ساقط الاعتبار شئی قرار دیتے ہیں یہ سراسر جہل اور دین سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اعاذنا اللہ من هذه الخرافات

مقربین کا مرتبہ نزول ان کے مرتبہ عروج سے زیادہ بلند ہوتا ہے کیونکہ عروج کا مرتبہ رجوع الی الحق ہے اور نزول کا مرتبہ رجوع الی الخلق ہے جو کہ دعوت وارشاد کا مرتبہ ہے اور یہی انبیاء کی وراثت کا مقام ہے۔ اللھم ارزقنا ایاھا

(البینات شرح مکتوبات ۱/۶۲۴ تا ۶۲۶)

اولیاء مستہلکین و مرجوعین

جب نفس مطمئنہ ہو کر فنا و بقا سے مشرف ہو کر اپنے مبداء فیض تک پہنچ جائے تو اس وقت ایسے شخص صادق پر لفظ ولایت کا اطلاق صادق آتا ہے۔

ولی دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو عالم قدس میں اس کا استغراق و استہلاک (عروج) دائمی ہوگا یا دعوت خلق کے لئے رجوع (نزول) ہوگا۔

اگر نفس اور روح کا استغراق و عروج دائمی ہوگا اور نزول نہ ہوگا تو وہ اولیائے

مستہلکین میں سے ہوگا اور اگر نفس نزول کرے اور روح عروج میں رہے تو ایسا شخص اولیائے مرجوعین میں سے کہلائے گا۔

اولیائے مستہلکین کے استغراق دائمی کا یہ مفہوم نہیں کہ ان کا رابطہ اور تعلق مخلوق سے منقطع ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا روح اور نفس مشاہدۂ محبوب میں مصروف رہتا ہے اور ان کے حواس وجوارح (جو تفاصیل نفس ہیں) مخلوق کے ساتھ رہتے ہیں۔ جبکہ اولیائے مرجوعین کا نفس حصول اطمینان کے بعد نزول کر کے مخلوق سے ایک قسم کی مناسبت پیدا کر لیتا ہے اور روح بدستور عروجی منازل طے کرتی رہتی ہے۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/۵۹۹)

مراتب ومناصب اولیاء

قطب

لغت عرب میں قطب چکی کی میخ (کیلی) کو کہتے ہیں جس پر چکی گردش کرتی ہے اگر وہ نہ ہو تو چکی نہیں چل سکتی۔ یونہی قطب کے بغیر نظام عالم بھی نہیں چل سکتا۔ قطب کے سبب ہی دائرہ وجود عالم قائم ومحفوظ رہتا ہے اور دنیا میں آثار برکات اور ظہور حسنات اسی کے دم قدم سے وابستہ ہوتے ہیں۔

اقسام اقطاب

اقطاب کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً قطب الاقطاب، قطب الوحدت، قطب عالم، قطب اکبر، قطب الارشاد، قطب الابدال، قطب المدار، قطب اقلیم۔ بعض حضرات نے بارہ اقطاب کے وجود کا قول کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فرائض اقطاب

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اقطاب کے فرائض کے متعلق فرمایا ہے:

"قطب ابدال واسطہء وصول فیوض است کہ بوجود عالم وبقائے آں تعلق دارد،وقطب ارشاد واسطہء وصول فیوض است کہ بارشاد وہدایت عالم تعلق دارد پس تخلیق وترزیق وازالہء بلیات ودفع امراض وحصول عافیت وصحت منوط بفیوض مخصوصہ قطب ابدال است ، وایمان وہدایت و توفیق حسنات وانابت ازسیئات نتیجہ فیوضات قطب ارشاد است (معارف لدنیہ معرفت ۳۵)

ترجمہ: قطب ابدال عالم کے وجود اور اس کی بقا سے تعلق رکھنے والے امور میں وصول فیض کا واسطہ ہوتا ہے اور قطب ارشاد ہدایت و ارشاد سے متعلق امور ہیں وصول فیض کا ایک واسطہ ہوتا ہے۔ اس لئے پیدائش ،رزق، مصائب وامراض کے دور ہونے اور صحت وعافیت کے حاصل ہونے کا تعلق قطب ابدال کے فیض کے ساتھ مخصوص ہے اور ایمان وہدایت اور نیکیوں کی توفیق اور گناہوں سے توبہ کا تعلق قطب الارشاد کے فیض کا نتیجہ ہے۔

قطب مدار

قطب مدار کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کے تحت حضرت امام ربانی قدس سرہٗ سے حضرت خضر علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

وجعلنا اللہ تعالیٰ معیناً للقطب المدار من اولیاء اللہ تعالیٰ الذی جعلہ اللہ تعالیٰ مدار للعالم وجعل بقاء العالم ببرکۃ وجودہ وافاضتہ (تفسیر مظہری ۲/۶۲)

ترجمہ: حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو قطب مدار کا معاون بنایا ہے جو اللہ کے ولیوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عالم کا مدار بنایا ہے اور جس کے وجود کو برکت اور فیض رسانی کی بقا کا سبب بنایا ہے۔

غوث

غوث اسم مصدر مبنی للفاعل ہے اس کے معنی ہے دعا کرنے والا مخبر یاد کرنے والا فریاد رس، پکارنے والا جیسے غوث الرجل واستغاث صاح واغوثاہ

(تاج العروس ۱/۶۳۶)

اصطلاح صوفیاء میں غوث ایسے مستجاب الدعوات انسان کیلئے بولا جاتا ہے جس کی طرف لوگ اضطرار کے وقت دعا کیلئے محتاج ہوں اور وہ اگر کسی بات میں قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا کر دیتا ہے۔ غوث اللہ تعالیٰ کے اذن سے متصرف فی الاکوان والآوان ہوتا ہے۔

قیوم

قیوم مخلوق پر تمام انعامات الٰہیہ کا سبب ہوتا ہے اولوالعزم رسول کا نائب ہوتا ہے اس کا مخالف اس کے فیض سے محروم ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

معاملہ انسان کامل تابجائے می رسد کہ اوراقیوم جمیع

اشیاء بحکم خلافت می سازندوهمه راافاضه وجود وبقاء وسائر کمالات ظاهری وباطنی تبوسط اومی رسانندا (دفتر دوم مکتوب ۴)

ترجمه: قیوم انسان کامل ہوتا ہے جس کو تمام اشیاء کائنات کا قیوم یعنی خلیفۃ اللہ بنایا جاتا ہے۔تمام مخلوق کو وجود اور بقا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی اسی کے وسیلے سے پہنچتے ہیں۔

نیز آپ نے فرمایا:

''این عارفے کہ بہ منصب قیومیت اشیاء مشرف گشتہ است حکم وزیر دارد کہ مہمات مخلوق را باو مرجوع داشتہ اند'' (دفتر دوم مکتوب ۴)

ترجمه: وہ عارف جو قیوم کے مرتبے پر فائز ہوتا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوق کے اہم معاملات کا تعلق اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔

قیوم کے دو مفہوم

لفظ قیوم جب ذات باری تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کیلئے بولا جائے تو اس کا معنی قائماً بذاته ومقوماً لغیره ہوگا یعنی جو بذات خود قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہو اور یہ لفظ جب کسی مخلوق کیلئے بولا جائے تو اس کا لغوی معنیٰ مراد لیا جائے گا۔(شرح فقہ اکبر ص ۱۹۲) اور اس کی تاویل کی جائے گی یعنی کسی شئے کے قیام اور بقا کا وسیلہ وذریعہ۔

صوفیائے کرام نے وضاحت فرمائی ہے کہ قیوم، غوث، قطب الاقطاب اور فرد کامل تقریباً ایک جیسا مفہوم رکھتے ہیں۔صرف قیوم کی اصطلاح حضرت امام ربانی قدس سرہٗ سے مشہور ہوئی اور آپ نے قیومیت سے خلافت اور وزارت مراد لی ہے

چنانچہ آپ نے اپنے متعلق اور اپنے جانشین عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منصب قیومیت کے عطا ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"بعد از لمحہ دید کہ بفرزندی مرحمت فرمودند و آن خلعت اور ابتمام پوشانیدند واین خلعت زائلہ کنایت از معاملہ قیومیت بودہ است کہ بتربیت وتکمیل تعلق داشتہ"

(دفتر سوم مکتوب ۱۰۴)

یعنی آپ نے واقعہ میں دیکھا تھا کہ آپ کے جسم سے ایک خلعت (لباس) جدا ہوگئی اور وہ آپ کے فرزند ارجمند خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کو مرحمت فرمائی گئی وہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیت ہے جو کہ تربیت وتکمیل سے تعلق رکھتا ہے۔ صاحب روضۃ القیومیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ سید المرسلین ﷺ نے اپنے دست اقدس سے قیوم اول حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے سر مبارک پر دستار مبارک باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باد دی۔ (روضۃ القیومیہ مترجم ص ۱۷۱)

ابدال

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ رقم طراز ہیں:

خصائص امت محمدی سے ہے کہ اس میں اقطاب واوتاد ونجباء وابدال موجود ہیں حدیث مرفوع میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ ابدال چالیس مرد اور عورتیں ہیں جب ان میں سے کوئی وصال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی مرد یا عورت کو اس کے بدل میں پیدا کر دیتا ہے۔ (مدارج النبوۃ مترجم ۱/۲۶۱)

بعض مشائخ نے ابدال کی وجہ تسمیہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو کدورات بشریہ سے منقطع ہو کر اپنی صفات ذمیمہ کو صفات حمیدہ سے بدل لیتے ہیں۔

ابدل چشم خلائق سے پوشیدہ ہوتے ہیں، اولیائے کاملین کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ (بحرالمعانی)

ابدال ان حق باذن اللہ نظام عالم میں تصرفات فرماتے ہیں اور جب کوئی ان سے مدد طلب کرتا ہے تو وہ امداد اور فیض پہنچاتے ہیں اس کی تائید میں امام شمس الدین جزری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

وان ارادعوناً فلیقل یاعباداللہ اعینونی یاعباداللہ اعینونی

(حصن حصین)

یعنی جب کوئی ان سے مدد لینا چاہے تو کہے ''اے اللہ کے بندو میری مدد کرو'' واضح ہو کہ بزار نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور مجمع الزوائد میں ہے کہ اسکے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ۱/۱۳۵) اسی مفہوم کی تائید میں قاضی محمد بن علی شوکانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث لکھی ہے:

اذا انفلتت دابۃ احد کم فلینادیا عباداللہ احبسوا

(تحفۃ الذاکرین ص ۱۵۵،۱۵۶)

یعنی جب کسی کا جانور جنگل میں کھو جائے تو اس کو پکار کر یوں کہنا چاہئے کہ اے اللہ کے بندوں اس کو روکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو عالم کو گھیرے ہوئے ہیں تو امید ہے کہ شاید وہ روک لیں۔

اس حدیث کو امام ابو یعلی الموصلی نے مسند ابی یعلی حدیث نمبر ۴/۵۲۴۷ اور طبرانی کبیر ۱۰/۲۶۷ نے بھی ابن السنی کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

استمداد و اولیاء کا مسئلہ آج کل متنازعہ فیہ بنا ہوا ہے لیکن یہ امر یاد رہے کہ باذن اللہ کے عقیدے کے ساتھ یہ کمالات اولیاء کے لئے ماننا شرک کے زمرے

میں نہیں آتا۔ ہاں اگر استقلال ذاتی اور بلا اذن اولیاء کے لئے یہ تصرفات مانے جائیں تو یقیناً شرک ہے لیکن ایسا عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں ہے۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

شیر مرد انند در عالم مدد
آں زماں کافغان مظلوماں رسد

بانگ مظلوماں زہر جا بشنوند
آں طرف چوں رحمت حق میدوند

آں ستون ہائے خلل ہائے جہاں
آں طبیبان مرض ہائے نہاں

(البینات شرح مکتوبات ۱/۵۶۴،۵۶۹)

اولیاء اللہ اور من دون اللہ میں فرق

دور حاضر میں اولیاء اللہ کو من دون اللہ ظاہر کر کے ان کی عظمتوں، فضیلتوں اور بلندیوں کا انکار کرنے کی ایک گھناؤنی شازش کی جارہی ہے...... عوام الناس کو بتوں اور مشرکوں والی آیات سنا کر اولیاء کرام اور محبوبان خدا سے دور ہٹانے کی ناپاک کوشش کی جاتی ہے...... حالانکہ قرآن مجید میں نبیوں، ولیوں کو رحمان کے دوست اور بتوں اور مشرکوں کو شیطان کے دوست کہا گیا ہے تو گویا ایسے لوگوں کے نزدیک ''رحمان کے دوستوں'' اور ''شیطان کے دوستوں'' میں کچھ فرق نہیں ہے...... اگر ان لوگوں کی اس کافرانہ روش کے پیش نظر یہ کہہ دیا جائے کہ جتنا فرق رحمان اور شیطان میں ہے اتنا ہی فرق اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطن میں ہے...... تو بے جا نہ ہوگا...... کیونکہ نسبت کے فرق سے حکم بدل جاتا ہے...... لیکن تف ہو، ایسی عقل پر جسے رحمان اور شیطان، ولی اور بت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

پتھروں کی تعظیم

جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر پتھر کی نسبت بھی کسی ولی اللہ، نبی اللہ یا کعبۃ اللہ کی طرف ہوجائے تو وہ بھی لائق ادب اور واجب التعظیم ہوجاتا ہے...... چند امثالیں حاضر خدمت ہیں:

صفا اور مروہ

یہ دو پہاڑی تو ہیں...... لیکن انکی نسبت جب اللہ کی ایک ولیہ کی طرف ہوگئی تو قرآن میں حکم آ گیا: **ان الصفاء والمروۃ من شعآئر اللّٰہ** (البقرہ ۱۵۸)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

دیکھیں! ان پہاڑیوں کو اپنی نشانیاں قرار دے کر ان کی عظمت ورفعت کو بہت بلند فرمادیا ہے، حالانکہ اس سے قبل مشرکین مکہ نے صفا پر اساف نام کا ایک بت رکھا ہوا تھا اور مروہ پر نائلہ نام کا ایک بت موجود تھا، وہ لوگ جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو ان بتوں کو چھوتے تھے، بعض مسلمانوں نے کہا کہ صفا اور مروہ کی سعی تو ان بتوں کی وجہ سے کیجاتی تھی، لہذا ان کا طواف کرنا اسلام کی نشانیوں سے نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اس آیت کو نازل فرمایا کہ ان پہاڑیوں کا مشرکین اور بتوں سے کوئی تعلق نہیں یہ تو اللہ کی نشانیاں ہیں، لہذا ان کی تعظیم کرتے ہوئے، ان کے درمیان دوڑو۔ (ملخصا تفسیر طبری ۲/ ۴۸ تفسیر الدر المنثور ۱/ ۱۶۰)

بلکہ دوسرے مقام پر دوٹوک فیصلہ فرمادیا:

⊙ ...... **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** (الحج ۳۲)

اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ کی نشانی ہے

⊙ ...... مزید فرمایا:

ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ (الحج ۳۰)

اور جس نے اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کی تو یہ اس کے رب کے ہاں بہتر ہے۔

اللہ اکبر! ...... اللہ کی نشانیوں کی تعظیم اور انکا ادب کرنے والوں کو دلوں کے تقویٰ والے قرار دیا جا رہا ہے۔

اب خود سوچیئے ...... کہ اگر پہاڑیاں اللہ کی نشانیاں ہیں تو انسان کامل اللہ کے نیک بندے، انبیاء کرام اور اولیاء عظام اللہ کی نشانیاں کیوں نہیں ہو سکتے؟ ...... کیا انبیاء کرام اور اولیاء عظام کہ جن کو دیکھنے سے خدا یاد آ جاتا ہے، جن کی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کی یاد، اس کا خوف اور اس کی عبادت کا ولولہ بیدار ہوتا ہے، جن کی بارگاہوں سے خدا کی ذات، صفات اور اس کے احکامات کا پتہ چلے وہ اللہ کی نشانیاں نہیں تو اور کیا ہیں؟ ...... اللہ کے ولیوں کے قدم لگنے والی جگہیں (صفا اور مروہ) اللہ کی نشانیاں ہیں تو ان کے جسم لگنے والے مقامات یعنی ان کے مزارات اللہ کی نشانیاں کیوں نہیں؟ ...... ان کا ادب واحترام شرک اور کفر کیسے ہو سکتا ہے ...... ان کو بتوں اور مشرکوں کے معاملات سے کس طرح تشبیہ دی جا سکتی ہے؟ ...... کیونکہ بتوں کی نسبت شیطان سے ہے اور ان کی نسبت رحمان سے ہے ...... کیا رحمان کی نسبت کا ادب و احترام بھی شرک و بدعت ہے؟ ...... معاذ اللہ ...... فتویٰ لگانے والے جواب دیں!۔

حجر اسود

کعبہ مقدسہ کے دروازے کے ساتھ نصب شدہ ایک سیاہ رنگ کا پتھر ہے، لیکن اس کے ادب واحترام کا کیا کہنا، ساری دنیا کے مسلمان اپنے طواف کا آغاز اسی پتھر کو سلامی پیش کرنے کے بعد ہی کرتے ہیں، کسی مسلک والوں نے آج تک حجر اسود کو بوسہ دینا، اس کے ادب واحترام اور تعظیم و توقیر کو شرک و بدعت نہیں کہا، آخر کیا وجہ

ہے اس پتھر کا ادب کیوں کیا جاتا ہے؟ جھک جھک کر اس کے بوسے کیوں لیے جاتے ہیں؟...... پتھروں کی تعظیم کرنا تو شرک تھا، یہاں آ کر یہ قانون کیوں بدل گیا؟......

اس کا جواب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنئے!۔

طواف کعبہ کے دوران حجر اسود کو بوسہ دے کر فرماتے ہیں:

لولا انی رایت رسول اللہ ﷺ قبلک ماقبلتک (بخاری ۱/۲۱۸)

اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔

یعنی حضور اکرم ﷺ کے اس مبارک فعل نے حجر اسود کو چھونے اور چومنے کے قابل بنا دیا ہے۔

حاشیہ بخاری میں ہے:

قولہ ماقبلتک لکن متابعتہ صلعم (ﷺ) مشروعۃ وان لم یعقل معناہ لکن فیہ تعظیم الحجر وتبرک بہ (بخاری ۱/۲۱۸، حاشیہ نمبر ۱۴)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا مطلب یہ ہے کہ میں تو حضور ﷺ کی پیروی میں اسے بوسہ دے رہا ہوں ...... خواہ اسکا معنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن اس عمل میں پتھر کی تعظیم اور اس سے برکت حاصل کرنا (مقصود) ہے۔

دیکھیے...... فقط لب مصطفےٰ ﷺ لگنے کی وجہ سے پتھر معظم بھی ہو گیا اور مبارک بھی...... کیا یہ شرک تو نہیں؟

مقام ابراہیم

کعبہ معظمہ کے بالمقابل مسجد حرام کے صحن مقام ابراہیم بھی ایک بڑا پتھر ہی ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چڑھ کر خانہ کعبہ کی تعمیر کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا (بخاری ۱/۴۷۶) اور آج پائے خلیل کے نشانات اس پتھر کے سینہ میں ثبت ہیں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انگلیوں، ایڑیوں اور تلووں کے نشان ثبت دیکھے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ۲/۱۱۲) اسے ایک بابرکت مقام کے طور پر صحن حرم میں محفوظ کر رکھا ہے...... آج حاجی طواف کعبہ سے فراغت پاکر اس پتھر کے سامنے کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کرتے ہیں...... حضرت خلیل علیہ السلام کے نقش پا سے برکت حاصل کرنے کیلئے ...... یہ عمل لوگوں کا خود ساختہ نہیں بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے کہ اچانک مقام ابراہیم پر نظر پڑی تو بارگاہ رسالت مآب میں عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں! تو فوراً یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی، واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی (البقرہ ۱۲۵)۔ (بخاری ۱/۵۸)

یعنی بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی بات کی تردید کرتا کہ پتھروں کی تعظیم اور انکے پاس نماز پڑھنا تو شرک اور ناجائز ہے لیکن اس نے حضرت عمر کی تائید کردی، کہ بالکل ٹھیک ہے، مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھا کرو، تاکہ تمہیں برکتیں حاصل ہوں ...... اور خود حضور اکرم ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی۔ (بخاری ۱/۵۷)

اب دیکھیے! اگر اللہ کے دوستوں سے تعلق رکھنے والے پتھروں کے پاس نماز پڑھنا درست ہے تو اللہ کے دوستوں کے مزاروں کے قرب میں نماز ادا کرنا کونسی نص سے شرک اور کفر ہوگیا؟

کعبۃ اللہ

ظاہری صورت کے لحاظ سے تو کعبہ مکرمہ بھی چند اینٹوں اور پتھروں کا ڈھانچہ ہی تو ہے، لیکن اس کی نسبت، باطنی کیفیات اور اس پر نازل ہونے والے انوار

وتجلیات کی بدولت بیت اللہ کی عظمت ورفعت کے کیا کہنے......ان خصوصیات نے اسے دنیا کے تمام گھروں سے ممتاز کردیا ہے، جو اس گھر میں داخل ہوگیا، امن پا گیا، ایمان اور احتساب کی حالت میں اس کا حج کرنے والا جنتی اور گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے......اب کہنے دیا جائے کہ اگر کعبہ کی نسبت اللہ کی طرف ہوجائے تو وہ معزز اور محترم بن جاتا ہے تو اگر انبیاء اور اولیاء کی نسبت اللہ کی طرف ہوجائے تو ان کی عزت وشان کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ جس نسبت نے ان پتھروں اور مقامات کو محترم بنایا ہے اسی نسبت نے محبوبان خدا کو معظم بنادیا ہے جبکہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی نسبت ان سے کئی درجے کامل اور قوی ہے اگر ان مقامات اور مبارک اشیاء کی تعظیم عبادت، ایمان اور دین ہے، تو اولیاء الرحمان کی صحبت، ادب اور احترام بھی کفر، شرک اور بدعت نہیں بلکہ عین اسلامی تعلیمات پر عمل ہے......اور ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب کے زمرے میں آتا ہے۔

رحمان کا گروہ اور شیطان کا گروہ، ایک تقابلی جائزہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: افمن کان مومنا کمن کان فاسقاً لایستون

(السجدہ ۱۸)

تو کیا مومن اور فاسق ایک جیسے ہیں؟......(نہیں) وہ برابر نہیں ہیں۔

ولیوں اور بتوں کو ایک ساتھ ملانے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ جب اسلام مومن اور فاسق کو ایک جیسا نہیں مانتا تو بت اور ولی کو برابر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

⊙ ...... ام نجعل المتقین کالفجار (ص ۲۸)

کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح بنائیں گے؟ (ہرگز نہیں)

⊙ ...... وما یستوی الاعمیٰ والبصیر (فاطر ۱۹)

اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہوتے۔

⊙ ...... ولا تستوی الحسنة ولا السیئة (حم السجدہ ۳۴)
اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔
اگر نیکی اور بدی برابر نہیں، تو نیک (اللہ والے) اور بد (کفر والے) کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟

⊙ ...... مزید فرمایا:

لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة اصحاب الجنة هم الفائزون (الحشر ۲۰)
جہنم والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے، جنتی لوگ ہی کامیاب ہیں۔
سوچئے! اگر نیکو کار اور بدکار برابر نہیں، اندھا اور بینا برابر نہیں، جنتی اور جہنمی برابر نہیں تو ولی اور بت، رحمان اور شیطان والے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں
کیونکہ

ولی اللہ کے یار ہیں ...... جبکہ ...... بت سراپا اشرار ہیں
ولیوں پر اللہ کی رحمت ہے...... جبکہ ......بتوں پر خدا کی لعنت ہے
ولی اللہ کے دوست ہیں...... جبکہ ...... بت اللہ کے دشمن ہیں
ولیوں سے خدا کو پیار ہے...... جبکہ ......بتوں پر اللہ کی پھٹکار ہے
ولی رحمان کے اولیاء ہیں ...... جبکہ ...... بت شیطان کے اولیاء ہیں
اللہ کے ولیوں سے محبت کرنے کا حکم ہے...... جبکہ......شیطان کے ولیوں کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فقاتلوا اولیاء الشیطن (النساء ۷۶)

⊙ ...... ولی اللہ کا گروہ ہیں، اور اللہ کا گروہ کامیاب ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اولئک حزب اللہ الاان حزب اللہ ھم المفلحون (المجادلہ۲۲)

دوسرے مقام پر رسول اور ایمان والوں کو اللہ کا گروہ قرار دے کر فرمایا:

فان حزب اللہ ھم الغالبون (المائدہ۵۶)

بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔

جبکہ بت ابلیس کا گروہ ہیں اور شیطان کا گروہ خائب و خاسر ہے......

جیسا کہ فرمایا:

اولئک حزب الشیطان الاان حزب الشیطان ھم الخاسرون (المجادلہ۱۹)

⊙ ...... اولیاء کیلئے جنت کی ابدی نعمتیں تیار کی گئی ہیں......جبکہ......بتوں اور بت پرستوں کیلئے جہنم کی وعیدیں سنائی گئی ہیں

جیسا کہ فرمایا:

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم (الانبیاء۹۸)

⊙ ...... ولیوں کا کارساز اللہ ہے وہ انہیں تاریکیوں سے روشنیوں کی طرف لاتا ہے......جبکہ......بت پرستوں اور کافروں کے مددگار شیطان اور طاغوت ہیں وہ انہیں روشنیوں سے اندھیروں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں......جیسا کہ فرمان ذیشان ہے

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات (البقرہ۲۵)

⊙ ...... ولی بارگاہ خدا تک رسائی کا کامل ترین وسیلہ ہیں۔

جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ سے واضح ہے:

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (المائدہ۳۵)

جبکہ......بت وصول ذات میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

⊙ ...... ولیوں کی معیت اختیار کرنے کا حکم ہے۔جیسا کہ درج ذیل فرمان سے

واضح ہے:

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین (التوبہ ۱۱۹)

جبکہ بتوں اور شیطانوں سے بچنے کا حکم ہے، جیسا کہ فرمایا:

واجتنبوا الطاغوت (النحل ۳۶)

⊙ ...... ولیوں کے پاس بیشمار تصرفات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ اوراق میں بیان ہوا...... جبکہ بت کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہوتے...... جیسا کہ درج ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

مایملکون من قطمیر (الفاطر ۱۳)

⊙ ...... ولی دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی دیکھتے، سنتے، پہنچانتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں...... جبکہ...... بت اس دنیا میں بھی نہ دیکھتے ہیں، نہ سنتے ہیں، نہ پکڑتے ہیں اور نہ چلنے کی سکت رکھتے ہیں...... جیسا کہ فرمایا:

الھم ارجل یمشون بھا، ام لھم اید یبطشون بھا، ام لھما اعین یبصرون بھا، ام لھم اذان یسمعون بھا (الاعراف ۱۹۵)

⊙ ...... ولیوں کی توجہ سے مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں...... جبکہ...... بت مکھی کا پر بھی نہیں بنا سکتے۔ جیسا کہ فرمایا:

لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ (الحج ۷۳)

⊙ ...... ولی قبروں میں جا کر بھی نداء و پکار کو سنتے ہیں...... جبکہ...... بت دنیا میں بھی کسی کی کوئی پکار یا آواز کو نہیں سن پاتے جیسا کہ فرمایا:

وھم عن دعآئھم غافلون (الاحقاف ۵)

⊙ ...... بتوں سے عداوت اور دشمنی رکھنا لازم ہے...... جبکہ...... ولیوں سے دشمنی رکھنے والوں کو خدا اعلان جنگ فرماتا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی

من عادیٰ لی ولیا فقد اذنة بالحرب (بخاری ۲/۹۶۳) سے ظاہر ہے۔

اس قدر بنیادی اور واضح فرق ہونے کے باوجود بھی کچھ لوگوں کی طرف سے ولیوں اور بتوں کی برابری کا نعرہ کیا سراسر مغالطہ آفرینی، قرآن وحدیث کا انکار، مسلمانوں کے ایمانوں کے ساتھ گھناؤنا کھیل اور اپنی دنیا و آخرت کو تباہ اور اپنے نامہء اعمال کو سیاہ کرنے کے مترادف نہیں؟۔

بتوں والی آیتیں پڑھ کر نبیوں، ولیوں اور مومنوں پر چسپاں کرنے سے ان کی عزت وعظمت اور رفعت ومقام میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ ایسے لوگوں کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی ہمہ وقت ذہن نشین رکھنا چاہیے...... آپ کا فتویٰ ہے

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین (بخاری ۲/۱۰۲۴)

یعنی وہ لوگ مخلوق میں نہایت شریر ہیں جو کفار کے متعلق نازل شدہ آیتوں کو مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

⦿ اور مخالفین کے پیشوا، حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

وجمعوا بین اولیاء الرحمان واولیاء الشیطان ...... ولا یحصل الفرقان الانور بقذفہ اللہ فی قلب من یشاء من عبادہ یری فی ضونہ حقائق الامور ویمیز بین حقھا و باطلھا، وصحیحھا وسقیمھا ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور

(کتاب الروح ص ۴۵۷، فصل الفرق بین اولیاء اللہ واعداؤ، مترجم ص ۳۹۷ نفیس اکیڈمی)

یعنی منکرین نے اللہ کے دوستوں اور شیطان کے دوستوں کو گڈمڈ کر دیا ہے...... یہ فرق اسی آدمی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ جسے وہ نور مل جائے، جو اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں میں جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے، وہ اس نور کی روشنی میں حقائق کو معلوم کرلیتا ہے حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کر لیتا ہے۔ پس جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے نور نہیں مقرر کیا تو اس کیلئے کوئی روشنی نہیں۔

مزید لکھا ہے:

ولا یشتبہ اولیاء الرحمان باولیاء الشیطان الاعلی فاقدالبصیرۃ والایمان (کتاب الروح ص ۵۸۵ فصل الفرق بین اولیاء الرحمان واولیاء الشیطان مترجم ص ۴۰۵)

یعنی وہ آدمی اللہ کے ولیوں اور شیطان کے ولیوں میں فرق نہیں کرسکتا جو بصیرت اور ایمان سے محروم ہو چکا ہے۔

❁❁❁❁

باب نمبر2

نظام خانقاہی اور اس کے زوال کے اسباب

نظام خانقاہی کا مقصد

''نظام خانقاہی'' سے مراد ہر وہ نظام ہے جس کے تحت پورے اہتمام کے ساتھ مختلف مقامات پر ذکر الٰہی اور یاد خداوندی کی مقدس محافل کا انتظام کیا جائے تا کہ اس کی برکت سے ذاکرین وحاضرین کو تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن حاصل ہو اور ان کے سینے معرفت خداوندی کے گنجینے ہو سکیں...... ایسے ذاکروں، درویشوں اور اللہ والوں کے آستانوں کو'' خانقاہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے...... بعض حضرات اس لفظ پر چیں بجبیں ہوتے ہیں، جبکہ یہ ہرگز ایسی چیز نہیں کہ جس سے نفرت کی جائے۔ کیونکہ زمانہ رسالت سے لے کر تادم تحریر مسجد، مکتب اور خانقاہ ایک ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ یہ چند دنیا دار اور جاہ پرست عناصر کی سازش ہے کہ انہوں نے خانقاہ کو مسجد و مدرسہ سے الگ تصور کر لیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اسی لئے کسی نے کہا تھا:

؎ خوشا مسجد و مدرسہ و خانقاہے
کہ دروے بود قیل و قال محمد ﷺ

دورِ نبوت میں جہاں ہمیں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ دکھائی دیتا ہے وہاں پر مسجد نبوی کے ایک کونے میں "محفل ذکر" کا انعقاد بھی نظر آتا ہے۔
قرآن و حدیث اس نظام کے حسن و خوبی کے متعلق ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں۔

آیات قرآنی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً (الحج ۴۰)

اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دور نہ کرتا رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا۔

آیت بالا میں جہاں کلیساؤں اور معابد یہود کا ذکر موجود ہے وہاں مساجد اور راہبوں کی خانقاہوں کا مطلقاً ثبوت بھی مل رہا ہے...... راہب اسی شخص کو کہتے ہیں جو ذکر الٰہی اور یاد خداوندی کے لئے مخلوق سے علیحدہ ہو جائے...... گو اسلام کلی طور پر مخلوق خدا سے انقطاع کی اجازت نہیں دیتا، لیکن چند لمحوں کیلئے کسی مقام میں خلوت نشین ہو کر اللہ، اللہ کرنا تو کسی صورت ممنوع نہیں ہے...... اگر لفظ صوامع (راہبوں کی خانقاہوں) سے نظام خانقاہی پر استدلال کسی کی طبع نازک پر گراں گزرے تو گزارش ہے کہ مذکورہ نظام کی بحالی کے لئے الگ سے کسی مخصوص عمارت یا بلڈنگ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، یہ "نظام ذکر و فکر" صحن مسجد میں بھی انعقاد پذیر ہو سکتا ہے...... اور اس کے جواز کیلئے درج بالا آیت میں "ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا" کا جملہ ہی کافی ہے، اس مطلق فرمان واجب الاذعان کے پیش نظر اگر فرد

واحد کیلئے احاطہ مسجد میں ذکر خداوندی کی اجازت ہے تو انبوہ کثیر کو اجتماعی شکل میں اس عمل خیر سے کس طرح روکا جا سکتا ہے؟

⊙ ...... دوسرے مقام پر ارشاد گرامی ہے:

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ (النور ۳۷)

ان گھروں میں (جن کے متعلق) اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔

مذکورہ آیت کریمہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے ہدایت والے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے اور اس آیت مبارکہ میں ان کی ظاہری نشانی بیان فرمائی ہے کہ میری معرفت اور نور ہدایت والے وہ لوگ ہیں جو ان گھروں میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند کرنے کا اور ان میں اپنا ذکر کرنے کا حکم کیا ہے...... ظاہر ہے اس ذکر میں تسبیح وتہلیل، ذکر وفکر اور تلاوت قرآن کریم ودیگر اوراد واذکار سبھی داخل ہیں ......اور فرد واحد اور جماعت کثیر کی بھی تخصیص نہیں ...... اور یہی طریقہ ہے اہل ذکر کا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں ذکر وفکر اور دیگر اوراد وظائف بجالاتے ہیں۔

⊙ ...... اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے مختلف نو اصناف کا ذکر کر کے فرمایا:

والذاکرین اللہ کثیراً و الذاکرات اعدلھم اللہ مغفرۃ واجراً عظیماً (الاحزاب ۳۵)

اور بہت زیادہ اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

یعنی مسلمان ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، کھڑے اور لیٹے انفرادیا اجتماعاً۔ یاد الٰہی کا یہ شوق کبھی مدہم نہیں پڑتا اس آیت سے جس طرح مسجد میں اللہ کے ذکر کا ثبوت مل رہا ہے ایسے ہی

یہ آیت کسی بھی پاک جگہ پر ذکر الٰہی بجالانے کی بھی زبردست دلیل ہے......
اورانفرادی واجتماعی دونوں صورتوں کے جواز کیلئے بھی دلیل کافی ہے......ذکر خداوندی
کیلئے کسی ایک صورت کومخصوص سمجھنا نادانی ہے......

⊙ ...... جیسا کہ عقل مندوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین یذکرون اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم (آل عمران ۱۹۱)

(عقل مندوہ ہیں) جوکھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کروٹ کے بل
لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں

معلوم ہوا جس طرح ذکر کی دیگر صورتوں کا اختیار کرنا درست ہے ایسے ہی
بیٹھ کراور بالخصوص جماعت کے ساتھ مل کر ذکر کرنا بھی درست ہے

⊙ ...... مسجد نبوی کے چبوترہ پر بیٹھنے والے اصحاب صفہ کوکون نہیں جانتا، یہ وہی لوگ
ہیں جوتقریباً ہروقت وہاں حاضر رہتے اور تعلیم وتعلم اور ذکر وفکر میں مشغول رہتے......
قرآن کریم نے انہیں ''فقراء'' کا نام دے کران کی عظمت کویوں بیان کیا ہے۔

للفقراء الذین احصروافی سبیل اللّٰہ لایستطیعون ضربا فی
الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم
لایسئلون الناس الحافاً (البقرہ ۲۷۳)

(یہ خیرات) ان فقراء کیلئے ہے جوخودکو اللہ کی راہ میں وقف کئے ہوئے
ہیں، جو(دینی تعلیم اوریادالٰہی میں شدت اشتغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کرنے کی
طاقت نہیں رکھتے، ناواقف آدمی ان کوسوال نہ کرنے کی وجہ سے خوشحال سمجھتا ہے۔تم
ان کی حقیت کوصورت سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے گڑگڑا کرسوال نہیں کرتے۔

⊙ ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اورامام مقاتل نے کہا ہے کہ یہ فقراء اہل
صفہ ہیں جنہوں نے خودکو اللہ کی عبادت کیلئے وقف کرلیا تھا۔ (تفسیر البحرالمحیط ۲/ ۶۹۶)

⊙ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

احصروا فی سبیل اللہ (جنہوں نے خود کو راہ خدا میں روک رکھا ہے)

یعنی ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل یا جہاد میں مشغول ہیں۔ (تفسیر مظہری ۲/۷۷)

معلوم ہوا کہ اصحابِ صفہ ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل اور عبادت وذکر وفکر کیلئے اپنا گھر بار چھوڑ کر مسجد کے ہو لئے تھے اور ہر وقت یاد الٰہی میں مستغرق رہتے...... نظام خانقاہی کے انعقاد کا مقصد بھی اہل ایمان کو اس درجہ علیا پر فائز کرنا ہے۔ جو کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے اس مبارک عمل کے عین مطابق ہے۔

⊙ مفسر قرآن مولانا عبدالحق حقانی لکھتے ہیں:

آنحضرت سے تعلیم پانے اور شب وروز یاد الٰہی میں بہت سے صحابی گھر بار چھوڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے، جن کے فیض نے آنحضرت کے بعد تمام عالم کو منور کیا۔ (تفسیر حقانی ۲/۱۸)

⊙ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولاتعد عیناک عنھم (الکہف ۲۸)

اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں۔

یہ آیت کریمہ بھی گو اسلام کے اولین درویش، اہل خرقہ اور گدی پوش اہل صفہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن اس کے عموم واطلاق میں پوری امت کے مذکورہ صفات کے حامل افراد ہیں...... یہ وہی افراد ہیں جو دنیوی سج دھج سے عاری، یاد الٰہی میں مستغرق رہنے والے ہیں......اور اجتماعی طور پر اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں۔

⊙ حضرت عبدالرحمٰن بن سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس

وقت رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت آپ اپنے کسی گھر میں تھے، آپ باہر نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں، ان کے بال بکھرے ہوئے تھے، اور انہوں نے معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب آپ نے انہیں دیکھا تو آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہا اللہ کا شکر ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہیں جن کے متعلق مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خود کو ان کے ساتھ لازم رکھوں۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۷۳۴۸)

⊙ ...... ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ان کو تلاش کرنے کیلئے نکلے وہ مسجد کی پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری وفات سے پہلے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی امت کے ان لوگوں کے ساتھ رہوں، تمہارے ساتھ ہی میری زندگی ہے اور تمہارے ساتھ ہی میری وفات ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۷۳۵۳)

دیکھئے!...... اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حلقہ ذکر قائم کرنے والوں کے ساتھ لازم رہنے کا حکم دے رہا ہے (تاکہ آپ ان کی دلجوائی اور ان پر رحمت وشفقت فرمائیں) اور آپ ایسے لوگوں کے ساتھ تشریف فرما ہو کر شکر خداوندی بجالا رہے ہیں۔

لیکن آپ کے امتی کہلوانے والے اگر ایسے اہل ذکر سے نفرت و بیگانگی کا اظہار کریں اور اس عمل کو بدعت و ناجائز کہہ کر اللہ و رسول سے آگے بڑھیں تو کس قدر افسوس کی بات ہے؟۔

احادیث مبارکہ

اس عنوان پر چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

قال عن النبی ﷺ انہ لایقعد قوم یذکرون اللہ عزوجل الا

حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السکينة وذکرهم فی من عنده (مسلم ۲/۳۴۵، مشکوٰۃ ص ۱۹۶)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو قوم اللہ کے ذکر کیلئے بیٹھتی ہے، اللہ کے فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ ان کا ذکر ان میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں (یعنی فرشتوں میں)

⊙ ...... قال رسول اللہ ﷺ یقول اللہ تعالیٰ انا عندظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأخیر منهم (بخاری ۲/۱۱۰۱، مسلم ۲/۳۴۳، مشکوٰۃ ص ۱۹۶)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، پس اگر وہ مجھے اکیلا یاد کرے تو میں بھی اسے اکیلا یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اسے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

⊙ ...... ان للّٰه ملائکة یطوفون فی الطرق یلتمسون اهل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون اللّٰه تنادوا هلموا الیٰ حاجتکم قال فیحفونهم باجنتهم الی السماء الدنیاء (بخاری ۲/۱۴۸، مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

وفی روایة لمسلم قال ان لله تبارک وتعالیٰ ملائکة سیارة فضلاً یبتغون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلساً فیه ذکر قعدوا معهم وحف بعضهم بعضا باجنتحهم حتی یملاوا مابینهم وبین السماء الدنیا (مسلم ۲/۳۴۴، مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے رہتے ہیں، وہ ذکر والوں کو تلاش کرتے ہیں، پس جب انہیں کوئی ایسی

جماعت ملتی ہے جو اللہ کا ذکر کر رہی ہوتی ہے تو وہ (دوسرے فرشتوں کو) پکارتے ہیں، (اے فرشتو!) آؤ اپنے مقصد کی طرف...... آپ نے فرمایا پھر وہ انہیں آسمان دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں...... مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ: آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو چلتے پھرتے ہیں، وہ اسی کام کیلئے ہیں، وہ ذکر کی مجلسیں تلاش کرتے ہیں، پس جب وہ ایسی مجلس پا لیتے ہیں جس میں ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو وہ ان (ذکر کرنے والوں) کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کو ڈھانپ لیتے ہیں اور مجلس ذکر سے آسمان دنیا تک کو پر کر دیتے ہیں۔

⊙ ...... حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو قوم جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرتی ہے ان کو آسمان سے ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ تم لوگ بخشے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئی ہیں۔ (مسند احمد ۱۴۲/۳)

⊙ ...... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر میں صبح کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب تک ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ کا ذکر کرتی ہو مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کیلئے گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھوں اتنی ہی دیر، اور میں اگر عصر کی نماز پڑھ کر آفتاب کے غروب ہونے تک ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ کا ذکر کرتی ہو مجھے زیادہ محبوب ہے اس بات ہے کہ میں اتنا عرصہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اللہ کے راستے میں جہاد کروں۔ (الدر المنثور ۱۵۱/۱)

⊙ ...... قال رسول اللہ ﷺ اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال حلق الذکر (ترمذی ۱۸۹/۲، مشکوٰۃ ص ۱۹۸)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو چر لیا کرو، صحابہ نے عرض کیا، وہ جنت کے باغ کونسے ہیں؟ فرمایا ذکر کے حلقے......

(یعنی جب تم مجلس ذکر کے پاس سے گزرو تو اس میں شامل ہو کر ذکر کیا کرو)

⊙ ...... ایک مرتبہ مسجد میں لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ذکر خدا میں مصروف تھے کہ حضرت امیر معاویہ تشریف لائے اور دریافت کیا کہ تم لوگ کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا مقصد فقط اللہ کا ذکر ہے...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حلفاً فرمایا کہ میں تم پر کوئی تہمت نہیں لگانا چاہتا تھا بلکہ ایک روز ہم بھی اسی طرح مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے دریافت فرمایا:

ما اجلسکم ھھنا قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ علی ماھدنا للاسلام ومن بہ علینا (مسلم ۲/۳۴۴، ترمذی ۲/۱۸۹، مشکوۃ ص ۱۹۸)

یعنی تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ تو صحابہ نے عرض کیا اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں دین اسلام دیا اور ہم پر احسان فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تم پر فخر کا اظہار فرمارہا ہے۔

⊙ ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگوں کو (قبروں سے) اٹھائے گا، جن کے چہرے منور ہوں گے، وہ موتیوں کے ممبروں پر بیٹھے ہوں گے، لوگ ان پر رشک کریں گے، وہ انبیاء ہیں اور نہ شہداء...... ایک صحابی نے دوزانوں بیٹھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ تا کہ ہم ان کی پہچان کر سکیں، تو آپ نے فرمایا وہ مختلف شہروں، مختلف قبیلوں اور مختلف خاندانوں کے لوگ ہوں گے مگر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں۔ (طبرانی، الترغیب والترھیب ۴/۲۰)

ان احادیث مقدسہ سے رز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ

❁ ...... اجتماعی صورت میں ذکر کرنے والوں کو فرشتے تلاش کرتے ہیں، اور ان کو ڈھانپ لیتے ہیں۔

❁ ...... ان پر رحمت اور طمانیت کا نزول ہوتا ہے اور خدا ان کا ذکر فرشتوں میں کرتا ہے۔

❁ ...... ذکر کے حلقے جنت کے باغیچے ہیں۔

❁ ...... جمع ہو کر ذکر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ خوشی اور فخر کا اظہار فرماتا ہے

❁ ...... اکٹھے ہو کر ذکر کرنے والوں کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ موتیوں کے ممبروں پر بیٹھیں گے کہ لوگ ان پر رشک کریں گے۔

مسجد و مدرسہ اور خانقاہ کا مقصد ذکر خداوندی، اتباع نبوی اور احکام دینی کی تعلیم و تربیت ہے۔

یاد رہے یہ تمام مدارج و مراتب حلقہ ہائے ذکر کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ حلقے خواہ مساجد میں منعقد ہوں یا گھروں اور دیگر مقامات پر...... نظام خانقاہی کے تحت مختلف مقامات پر مجالس ذکر کا انعقاد ذکر کے مذکورہ احادیث مبارکہ پر عمل اور صحابہ کرام کی مجالس ذکر کی یاد کو تازہ کیا جاتا ہے۔

صالحین کا عمل

حلقہ ہائے ذکر کے اہتمام و انصرام کا تعلق نہ صرف صحابہ کرام یا تابعین عظام کے ساتھ ہے بلکہ آں دم تا ایں دم یہ سلسلہء خیر تمام معروف اور جلیل القدر اولیاء کرام اور صوفیہ فخام نے جاری رکھا ہے...... مثلاً

⊙ ...... امام اہل بیت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں

⊙ ...... سلطان الاولیاء حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے بسطام

⊙ ...... حضرت داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ نے لاہور میں

⊙ ...... حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے بغداد میں

- حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر میں
- سلطان العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے جھنگ میں
- حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ نے پاکپتن میں
- حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند بخاری علیہ الرحمۃ نے بخارہ میں
- حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے دہلی میں
- حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے سرہند میں
- حضرت خواجہ نور محمد چوراہی نے چورہ ضلع اٹک میں
- حضرت سید چنن شاہ نوری دائم الحضوری علیہ الرحمۃ نے آلومہار میں
- حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے دہلی میں
- حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ نے گولڑہ میں
- حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری علیہ الرحمۃ نے علی پور میں
- حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ نے شرقپور میں
- حضرت خواجہ صوفی محمد علی علیہ الرحمۃ نے گوجرانوالہ میں اور
- حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی علیہ الرحمۃ نے ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں

علیٰ ھذا لقیاس دنیا بھر میں کثیر تعداد میں موجود آستانے اسی سلسلہ علیہ کو رواں دواں رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فتویٰ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "اشغال صوفیہ" کے متعلق فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ حضرات صحابہ اور تابعین اشیائے مذکورہ پر مدت کثیرہ تک

مواظبت اور دوام کرتے تھے، تو ان کو تقرب الی اللہ کا ملکہ راسخہ اور ہیئات نفسانیہ حاصل ہو جاتی تھی، اور اسی پر محافظت کرتے تھے اور یہی مقصود و متوارث ہے شارع سے، یعنی رسول اللہ ﷺ سے چلا آ رہا ہے ہمارے مرشدوں کے طریق میں اس میں کچھ شک نہیں اگر چہ الوان مختلف ہیں اور تحصیل نسبت کے طریقے رنگ برنگ ہیں۔

(شفاء العلیل ترجمۃ القول الجمیل ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸ ساتویں فصل)

اس قول کے حاشیہ میں مولوی خرم علی بلہوری نے لکھا ہے:

بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے ...... خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے، گو طرق اس کی تحصیل کی مختلف ہیں، تو فی الواقع اولیائے طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھرا لے اور اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کی جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے، ہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بسبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن اور حدیث کے فہم میں قواعد صرف و نحو کے دریافت کے حاجت نہ ہوئی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں ...... واللہ اعلم (ایضاً)

نظام خانقاہی کے عالمگیر اثرات

یہ اولیاء کرام کی قائم کردہ خانقاہیں اور آستانے ہی ہیں جہاں سے دنیا والوں کو توحید کا نور ملا ...... شریعت کا شعور ملا ...... سنت کا جام طہور ملا ...... جذبہ مستور

ملا...... یہاں سے فیضیاب ہونے والوں نے۔

شرک کی جڑیں اکھاڑیں ...... کفر کے مراکز ختم کیے...... حق کا بول بالا کیا...... کفر کا منہ کالا کیا...... بت کدوں میں توحید کی شمعیں جلائیں...... کلیساؤں میں اذانیں سنائیں ...... رسالت کے علم لہرائے ...... صداقت کے سکے جمائے ...... عبادت کے نشے چڑھائے...... بطالت کے صنم گرائے۔

اسی نظام والوں نے دنیا کے بت کدوں میں لوگوں کو

توحید کا پیغام دیا...... وحدت کا جام دیا...... اسلام کا نام دیا...... دین کا نظام دیا...... شریعت کا انعام دیا۔

طریقت کا پروگرام دیا...... لوگوں کو جام توحید پلا کر سرمست بادۂ الست بنا دیا۔

اسی نظام خانقاہی نے

بندے کو مولیٰ کیا...... مولیٰ کو اولیٰ کیا...... خاکی کو افلاکی کیا...... پتھر کو گوہر کیا...... غلام کو امام کیا...... فرشی کو عرشی کیا...... حیوان کو انسان کیا...... انسان کو مسلمان کیا...... مسلمان کو صاحب عرفان کیا...... بھٹکے ہوؤں کیلئے سوئے حرم چلنے کا اہتمام کیا...... گم کردہ راہوں کو عرفان مولیٰ کا پتہ بتایا...... بیگانوں کو یگانہ کیا...... اغیار کو وفادار کیا...... رنگ و نسل کا فرق مٹایا...... آپس میں متفق و متحد بنایا...... فقیروں کو بادشاہ بنایا...... بادشاہوں کو فقیر بنایا

اسی نظام والوں نے دنیا والوں کو توحید کا ایسا نشہ چڑھایا کہ پینے والے پکار اٹھے

؎ مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھے مئے لا الہ الا ھو

لہٰذا

؎ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

بیعت کی شرعی حیثیت

لفظ بیعت قرآنی اصطلاح ہے۔ احادیث مبارکہ اور کتب تفاسیر و تصوف میں بھی کثرت کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے' جس سے بیعت کی شرعی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

پہلی آیت: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ...... الخ (الفتح ۱۰)

ترجمہ: بیشک جو لوگ آپ سے (اے محبوب ﷺ) بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اس آیت میں حدیبیہ کے مقام پر چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ جس کو "بیعت رضوان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آیت کریمہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (الفتح ۱۸) انہی حضرات کی شان میں اتری تھی۔

یہ آیت مبارکہ بیعت کے امر شرعی ہونے پر دلیل ہے۔

⊙ ...... اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یقول الفقیر ثبت بھذہ الایۃ سنۃ المبایعۃ واخذا لتلقین من المشائخ الکبار وھم الذین جعلھم اللہ قطب ارشاد بان اوصلھم الی التجلی العینی بعد التجلی العلمی (تفسیر روح البیان ۹/ ۲۱،۲۲)

یعنی فقیر کہتا ہے کہ اس آیت سے بیعت کی سنت اور مشائخ کبار سے اخذ فیض

کرنا ثابت ہوتا ہے، وہ مشائخ جنہیں اللہ تعالیٰ نے قطب ارشاد کے مقام پر فائز کیا ہے، وہ یوں کہ انہیں علمی تجلی سے ترقی دے کر عینی (مشاہدہ کی) تجلی تک پہنچا دیا ہے۔

o...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی بیعت کے مسنون ہونے پر اس آیت کو درج فرمایا ہے۔ (القول الجمیل ص ۱۴ مترجم)

مزید فرماتے ہیں:

اگرچہ زمانہ رسالت میں بیعت کتنے ہی امور کے واسطے تھی اور اب ایک مقصد میں منحصر ہے اور یہ امر اصل غرض کو مضر نہیں (ایضاً)

اس کے حاشیے میں ہے:

اگر تامل کیجئے تو یہ بیعت بھی کتنے امور کے لئے آ جمالاً ہوتی ہے اس لئے کہ پیر کے آگے توبہ گناہوں سے کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ احکام شرع شریف کے بجالاؤں گا، پس یہ بھی مشتمل ہوئی کتنے امور پر جو بحسب رسم کے بیعت کرنے اور ارادہ اڑے رہنے کا گناہوں پر ہے تو وہ البتہ بے فائدہ ہے کہ ایک امر کیلئے بھی نہ ہوئی پس حضرت مصنف کی وہی مراد ہے جو پہلے لکھی گئی۔

⊙ ...... حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے بھی اس آیت کو جواز بیعت کیلئے نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوا (ضرورت مرشد ص ۲۸)

دوسری آیت: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (المائدہ ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو۔

اس آیت میں وسیلہ سے ذات مرشد مراد ہے۔

⊙ جیسا کہ القول الجمیل ص ۳۹ مترجم میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

⊙ اسی طرح حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

واعلَم انَّ الا ية الكريمة صرّحت بِلا مربابتغاء الوسيلة ولابُدَّ منها البتّة فان الوصول الى الله تعالىٰ لايحصُلُ الا بِالوسيلة وهى علماء الحقيقة ومشائخ الطريقة (روح البیان ۲/۳۸۸)

ترجمہ: جان لے کہ اس آیت کریمہ نے اللہ کیطرف وسیلہ تلاش کرنے کی صراحت فرمائی ہے اور یہ امر بے حد ضروری ہے، کیونکہ وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے اور وسیلہ سے مراد علماء حقیقت اور مشائخ طریقت (پیران عظام) ہیں۔

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ قرب خداوندی کیلئے مرشد کا وسیلہ اور بیعت کا ذریعہ ومعاملہ ضروری ہے۔

تیسری آیت: یٰٓاَ یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ ۱۹۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

چوتھی آیت: یٰٓاَ یُّھَاالنَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّایُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَایَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ ولا یقتلن اولادھن ولایاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن الایہ (الممتحنہ ۱۲)

ترجمہ: یعنی اے نبی ﷺ جب آپ کے پاس مومنہ عورتیں ان شرطوں پر بیعت کیلئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی نہ اولاد کو قتل کریں گے، نہ بہتان گھڑیں گی، اور نہ نیکی کے کاموں میں آپ کی نافرمانی کریں گے تو آپ ان کو بیعت فرمالیں!۔

آیت مذکورہ سے مومنہ عورتوں کا بیعت میں داخل ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

احادیث مبارکہ

پہلی حدیث: عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللہ ﷺ وَحَوْلَہٗ عُصَابَۃٌ مِّنْ اَصْحَابِہٖ تَبَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّاتُشْرِ کُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ (بخاری ۲/۱۰۷۱)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔(جبکہ آپ کے گرد صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود تھی) کہ اے صحابہ! میری بیعت کرو اس امر پر کہ تم خدا کے ساتھ شرک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے۔

اس حدیث میں جہاد بالنفس کے لئے بیعت لینے کا ذکر ہے جو آج تک مشائخ کرام و پیران عظام کے سلاسل میں جاری ہے

دوسری حدیث: عَنْ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَکَ لِاُبَایِعَکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَہٗ قال فَقَبَضْتُ یَدَیْہِ الخ (مسلم ۱/۷۶)

ترجمہ: یعنی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پس میں نے عرض کی کہ اپنا دایاں ہاتھ مبارک کھولیں تا کہ میں آپ کی بیعت کروں پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ مبارک کھول دیا تو میں نے آپ کا ہاتھ مبارک (بیعت کے لئے) پکڑ لیا، اس شرط پر بیعت کی کہ میرے لئے بخشش طلب کی جائے، آپ نے فرمایا تو نہیں جانتا کہ اسلام، ہجرت اور حج پہلے گناہوں کو ختم کردیتے ہیں۔

یہ حدیث اعمال صالحہ پر بیعت کے مسنون ہونے کی وضاحت کررہی ہے۔

تیسری حدیث: غزوۂ خندق کے موقعہ پر جب حضور ﷺ نے انصار و مہاجرین کیلئے دعا فرمائی تو صحابہ نے عرض کی:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ﷺ (بخاری ۲/۵۷۷)

ترجمہ: یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی ہے۔

بیعت کے متعلق دیگر احادیث

حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ:

ہم نے رسول ﷺ سے مشکل اور آسانی، خوشی اور ناخوشی، خود پر ترجیح دیئے جانے کی صورت میں، سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی ہے اور اس بات پر بھی بیعت کی ہے کہ ہم کسی شخص سے اس کے اقتدار کے خلاف جنگ نہیں کریں گے، اور ہم جہاں کہیں ہوں گے حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (مسلم ۲/رقم الحدیث ۴۶۵۳)

⊙ ...... حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بایعت رسول اللہ ﷺ علی اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ و النصح لکل مسلم۔ (بخاری ۱/۱۴)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم رکھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

⊙ ...... حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

بایعنا النبی ﷺ واخذ علینا فیما اخذ ان الانوح (مسند احمد ۶/۴۰۸)

ہم (عورتوں) نے نبی کریم سے بیعت کی، تو جو آپ نے ہم سے وعدے لیئے ان میں یہ بھی تھا کہ ہم نوحہ نہ کریں۔

متعدد بار بیعت کرنا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بایعنی رسول اللہ ﷺ خمسا (مسند احمد ۵/۱۷۲)

رسول اللہ ﷺ نے مجھے پانچ بار بیعت فرمایا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بایعنا النبی ﷺ تحت الشجرۃ فقال لی یاسلمۃ الا تبایع قلت یارسول اللہ قد بایعت فی الاول قال وفی الثانی (بخاری ۲/۱۰۷۰، مسند احمد ۴/۵۴)

ہم نے درخت کے نیچے نبی کریم کی بیعت کی تو (ایک بار) آپ نے مجھے فرمایا: سلمہ! کیا تو نے بیعت نہیں کی؟ میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں بیعت کر چکا ہوں، آپ نے فرمایا دوبارہ کرلو!۔

عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جن مومن عورتوں نے ان شرائط کا اقرار کیا رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا **قد بایعتک کلاماً ولا واللہ مامست یدہ یدامراۃ قط فی المبایعۃ** (بخاری ۲ ۷۲۶)

میں نے تجھے کلام کے ساتھ بیعت کرلیا ہے، اور اللہ کی قسم! آپ کا ہاتھ مبارک عورتوں سے بیعت لیتے وقت کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔

⊙ آپ مزید فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں کو کلام کے ساتھ بیعت فرماتے۔ (بخاری ۲/۱۰۷۱، مسلم ۲)

نابالغ بچے کو بیعت کرنے کا طریقہ

چھوٹے بچے کو بیعت کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا کی جائے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن ہشام کو جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ تو آپ کی والدہ زینب بنت حمید نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ اسے بیعت فرمائیں...... تو آپ نے فرمایا یہ بچہ ہے

فمسح رأسه ودعا له (بخاری ۲/۱۰۷۰)

پھر آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔

اقسام بیعت

بیعت کی دو قسمیں ہیں: بیعت برکت، بیعت ارادت

بیعت برکت

یہ ہے کہ برکت حاصل کرنے کیلئے طریقت کے کسی بھی سلسلہ میں بیعت کرلی جائے۔ اس بیعت کیلئے بھی شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے، یہ بیعت بھی دنیا و آخرت میں بہت فائدہ دیتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے بھی انسان مقربین بارگاہ الٰہیہ سے وابستگی اختیار کرتا ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم (مسلم۲/۳۴۴)

وہ (اولیاء) ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں ہوتا۔

اس لئے ممکن ہے کہ بیعت تبرک کرنے والا حقیقی سالکوں میں شمار ہو، اور ان کی وابستگی اختیار کرنے کی برکت سے تو ہرگز محروم نہیں ہوگا، بلکہ ان پر نازل ہونے والی رحمتوں، برکتوں اور تجلیوں سے کچھ حصہ ضرور پالے گا جیسا کہ ننانوے قتل کرنے والے کو اولیاء کرام کیطرف صرف رخ کرنے کی بناء پر بخش دیا گیا۔

بیعت ارادت

یہ ہے کہ مرید اپنے ارادہ اختیار کو بالکل ترک کر کے خود کو شیخ کامل، مرشد برحق اور واصل باللہ کے سپرد کردے، اور راہ سلوک میں کوئی قدم بھی اس کی مرضی اور رہنمائی کے بغیر نہ رکھے، سلوک کی تمام مشکلات اور دشواریوں میں اس سے مدد چاہے،

اور خود کو اس کے سامنے یوں سمجھے جیسے مردہ بدست زندہ۔

یہی بیعت ارادت، سالکین وصالحین کا طریقہ، رسول اکرم ﷺ کا اسوہ اور وصول الی اللہ کا زینہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے متعدد بار یہی بیعت لی تھی اس بیعت کی عظمت وفضیلت اور دیگر ضروری مسائل درج بالا سطور میں گزر چکے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام سے مختلف قسم کی بیعتیں لیتے تھے۔

تارۃً علی الھجرۃ والجھاد و تارۃً علیٰ اِقامۃ اَرکان الْاسلام و تارۃ علی الثّبات والقرار فی معرکۃِ الکفار و تارۃ علی التمسُّک بِالسّنۃ وَالِاجْتناب عن البدعۃ والحرص علی الطاعات الخ (القول الجمیل ص ۱۵ مترجم)

ترجمہ: کبھی ہجرت اور جہاد پر، کبھی ارکان اسلام (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کی ادائیگی پر، کبھی معرکہ کفار میں ثبات وقرار پر اور کبھی سنت نبوی پر عمل کرنے، بدعت سے بچنے اور عبادات کیلئے حریص ہونے پر بیعت لیا کرتے تھے۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

اور جس (بات) میں شک وشبہ نہیں وہ یہ ہے کہ جب ثابت ہو رسول اللہ ﷺ سے کوئی فعل بطریق عبادت اور اہتمام کے، نہ بر سبیل عادت تو وہ فعل سنت دینی سے کمتر تو نہیں اور چونکہ بیعت لینا امور مذکورہ کا بطریقہ عبادت بکمال اہتمام تھا تو بیعت کے مسنون ہونے میں اب کچھ شک اور شبہ نہیں۔ (مترجم ص ۱۶)

حقیقت بیعت

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ

(التوبہ۱۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے۔

بیعت، بیع سے مشتق ہے، ایک چیز دے کر اس کے بدلے دوسری چیز لی جائے تو اس لین دین کو ''بیع'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ بندہ جب کسی پیر کامل، متبع سنت کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم علیہ التحیۃ والثناء کے احکام وفرامین کے تابع کر دینے کا عہد کر کے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور مغفرت حاصل کر لیتا ہے، تو یہی بیعت کی حقیقت ہے۔ جس طرح بیع وشراء (خرید وفروخت) کی تکمیل کے لئے صرف نیت کافی نہیں، بلکہ عمل کے ذریعے اس کا اظہار بھی ضروری ہے اسی طرح بیعت صرف زبانی اقرار یا قلبی نیت تک ہی محدود نہیں بلکہ عزم بالجزم کے ساتھ شریعت وطریقت کے آداب و شرائط کے اہتمام وعملی مظاہرے کو بیعت کہا جاتا ہے۔ وللہ الحمد

خلاصۃ المرام

قرآن وحدیث کی تصریحات بالا سے

- ...... بیعت کا سنت نبویہ ہونا ثابت ہوا
- ...... بیعت کرنے والوں کو مومنین کے لفظ سے یاد فرمایا گیا۔
- ...... بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی اور فتح ونصرت کی بشارت سنائی گئی۔
- ...... بیعت بخشش اور دعا کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

- بیعت تبلیغ اسلام کا ذریعہ اور شرک و گناہ سے بچنے کا وسیلہ ثابت ہوئی۔
- عورتوں کی بیعت کا مسئلہ بھی حل ہوا۔

تمام سلاسل طریقت (خصوصاً نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہا) کے بزرگان عظام نے بہ طریق بیعت ہی مخلوق خدا کو فیضیاب فرمایا۔ حضرت حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت سفیان ثوری نے حضرت امام ہاشم صوفی سے، حضرت امام اعظم نے حضرت امام جعفر صادق سے، حضرت ابو شافعی نے حضرت امام محمد سے، حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت بشر حافی سے، حضرت امام غزالی نے حضرت خواجہ بوعلی فارمدی سے، امام رازی نے حضرت خواجہ نجم الدین کبری سے، حضرت مولانا روم نے حضرت خواجہ شمس تبریز سے، مولانا جامی نے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے، حضرت علامہ شریف جرجانی نے خواجہ علاء الدین عطار سے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت امام ربانی نے حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی سے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے۔ وغیرہ ذالک آں دم تا ایں دم اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا آیا، اور طریقت وتصوف کی انہی سرگرمیوں کی بدولت دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے انوار جگمگانے لگے اور آج بھی اسلام کے برگ و بار کی نشو ونما اور روحانی اقدار کی بقاء وارتقاء کے لئے اولیاء کرام کی نگاہ فیض بار کی اشد ضرورت ہے، پیری، مریدی و بیعت، دکانداری یا ریاکاری کا نام نہیں بلکہ عہد خداوندی کی عملی فرمانبرداری کی شہادت و پاسداری کا نام ہے۔

جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

- اس طریق میں پیری مریدی طریقے کی تعلیم و تعلم پر موقوف ہے کلاہ و شجرہ پر موقوف نہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۲۲۱)

ضرورت مرشد

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (الاعلیٰ ۱۴)

یعنی تحقیق فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کرلیا۔

تزکیۂ نفس کی غرض حصول قرب خدا اور وصول الی اللہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچنا) ہے۔

اسلام کے تمام امور اور علوم وفنون کا مقصد خدا تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تمام امور مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہنچنے کے لئے ذرائع اور وسائل ہیں۔ مقصود صرف ذاتِ حق عزوجل ہے۔ قرآن نے ہمیں اسی مقام کی طرف دعوت دی ہے۔

اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا (النازعات ۴۴)

یعنی تیرا آخری مقام اللہ تعالیٰ تک رسائی ہے۔

بندہ طالب ہے اور اللہ مطلوب (مقصود) ہے۔ طالب اور مطلوب کے درمیان پیر کامل وسیلہ اور برزخ ہے۔ قرآن پاک میں پیر کامل کو وسیلہ بتایا گیا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (المائدہ ۳۵)

یعنی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے صرف منطقی اور عقلی استدلال کافی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات منطق اور عقل سے وراء الوراء ہے۔ اسلام عقلی دلائل سے زیادہ مشاہدہ اور یقین کی قوت سے حقیقت تک لے جانا چاہتا ہے۔ تاکہ انسان کے دل اور روح کے اندر وجود باری تعالیٰ کا کامل احساس بیدار ہوجائے۔ اور طالب ذات و صفاتِ حق میں فنا ہو کر معرفت اور رضا کے مقام تک پہنچ جائے۔ (ذالک الفوز العظیم)

ظاہر ہے کہ یہ راستہ کسی کامل رہبر یا مرشد کے بغیر طے نہیں ہوسکتا۔

اوصاف مرشد

جو عقائد اہلسنت کے مطابق شریعت کا عالم اور عامل ہو' متقی' زاہد اور آخرت کا راغب ہو' متبع سنت اور عاشق رسول (ﷺ) ہو' اس کا شجرۂ طریقت مربوط اور مسلسل ہو' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔ نیز صحبت کاملین سے بہرہ یاب ہو' سلوک باطنی طے کر چکا ہو' صاحب حضوری ہو' ترک ماسوی اللہ اور سیر الی اللہ کے راستوں سے واقف ہو۔

ایسے پیر کامل کی بیعت و صحبت کو اکسیر سمجھنا چاہیے۔

(ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

آداب طریقت

مرید کیسا ہونا چاہیے؟

جو اپنے آپ کو کسی دانائے راہ، مرد کامل کے حوالے کر دے اور اس کی پیروی اس طرح کرے جیسے "مردہ بدست زندہ"...... جیسا کہ کہا گیا ہے کہ

الطالبُ عند المرشدِ کالمیت بین یدی الغاسل

یعنی مرید اپنے پیر کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں۔

ضروری ہے کہ مرید اپنے پیر کی محبت میں دیوانہ ہو جائے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دریں راہ اندکے جنوں ہم درکار است

یعنی اس راہ (طریقت) میں تھوڑی سی دیوانگی بھی ضروری ہے

سچا مرید وہ ہے

جس کو خدا اور رسول کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنے پیر کے ساتھ ہو۔ جس کو پیر کی صحبت تمام تفکرات سے آزاد کردے، جس کو پیر کی ہر نقل و حرکت میں خوبی اور کمال نظر آئے اور اکثر اوقات تصور شیخ اور شغل رابطہ میں مصروف رہے۔ جس کو مرشد کی کسی غلطی پر بدظنی یا بداعتقادی کا شائبہ تک پیدا نہ ہو بلکہ مرشد سے پوچھ کر صورت حال سے آگاہی حاصل کرے۔

مرید کو چاہیے

کہ اپنے پیر سے سوائے محبت خداوندی اور رضائے الٰہی کے کوئی دنیاوی غرض نہ رکھے۔ اپنی تمام خواہشیں اور ارادے پیر کی خواہش اور مرضی کے تابع کردے۔ صوفیاء فرماتے ہیں: **المرید لایرید الا اللہ** یعنی مرید وہ ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کے سوا کسی شے کی خواہش نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کیلئے صرف اپنے پیر کو ہی کامل وسیلہ جانے اور دوسرے کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

ایک دن شہنشاہ اولیاء حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد برحق حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وقدم بوسی کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت خضر علیہ السلام ملے۔ انہوں نے محبت آمیز لہجے میں کئی مرتبہ پکارا۔ ''بہاؤ الدین کہاں جاتے ہو ذرا ٹھہرو میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں'' لیکن حضرت شاہ نقشبند نہ ٹھہرے اور اپنے شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت خواجہ امیر کلال نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ بہاؤ الدین آج راستے میں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام ملے مگر تم نے ان کی طرف توجہ نہ کی؟ آپ نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کی۔

حضور! جس کو آپ جیسا خضر (پیر کامل) مل چکا ہو اور جو آپ کے چہرہ پرانوار کی زیارت سے فیضیاب ہو چکا ہو اس کو کسی دوسرے خضر سے کیا کام! سبحان اللہ اس کا نام ہے مریدی اور ارادت۔ (اللھم ارزقنا ایاہ) (ماخوذ از مقالات ابوالبیان)

پیر اور مرید کا باہمی رشتہ

حضرت داؤد علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ سے حکم ملا کہ

اذا رائیت لی طالبًا فکن لہ' خادمًا (رسائل نقشبندیہ)

یعنی جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔

معلوم ہوا کہ پیر اور مرید کا باہمی رشتہ خادم اور مخدوم کا ہے۔ کیونکہ آج تک خدمت خلق کے بغیر کوئی انسان مسند ارشاد تک نہیں پہنچا۔ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" جو خادم بنتا ہے وُہی مخدوم ہونے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ پیر اپنے مریدوں کی خدمت باعث سعادت سمجھتا ہے اور مرید بھی پیر کی خدمت کو وسیلۂ قرب جانتا ہے۔

سلطنت در دین ما خدمت گری است
عدل فاروقی و فقر حیدری است
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

معروف صوفی بزرگ حضرت اسماعیل اتا رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کو مرید بناتے تو ارشاد فرماتے آج سے میں اور تو دونوں برادر طریقت (پیر بھائی) ہو گئے ہیں۔

حضرت شاہ نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ حضرت اسماعیل اتا کے اس قول سے مجھے توحید کی عجیب خوشبو آتی ہے۔ (سبحان اللہ)

یاران طریقت (پیر بھائیوں) کا باہمی رشتہ

قرآنی حکم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات) کے مطابق ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ظاہر ہے کہ ایمان پر استقامت علم باطنی ،لدنی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور باطنی علوم کے طالب ہی آپس میں حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ایمانی روحانی رشتہ میں منسلک ہونے والے یاران طریقت یا پیر بھائی بننے کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ عشق حقیقی کی لذت سے آشنا کر کے دو کو ایک بنا کر آپس میں رشتۂ اخوت ومحبت کو فروغ دیتا ہے۔

بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ
شمشیر حق بیں کہ دو کس را یکے کند

خود سرور عالم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کو عقدِ مواخات کے رشتے میں پرو کر پیر بھائی بنا دیا تھا۔پیر بھائیوں کا یہ سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہوا اور حکم خداوندی رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح) کے مطابق صحابہ کرام کے درمیان آپس میں پیار اور محبت کا تعلق ہمیشہ مضبوطی سے قائم رہا۔

پیر بھائیوں کا یہ باہمی رشتہ محبت مادرزاد (سگے) بھائیوں سے زیادہ اہم اور مضبوط ہے۔کیونکہ سگے بھائیوں کا آپس میں جسمانی رشتہ ہے اور پیر بھائیوں کا آپس میں روحانی رشتہ ہے۔جسم فنا ہونے والا ہے،اور روح باقی رہنے والی ہے۔لہذا پیر بھائیوں کا تعلق قیامت کے دن بھی قائم رہے گا۔اور یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِھِمْ (بنی اسرائیل) کے مطابق اپنے شیخ طریقت کے نام پر پکارے جائیں گے۔ اور اسی کے جھنڈے کے سائے میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ لواء الحمد کے تلے جمع ہو جائیں گے۔(والحمدللہ علیٰ ذلک)

مشائخ نے فرمایا کہ مرید دو بار پیدا ہوتا ہے۔ ایک بار اپنی ماں کے پیٹ سے (جسمانی جنم لے کر) اور دوسری بار اپنے پیر کے سینے سے (روحانی جنم لے کر) روحانی بھائیوں کا رشتۂ الفت جسمانی بھائیوں کے رشتے سے زیادہ اہم اور مفید مطلب ہوتا ہے۔ ان کا رشتہ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (الزخرف) کے مطابق قیامت کے دن بھی نہ ٹوٹے گا۔ کیونکہ ان کا تعلق تقوے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پیر بھائی کسی وجہ سے ناراض ہو گیا تھا آپ نے مصالحت کے لئے خود ابتدا فرمائی اور ایک مکتوب شریف میں تحریر فرمایا کہ:

نسبت ہم پیر گی نہ از آں قبیل است کہ گسستہ می شود
یعنی پیر بھائی ہونے کی نسبت کبھی نہ ٹوٹنے والی ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر بھائیوں کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے لئے ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ "اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِیَّ" یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ پھر آواز آئے گی "اَیْنَ الْمُتَجَالِسُوْنَ فِیَّ" یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو میری رضا کیلئے مل جل کر بیٹھا کرتے تھے۔ پھر فرمایا جائے گا "اَیْنَ الْمُتَزَاوِرُوْنَ فِیَّ" کہاں ہیں وہ لوگ جو میری خوشنودی کے لئے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان سب کو بلا کر بخشش اور نجات کی نوید سنائی جائے گی۔ (ماخوذ از مقالات ابوالبیان)

تبدیل بیعت یا تجدید بیعت کا حکم

شیخ اور مرشد کی پہچان کے لئے شریعت معیار ہے، اگر پیر احکام شرع اور معمولات نبویہ پر کاربند ہے تو اس صورت میں تبدیل بیعت ممنوع اور ناجائز ہے، اور اگر

خدانخواستہ وہ پیرومرشد ہونے کا دعویدار حرام اور خلاف شرع کا مرتکب ہے، تو ایسے شخص کی بیعت اول تو ہوگی ہی نہیں اور اگر بعد از بیعت اس نے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے تو بیعت توڑ دینی واجب ہے۔

لیکن تجدید بیعت یہ ہے کہ اپنے شیخ سے منحرف ہوئے بغیر کسی دوسرے سلسلے کے شیخ یا اپنے ہی سلسلہ کے کسی دوسرے مرشد کی بیعت کر سکتا ہے یا بیعت کئے بغیر ان کی صحبت اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن مرکز توجہ اور وسیلہ فیض اپنے اصل مرشد کو ہی یقین کرے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک استاد سے شاگردی کی نسبت توڑے بغیر کسی دوسرے شخص سے بھی اسباق پڑھ لینا۔

یا کسی حفظ قرآن کے طالب علم کا اپنے سابق استاد کی وفات کے بعد کسی دوسرے ماہر استاد سے تکمیل کرنا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسری جگہ دیکھے تو اس کیلئے جائز ہے کہ پیر اول کے انکار کے بغیر دوسرا پیر اختیار کرے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کے جائز ہونے کے بارے میں علمائے بخارا کے فتوے کو درست قرار دیا ہے ہاں اگر کسی پیر سے خرقہ ارادت حاصل ہوگیا ہے تو دوسرے پیر سے خرقہ ارادت نہ لے، اور اگر لے تو اس کو خرقہ تبرک تصور کرے۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ دوسرا پیر ہرگز اختیار نہ کرے بلکہ روا ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے حاصل کرے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے سے رکھے اور اگر یہ تینوں نعمتیں کسی ایک ہی (پیر) سے حاصل ہو جائیں تو زہے قسمت، اور یہ جائز ہے کہ متعدد مشائخ کی تعلیم اور صحبت سے استفادہ کرے۔

⊙ ...... جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے اور یہ معنی تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہیں، کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا بھی استاد ہے

اور طریقت کا بھی رہنما ہے بخلاف پیر خرقہ کے۔ لہذا پیر تعلیم کے آداب کی رعایت کو بہت زیادہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے، اور پیر کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے۔ اور اس طریق میں نفس امارہ کے ساتھ ریاضات ومجاہدات کرنا احکام شرعیہ کی بجا آوری اور سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی کا التزام کرنے میں ہے، کیونکہ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفس امارہ کی خواہشات کو ختم کرنا ہے جو اپنے مولا جل سلطانہ کی دشمنی پر قائم ہے لہذا نفسانی خواہشوں کا دور کرنا احکام شرعیہ کی بجا آوری پر وابستہ ہوا۔ (دفتر اول مکتوب ۲۲۱)

o...... جاننا چاہئے کہ اصل مقصود حق سبحانہ ہے اور پیر، حق تعالیٰ کی جناب قدس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے، اگر طالب، ہدایت کسی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اسکی صحبت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاطر جمع پائے تو جائز ہے کہ طالب پیر کی زندگی ہی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شخص کے پاس جائے اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے۔

لیکن چاہئے کہ پیر اول کا بھی انکار نہ کرے اور اس کو نیکی کے ساتھ یاد رکھے، اس زمانے میں خصوصاً پیری ومریدی محض رسم وعادت کے طور پر رہ گئی ہے جبکہ اس وقت اکثر پیروں کو اپنی ہی خبر نہیں ہے اور ایمان وکفر میں امتیاز تک نہیں کر سکتے تو پھر وہ خدائے جل شانہ سے متعلق کیا خبر دیں گے اور مرید کو کونسا راستہ دکھائیں گے۔

آگہ از خویشتن چونیست جنین
کے خبردار داز چناں و چنین

جب وہ خود ہی خبر نہیں رکھتے دوسروں کو وہ کیا بتائیں گے۔

ایسے مرید پر افسوس ہے کہ اس طرح کے ناقص پیر پر اعتماد کر کے بیٹھ جائے اور کسی دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے اور خداوند جل شانہ کا راستہ معلوم نہ کرے یہ

شیطانی خطرات ہیں جو ناقص پیر کی زندگی کی راہ سے آکر طالب کو حق سبحانہ سے ہٹائے رکھتے ہیں، جس جگہ بھی ہدایت اور دلجمعی پائے بلاتوقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔ (دفتر دوم مکتوب ۶۴)

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی قادری لکھتے ہیں:

⊙ ...... تبدیل بیعت بلاوجہ شرعی ممنوع ہے اور تجدید جائز بلکہ مستحب ہے۔ (ملفوظات ۱/۱۴)

⊙ ...... اگر پہلے میں کچھ نقصان ہو تو بیعت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں، البتہ تجدید بیعت کر سکتا ہے۔ (ملفوظات ۲/۶۵)

⊙ ...... زمانۂ نبوی میں تجدید بیعت کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

خود حضور اقدس ﷺ نے سلمہ بن اکوع سے ایک جلسہ میں تین بار بیعت کی، جہاد کو جارہے تھے، پہلی بار فرمایا سلمہ نے بیعت کی، تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ نے فرمایا سلمہ تم بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی حضور! ابھی کر چکا ہوں فرمایا وایضاً...... پھر بھی۔ انہوں نے پھر بیعت کی۔ اخیر میں جب سب حضرات بیعت سے فارغ ہوئے، پھر ارشاد ہوا سلمہ! تم بیعت نہ کرو گے، عرض کی یارسول اللہ ﷺ دوبار بیعت کر چکا، فرمایا وایضاً...... پھر بھی۔ عرض ایک جلسہ میں سلمہ سے تین بار بیعت کی۔ (ملفوظات ۲، ۴۲)

یہ واقعہ مسلم ۲/۱۱۳ میں موجود ہے۔

واضح رہے کہ طالب کو اولاً اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ آیا وہ پیر اول کے بتائے ہوئے اسباق کو پابندی کے ساتھ ادا کر رہا ہے یا نہیں، اگر پابندی کے باوجود اپنے اندر کوئی انقلاب محسوس نہیں کرتا تو پھر دوسرے پیر کو اختیار کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ پیر اول پر کوئی اعتراض یا طعن روا نہ رکھے، بلکہ بدستور اسی طرح اسکا ادب واحترام بجا لائے علاوہ ازیں اگر طالب احکام شرعیہ کی بجا آوری اور سنت مبارکہ کی پیروی پر ثابت قدم اور تسکین قلبی محسوس کرتا ہے تو بھی اس کا مقصود حاصل ہے۔

کسی دوسری طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ طالب اپنے اعتقاد کو درست رکھے، غیر شرعی اور احکام قرآن وسنت کے تارک پیر کی بیعت اول تو ہوتی نہیں ہے، ثانیاً اگر کوئی ایسے شخص کو پیر بنالے تو اس کی بیعت توڑنی واجب ہے، ثالثاً جب کسی متبع شریعت، کامل اور مکمل پیر کی بیعت کرے اور اسے اس کی کامل صحبت اور تربیت بھی حاصل ہو، اب اس کے لئے تو بلاوجہ کسی دوسری جانب دیکھنا بھی جرم ہے۔ کیونکہ اس سے ذہنی افتراق اور قلبی انتشار کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور سلوک کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

حضور کا کامل وارث کون ہے؟

اللہ رب العزت نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ اپنے آخری نبی، ارفع و اعلیٰ رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس شان کا حامل بنا کر مبعوث فرمایا کہ

یزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ (آل عمران ۱۶۴)

آپ انہیں پاک فرماتے ہیں اور کتاب وسنت کا علم عنائت فرماتے ہیں۔ یعنی آپ تزکیہ نفوس کے علاوہ کتاب اور حکمت کی تعلیم بھی دیتے ہیں یعنی علم دین بھی پڑھاتے ہیں...... گویا آپ نے دو شعبے عنائت فرمائے ہیں:...... تزکیہ ء نفوس...... اور تعلیم دین

اب آپ کا کامل نائب اور اصل وارث وہی ہوگا جو تزکیہ نفس کا بھی حامل ہوا اور علم دین کا بھی ماہر۔

احادیث مبارکہ میں جابجا اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام کی وراثت درہم و دینار، دکان اور مکان، کوئی بنگلہ اور کار نہیں ہوتی بلکہ وہ نفوس مقدسہ علم دین کو بطور وراثت چھوڑتے ہیں، لہذا علم دین کے حامل لوگ ہی آپ کے اصل

وارث ہیں جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھما انما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر

(بخاری ۱/۱۶، ابوداؤد ۲/۱۵۷، ابن ماجہ ص ۲۰ واللفظ لہ، مشکوۃ ص ۳۴، ترمذی ۲/۹۳)

بے شک انبیاء کے وارث علماء ہیں اور انبیاء کرام درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں جس نے علم حاصل کرلیا اس نے بڑی دولت حاصل کرلی۔

یہ حقیقت ہے کہ رضائے خداوندی اور محبت نبوی کے ساتھ جو لوگ علم حاصل کرتے ہیں انہیں تزکیہء نفس کیلئے کوئی رہبر و رہنما مل ہی جاتا ہے جس کی بدولت وہ معرفت خداوندی کا جام نوش کرجاتے ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ حقیقت سے ناواقف لوگ اور علم دین سے دامن کش حضرات غلط پراپیگنڈہ کرتے ہیں...... وہ سمجھتے ہیں کہ علم دین اور ولایت دو متضاد چیزیں ہیں...... مولویت اور اللہ کی معرفت کبھی جمع نہیں ہوسکتیں...... حالانکہ:

ع ایں خیال است و محال است و جنون

علم دین، علم نافع اللہ کا نور ہے جہاں نور خداوندی ہو وہاں ولایت ہوتی ہے تو کسی عارف باللہ، متقی، پرہیزگار اور عامل کتاب وسنت سے علم دین حاصل کرنیوالا ہی اصل میں خدا کی معرفت اور ولایت کا حقدار ہوتا ہے۔

علم اور علماء کی فضیلت

قرآن مجید میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

⊙ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (الزمر ۹)

فرمادیجئے کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت (المجادلہ ۱۱)

جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا اللہ ان کے درجے بلند فرماتا ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر ۲۸)

اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرنے والے صرف علماء ہی ہیں۔

کیونکہ علم ہی ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے بندے پر اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور بڑائی و کبریائی کے نئے نئے جلوے رونما ہوتے ہیں، جو اسے عین الیقین اور پھر حق الیقین کی منزل پہ فائز کرتے ہیں...... جہاں پہنچ کر اسے اپنے رحیم اور کریم مولیٰ کی معرفت نصیب ہوجاتی ہے اور خشیت الٰہی سے دل معمور ہو جاتا ہے...... اسلامی نقطہ نظر سے علم کی حقیقت کیا ہے؟...... درج بالا آیت کی تفسیر میں چند اقوال ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

لیس العلم عن کثرۃ الحدیث لکن العلم عن کثرۃ الخشیۃ

زیادہ باتیں جاننا علم نہیں بلکہ کثرت سے خشیت الٰہی کا حاصل ہونا علم ہے۔

⊙ ...... حضرت امام مالک فرماتے ہیں:

ان العلم لیس بکثرۃ الروایۃ وانما العلم نور یجعلہ اللہ فی القلب

کثرت روایت کا نام علم نہیں، بلکہ علم ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے۔

⊙ ...... حضرت امام مجاہد فرماتے ہیں:

انما العالم من خشی اللہ عزوجل

عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

ان آیات وروایات سے معلوم ہوا کہ صرف علماء کو ہی یہ مقام حاصل ہے کہ وہ خشیت الٰہی کے حامل ہوتے ہیں...... اگر کسی عالم کو خوف الٰہی کی دولت نصیب نہ ہو تو وہ حقیقی عالم نہیں ...... اللہ تعالیٰ صاحب ایمان، متقی پرہیزگار علماء کے درجات بلند فرماتا ہے۔

احادیث مبارکہ

علم دین اور علماء کی فضیلت پر چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له به طریقا الی الجنة وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله ویتدارسونه بینهم الانزلت علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة وحفتهم الملائکة وذکرهم الله فیمن عنده (مسلم ۲/۳۴۵، ترمذی ۲/۸۹، مشکوٰۃ ۳۲)

یعنی جس نے طلب علم کیلئے سفر کیا اللہ اس (کی برکت سے اس) پر جنت کا راستہ آسان کردے گا۔ جو قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن سیکھنے اور سکھانے کیلئے جمع ہو تو ان پر سکون اترتا ہے، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیرے میں لے لیتے ہیں اور خدا انہیں اس جماعت میں یاد کرتا ہے جو اس کے پاس ہے۔

دیکھیں علم دین پڑھنے، پڑھانے والوں کو کتنے انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے

⊙ ...... مزید فرمایا:

خیرکم من تعلم القرآن وعلمه (بخاری ۲/۷۵۲، مشکوٰۃ ص ۱۸۳، ترمذی ۲/۱۱۴)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

ان العالم یستغفر لہ من فی السموات ومن فی الارض والحیتان فی جوف الماء (ترمذی ۲/۹۳، ابن ماجہ ص ۲۰، ابوداؤد ۲/۱۷۵، مشکوٰۃ ۳۴)

بے شک عالم کیلئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور پانی کے اندر مچھلیاں بھی۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

تدارس العلم ساعۃ من اللیل خیر من احیا ئھا (دارمی، مشکوٰۃ ص ۳۶)

رات میں ایک گھڑی علم سیکھنا، سکھانا ساری رات عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر!

لان تغدو فتعلم اٰیۃ من کتاب اللہ خیر لک من ان تصلی مائۃ رکعۃ ولان تغدو فتعلم بابامن العلم عمل بہ اولم یعمل خیر من ان تصلی الف رکعۃ (ابن ماجہ ص ۲۰)

اگر تو قرآن کی ایک آیت سیکھے تو تیرے کیلئے سو رکعت پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تو علم کا ایک باب سیکھے تو عمل کرے یا نہ کرے وہ تیرے لئے ہزار رکعت سے بہتر ہے۔

عالم اور عابد میں فرق

عالم اور عابد میں فرق جاننے کیلئے درج ذیل روایات ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... ایک بار حضور اکرم ﷺ کسی حجرہ مبارکہ سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا مسجد میں دو حلقے (دو گروہ) ہیں...... ایک جماعت قرآن پڑھ رہی تھی اور اللہ

سے دعا مانگ رہی تھی...... جبکہ دوسرے لوگ علم سیکھتے، سکھارہے تھے۔

فقال النبی ﷺ کل علی خیر هوء لاء یقرون القرآن ویدعون الله فان شآء اعطاهم وان شاء منعهم وهولاء یتعلمون ویعلمون وانما بعثت معلما فجلس معهم (ابن ماجہ ۲۱ دارمی، مشکوۃ ص ۳۶)

تو آپ نے فرمایا دونوں بہتر ہیں، یہ تلاوت قرآن اور اللہ سے دعا مانگ میں مصروف ہیں وہ چاہے تو انہیں دے دے ورنہ روک لے، اور یہ سیکھ اور سکھا رہے ہیں اور میں بھی معلم اور سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں...... تو آپ ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

معلوم ہوا عبادت گذار بھی اپنے مقام پر بہتر ہیں لیکن علم پڑھنے اور پڑھانے والوں کا درجہ ان سے بلند ہے۔

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلة البدر علی سائر الکواکب (ترمذی ۲/۹۳، ابن ماجہ ص ۲۰، ابوداؤد ۲/ ۱۵۷، مشکوۃ ۳۴)

عالم کو عبادت گزار پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی چودھویں کے چاند کو تمام ستاروں پر۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (ترمذی ۲/۹۳، ابن ماجہ ص ۲۰ مشکوۃ ۳۴)

ایک دین کا ماہر شیطان پر سو عبادت گزاروں سے زیادہ بھاری ہے۔

⊙ ...... بارگاہ رسالت میں عرض کیا گیا بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے ایک عالم تھا جو فرض نماز پڑھتا، پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم دین سکھاتا اور دوسرا دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا تھا۔ دونوں سے کونسا افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

فضل هذا لعالم الذی یصلی المکتوبة ثم یجلس فیعلم الناس

الخیر علی العابد الذی یصوم النھارویقوم اللیل کفضلی علیٰ ادناکم

(داری، مشکوٰۃ ص ۳۶)

وہ عالم جو فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو علم دین سکھاتا اسے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا اتنی فضیلت اور برتری حاصل ہے جتنی مجھے تمہارے سب سے ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔

عالم کو عابد پر فضیلت اس لئے حاصل ہے کہ عابد صرف عبادت، نوافل، روزہ اور شب بیداری میں رہتا ہے جبکہ عالم فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اللہ کے دین کی تبلیغ کرتا ہے، اپنا اور دوسروں کا ایمان بچاتا ہے اور علم دین پڑھتے، پڑھاتے اس پر سکون اترتا ہے، رحمت ڈھانپ لیتی ہے فرشتے بھی گھیر لیتے ہیں اور اسے نوافل کا ثواب بھی ملتا رہتا ہے وغیرہ ذلک من العنایات......

نوٹ: اس گفتگو سے ہمارا قطعاً یہ مقصد نہیں کہ عالم خواہ بدمذہب، خلاف شرع اور تقویٰ وطہارت سے عاری ہو تو بھی اسے یہ مقام ومرتبہ حاصل ہے...... یا اگر کسی آدمی کو پابند سنت وشریعت، تہجد گزار شب زندہ دار، خوف الٰہی اور عشق نبوی سے سرشار، صحیح العقیدہ، باجازت بزرگ میسر ہو تو اسے اس کی بیعت اختیار نہیں کرنی چاہئے معاذ اللہ ...... حاشا وکلا ...... ہرگز نہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر ایک طرف عبادت گزار اور تہجد گزار ہو اور دوسری طرف علم دین سے آراستہ، تقویٰ وورع سے پیراستہ، بزرگ ہو تو افضل واعلیٰ یہ ہے کہ عابد کی بجائے عالم کی بیعت کی جائے۔ کیونکہ عابد پر عالم کو کئی گنا فضیلت اور برتری حاصل ہے...... ھذا ما عندی والعلم عنداللہ. وھو اعلم بحقیقۃ الحال

جاہلوں کی مذمت

جاہل صوفیہ اور ناخواندہ پیروں نے اپنی دکان چمکانے اور عوام الناس کو اپنا گرویدہ بنانے کیلئے علم دشمنی کا مکروہ دھندا بھی شروع کر رکھا ہے...... اگر کوئی صاحب ان کے کسی قول یا فعل کی مخالفت کرے تو بڑی سادگی سے کہہ دیں گے، او جی مولویوں کو کیا پتہ، ان کا کام تو بس فتوے لگانا ہے...... یہ معرفت کی باتیں ہیں، مولوی لوگ زاہد خشک ہوتے ہیں، ان کی رسائی یہاں تک نہیں ہو سکتی......

بعض بے علم پیر تو بسا اوقات مستی میں آ کر اپنے مریدوں سے یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کہہ دیا ہے، بس وہی درست ہے یعنی

ع مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اب مریدوں کو بھی حضرت کے فرمان کے بعد کسی متبحر عالم سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ...... کیونکہ انہیں ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ سب کچھ ''حضرت صاحب'' کے ہی پاس ہے...... اگر ان کے بات میں شک وشبہ کیا تو دونوں جہاں تباہ ہو جائیں گے...... لہٰذا مرید اسی ''فرمان'' پر پختہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ قرآن وحدیث اور اکابرین اسلام کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اسے اتنا شعور تک نہیں ہوتا کہ صاحبان علم کے مقابلے میں ''اس ان پڑھ'' آدمی کی کیا حیثیت ہے...... یہ خیال تو انہیں تب آئے، جب وہ پیر صاحب کو ''ناخواندہ'' تسلیم کرلے...... مریدوں کو تو یہ سمجھا دیا جاتا ہے کہ ''حضرت صاحب'' کے پاس تو علم لدنی ہے...... انہیں باطنی علم سے نوازا گیا ہے...... لہٰذا اب وہ شریعت کے ظاہری علم سے بے نیاز ہیں، اور بات بھی سننے میں آتی ہے کہ شریعت اور ہے، طریقت اور ہے...... مولوی اور صوفی کا کوئی جوڑ نہیں ......

حالانکہ یہ سوچ سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے...... کیونکہ شریعت اور طریقت

جدا جدا نہیں ہیں اور بلکہ طریقت، شریعت کی خادم ہے۔

⊙ ...... امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

شریعت کی بال برابر مخالفت میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۵۹)

شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے۔ (دفتر دوم مکتوب ۵۰)

شریعت کے خلاف ہوا نے بے دینی کی دلیل اور الحاد کی علامت ہے۔

(دفتر اول مکتوب ۲۸۰)

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۴۳)

طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۴۰، ۱۵۱، ۲۶۰)

ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ، جس کو حقیقت اور اس حقیقت کی طریقت ہے نہ یہ کہ شریعت کوئی اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت کوئی اور چیز، کیونکہ یہ (طریقت اور شریعت کو الگ الگ قرار دینا) الحاد و زندقہ (بے دینی) ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۵۷)

⊙ ...... اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک۔ جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا ہے...... ولہذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے اگر شریعت کے مطابق ہوں، حق و مقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول۔

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے

ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سناسیوں کو ہوتے ہیں، پھر کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نار جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔

شریع منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں، زیادت چاہنے، افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھکر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں تک زیادہ ترقی کرتی ہے۔ جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے تو ابلیس لعین خیرخواہ بن کر آتا اور اس سے کہتا ہے: اطفی المصباح فقد اشرق الاصباح

چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہوگئی۔

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت، لہٰذا حدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون

بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔

رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ

امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

اے عزیز شریعت عمارت ہے۔ اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی پھر اعمال ظاہری وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے اور جب تعمیر اوپر بڑھکر آسمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی اور نہ صرف نیو بلکہ اعلیٰ حصہ اسفل حصے کا بھی محتاج ہے۔ اگر دیوار نیچے سے خالی کردی جائے اوپر سے گر پڑے گی۔

اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔ منہ میں لگام ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے۔ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا

وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں

ہم اوپر قرآن عظیم سے ثابت کر آئے کہ شریعت کے سوا اللہ تک راہیں بند ہیں جب حضور اقدس ﷺ نے عمر بھر اسی کیطرف بلایا اور یہی راستہ ہمارے لئے چھوڑا تو اس کا حامل اس کا خادم اس کا حامی اس کا عالم کیوں کر ان کا وارث نہ ہوگا۔ ہم پوچھتے ہیں حضور نے شریعت کی دعوت دی اگر بالفرض شریعت صرف فرض واجب سنت مستحب حلال حرام ہی کے علم کا نام ہو تو یہ علم رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ یا ان کے

غیر سے اگر اسلام کا دعویٰ رکھتا ہے تو ضرور کہے گا کہ حضور ہی سے ہے پھر اس کا عالم حضور کا وارث نہ ہوا تو اور کس کا ہوگا۔ علم ان کا ترکہ پھر اس کے پانے والا ان کا وارث نہ ہو، اس کے کیا معنی۔ اگر کہے کہ یہ علم تو ضرور ان کا ہے مگر دوسرا حصہ یعنی علم باطن اس نے نہ پایا لہذا وارث نہ ٹھہرا۔ تو کیا وارث کے لئے یہ ضروری ہے کہ مورث کا کل مال پائے یوں تو عالم میں کوئی عالم کوئی ولی کوئی صدیق ان کا وارث نہ ٹھہرے گا اور ارشاد اقدس ان العلماء ورثة الانبياء معاذ اللہ غلط بن کر محال ہو جائے گا کہ ان کا علم تو کسی کو مل ہی نہیں سکتا۔

کیا ترکہ مورث سے تھوڑا حصہ پانے والا وارث نہیں ہوتا جسے ملا ان کے علم میں سے تھوڑا ہی ملا ہے ...... شریعت و طریقت دوراہیں ہیں نہ اولیاء کبھی غیر علماء ہو سکتے ہیں۔ علامہ مناوی شرح جامع صغیر پھر عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

علم الباطن لايعرفه الامن عرف علم الظاهر

علم باطن نہ جانے گا مگر وہ جو علم ظاہر جانتا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مااتخذالله وليا جاهلاقط

اللہ نے کبھی کسی جاہل کو اپنی ولی نہ بنایا یعنی بنانا چاہا تو پہلے اسے علم دے دیا اس کے بعد ولی کیا جو علم ظاہر نہیں رکھتا علم باطن کہ اسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے کیوں کر پا سکتا ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اذقرء الرجل القرآن واحتشے من احاديث رسول الله فكانت هنا و غيره كان خليفة من اخلفاء الانبياء ورواه الامام الواقعي فے تاريخه عن الجاامامة رضى الله تعالىٰ عنه

جب آدمی قرآن مجید پڑھ لے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں جی بھر کر حاصل کرے اور اس کے ساتھ طبیعت سلیقہ دار رکھتا ہو۔ تو وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نائبوں سے ایک ہے۔

دیکھو حدیث نے وارث تو وارث خلیفۃ الانبیاء ہونے کے لئے صرف تین شرطیں مقرر فرمائیں قرآن و حدیث جانے اور ان کی سمجھ رکھتا ہو خلیفہ و وارث میں فرق ظاہر ہے آدمی کی تمام اولاد اس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ سئل ابن مبارک من الناس فقال العلماء یعنی ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ جو حدیث وفقہ و معرفت و ولایت سب میں امام اجل ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ ناس یعنی آدمی کون ہیں۔ فرمایا علماء۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو عالم نہ ہو امام ابن المبارک نے اسے آدمی نہ گنا، اس لئے کہ انسان اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہے۔ انسان اس سبب سے انسان ہے جس کے باعث اس کا شرف ہے اور اس کا مشرف جسمانی طاقت سے نہیں کہ اونٹ اس سے زیادہ طاقت ور ہے، نہ بڑے جثہ کے سبب کہ ہاتھی کا جثہ اس سے بڑا ہے۔ نہ بہادری کے باعث کہ شیر اس سے زیادہ بہادر ہے۔ نہ خوراک کی وجہ سے کہ بیل کا پیٹ اس سے بڑا ہے۔ نہ جماع کی غرض سے کہ چڑوتا جو سب میں ذلیل چڑیا ہے۔ اس سے زیادہ جفتی کی قوت رکھتا ہے۔ آدمی تو صرف علم کیلئے بنایا گیا اور اسی سے اس کا شرف ہے۔ انتہی

(ماخوذ از شریعت اور طریقت)

معلوم ہوا شریعت اور طریقت کو سمجھنے کیلئے علم کی ضرورت ہے...... جو لوگ علم

سے کورے اور جہالت کی اندھیر نگری میں ہوں، وہ ان حقائق کو کیا جانیں۔

⊙ ...... جاہل پیر، علم دشمنی میں اس قدر مستغرق ہیں کہ شریعت اور علم کے نور سے دور رہنے کیلئے انہوں نے اپنے مریدوں کو یہ شعر رٹوا دیا ہے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے

علموں بس کریں اویار
اکو الف تیرے درکار

حالانکہ انہیں علم ہونا چاہئے کہ یہ بھی تو بزرگوں کا ہی فرمان ہے

ع علموں باجھ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہو

اور حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے تو یہاں تک فرمایا دیا ہے

؎ چوں شمع از پئے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

علم کیلئے شمع کی طرح پگھلنا چاہئے، کیونکہ جاہل آدمی خدا کو نہیں پہچان سکتا

اور یہی بات قرآن نے فرمائی ہے

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر ۲۷)

کہ اللہ سے ڈرنے والے صرف اہل علم ہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس کو خدا کی خوشنودی اور ناراضگی کی باتوں کا علم ہی نہیں، وہ اس سے ڈر بھی کیا سکتا ہے۔ خدا کی ناراضگی سے ڈرنے اور اس کے عذاب سے بچنے کیلئے شریعت کا علم ہونا ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ گذشتہ زمانوں میں بھی ''پیر طریقت'' اسی کو کہا جاتا تھا جو ''رہبر شریعت'' ہوتا تھا...... پیر طریقت، رہبر شریعت، کا جملہ آج کا ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ بہت پہلے کا ہے...... اب جس آدمی کے پاس شریعت کا علم ہی نہیں ہو

گا، وہ شریعت کا رہبر اور طریقت کا پیر کس طرح بن سکتا ہے...... شاید اسی موقع کیلئے کہا گیا ہے کہ

؎ جبکہ اندھے ہیں خود پیرو مرشد
رہبری کیا کریں گے اندھے گھرانے والے

علم کی مخالفت میں مذکورہ شعر پیش کرنے والوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہیں کہ اس شعر میں یہ کب کہا گیا ہے کہ انسان کو جاہل اور بے علم رہنا چاہیے...... اس میں تو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ باقی علوم کو چھوڑ کر صرف ایک ''الف'' کا علم ہی پڑھنا چاہیے۔

اب سمجھ لیں کہ ''الف'' سے کونسا علم مراد ہے ''الف'' لفظ اللہ کا پہلا حرف ہے، جس کا اشارہ ذات خداوندی کی طرف ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے دوست صرف وہ علم پڑھ جو تجھے خدا تعالیٰ کی ذات تک پہنچا دے اور وہ علم صرف قرآن وحدیث اور فقہ یعنی شریعت کا علم ہے جس کو حاصل کرنے سے موجودہ رسمی پیروں نے مکمل طور پر پرہیز کر رکھا ہے، خود بھی گمراہ ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں...... شاید علم شریعت کی مخالفت کا ہی انہیں یہ صلہ دیا گیا ہے کہ اکثر ''پیروں'' کے ''صاحبزادے'' دنیوی علوم سے تو آراستہ ہوتے ہیں، لیکن علم دین اور اسلامی تعلیم سے ان کا دامن یکسر خالی ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں شریعت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

⊙ ...... حقیقت شریعت کو جاننے کے لئے یہاں پر سراج العارفین، سعید الاولیاء، شارح مکتوبات امام ربانی حضرت ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز کا ایک پرمغز مقالہ ''شریعت کے اجزائے سہ گانہ (علم، عمل اور اخلاص) کا ایک

اقتباس ملاحظہ ہو!

ارشاد ربانی ہے:

لکل جعلنا منکم شرعة ومنها جا (المائدہ)

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت (واضح راستہ) اور ایک منہاج (لائحہ عمل وطریق کار) بنادیا ہے۔

شریعت سے مراد ایسا کامل نظام زندگی ہے جو حیات انسانیہ کے ہر شعبے پر غالب ونافذ ہو۔ انسانی پیدائش کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان، شریعت کے مطابق عمل کر کے اللہ کی رضا ومعرفت حاصل کر سکے۔ حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فخلقت الخلق لاعرف

ترجمہ: میں نے مخلوق کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اسی حقیقت کو قیوم زمانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریفہ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

شریعت راسہ جزو است، علم وعمل واخلاص، تا ایں ہرسہ جزو متحقق نشوند، شریعت متحقق نشود وچوں شریعت متحقق شد، رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ حاصل گشت کہ فوق جمیع سعادات دنیویہ واخرویہ است ورضوان من اللہ اکبر (دفتر اول مکتوب ۳۶)

ترجمہ: شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہوگئی تو گویا رب تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوگئی' جو دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کی

رضامندی، سب سے بڑھ کر ہے۔

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ شریعت تین چیزوں کا نام ہے علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تین چیزیں حاصل نہ ہوں، شریعت حاصل نہیں ہوسکتی اور جب تک شریعت حاصل نہ ہو، رضا و معرفت کا حصول ناممکن ہے اور رضا کا مقام ہی سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم شریعت کے موضوع پر کچھ عرض کرتے ہیں۔

شریعت کی جامعیت واہمیت

دین اسلام کی جامعیت وصداقت کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس نے نوع انسانی کو ایسی شریعت عطا کی ہے، جو بیک وقت انسانی زندگی کے تمام ظاہری و باطنی پہلوؤں کو محیط ہے۔ یہ وہ چشمۂ صافی ہے جس سے ہر وقت ہر فرد مکمل طور پر سیراب و شاداب ہوسکتا ہے اور یہی وہ نظام زندگی ہے جو ہر دور کے ہر چیلنج کا شافی وکافی جواب ہے۔ انسان کی نجات اور خلاصی کا راستہ، اعتقادی اور عملی طور پر شریعت کی متابعت میں ہے۔ استاد اور پیر کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے تاکہ وہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں۔

شریعت، حضور پرنور سید عالم ﷺ کے اقوال وافعال کا نام ہے یعنی وہ احکام ظاہری جو اجسام ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی برکات قلب اور روح کو بھی منور کردیتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم شریعت ہی تمام علوم کا اصل وماخذ ہے اور یہ علم بذریعہ وحی ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں کوئی قصور یا فتور ممکن نہیں اور یہی نوع انسانی کیلئے خدا کی

آخری حجت ہے، جس کے بعد انسانیت کے لئے ہدایت کا دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

بقول اقبال

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کی تعلیم یہ ہے کہ علوم طریقت وحقیقت، علم شریعت کے خادم ہیں۔ طریقت اور حقیقت کے حاصل کرنے سے مقصود، شریعت کی تکمیل ہے۔ احوال ومواجید اور علوم ومعارف، اسرار ولطائف جو صوفیائے کرام کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں، وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ اوہام و خیالات ہیں جن سے طریقت کے اطفال کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان سب سے گذر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیے جو مقام جذبہ وسلوک کی نہایت ہے۔

چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

فردائے قیامت از شریعت خواہند پرسید، از تصوف نہ خواہند پرسید، دخول جنت وتجنب از نار وابستہ باتیان شریعت است، انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیمات علیہم کہ بہترین کائنات اند، بشرائع دعوت کردہ اند، ومدار نجات بر آں ماندہ و مقصود از بعثت ازیں اکابر تبلیغ شرائع است۔ (دفتر اول مکتوب ۴۸)

ترجمہ: کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھا جائے گا، تصوف کی بابت نہیں، کیونکہ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجا لانے پر منحصر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے جو تمام مخلوقات سے بہتر ہیں شریعتوں کی طرف ہی دعوت دی ہے۔

نیز ایک مکتوب میں آپ نے مزید فرمایا:

"کہ شریعت راصورتے است و حقیقتے، صورتش آنست کہ علماء ظواہر ببیان آں متکفّل اند وحقیقتش آں کہ صوفیاء علیہ بآں ممتاز اند" (دفتر اوّل مکتوب ۱۷۲)

ترجمہ: شریعت کیلئے ایک ظاہری صورت ہے جسکو علمائے ظاہر بیان کرنے کے ذمہ دار ہیں اوراس کی باطنی حقیقت وہ ہے جس سے صوفیائے کرام ممتاز ہین۔

حضرت ملا حسن کشمیری نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مکتوب تحریر کیا جس میں شیخ عبدالکبیر یمنی کے ایک قول کے بابت سوال تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ "اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں" (معاذ اللہ تعالیٰ) آپؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوما فقیررا تاب استماع ایں سخناں اصلاً نیست بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت می آید وفرصت تاویل وتوجیہ آں نمیدہد، قائل آں سخناں شیخ کبیریمنی باشد یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام درکاراست، نہ کلام محی الدین عربی وصدرالدین قونوی وعبد الرزاق کاشی، مارابہ نص کاراست نہ بہ فص، فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است (دفتر اول مکتوب ۱۰۰)

ترجمہ: میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں۔ بے اختیار میری فاروقی رگ جوش میں آجاتی ہے اوراس میں تاویل وتوجیہہ کی طرف فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، مگر ہم کو تو محمد عربی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کا شی کی کلام۔ ہم کونص سے کام ہے نہ کہ فص سے۔ فتوحات مدینہ (شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات) نے ہم کو فتوحات مکیہ (حضرت ابن عربی کی ایک کتاب کا نام ہے) سے لاپرواہ کردیا ہے۔

ایک مقام پر آپ نے فرمایا کہ علمائے ظاہر (اہلسنت) کے درست عقائد کا جمال، صوفیاء کے مجاہدات سے بڑھ کر ہے۔ ملاحظہ ہو:

علمائے ظاہر اہلسنت وجماعت ہر چند در بعضے اعمال مقصِر باشند اما جمال درستی عقائد ایں ہا درذات وصفات آں قدر نورانیت دارد کہ آں تقصیر در جنب آں مضمحل ونا چیز درنظر می در آید...... الخ (دفتر اول مکتوب ۸)

ترجمہ: اہلسنت کے علماء ظاہر، اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں۔ لیکن ذات وصفات الٰہی میں ان کی درستی عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ ان علماء کی کوتاہی وکمی اس کے مقابلے میں ہیچ وناچیز دکھائی دیتی ہے اور بعض صوفی باوجود ریاضتوں اور مجاہدوں کے چونکہ ذات وصفات میں اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے، وہ جمال ان میں نہیں پایا جاتا۔

عقائد کی درستگی کے بغیر شریعت کا علم مفید نہیں

حضرت امام ربانی اپنے ایک مکتوب میں عقائد کی درستگی پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پس تا صحیح عقائد نہ نمایند، علم باحکام شرعیہ فائدہ

نمیدہد تاایں ہردو متحقق نشوند عمل نافع نیاید وتاایں ہر سہ میسر نگردند حصول تصفیہ وتزکیہ محال است۔ (دفتر اول مکتوب ۱۵۷)

ترجمہ: جب تک (اہلسنت وجماعت کے مطابق) عقائد درست نہ ہوں، احکام شرعیہ کا علم، کچھ فائدہ نہیں دیتا اور جب تک دونوں متحقق نہ ہوں اعمال وافعال نفع نہیں دیتے۔ پھر جب تک یہ تینوں (علم، عمل، عقیدہ) حاصل نہ ہوں، نفس کا تصفیہ وتزکیہ حاصل ہونا محال ہے۔

آپ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اہلسنت و جماعت کے عقائد پر یقین رکھنا لازمی ہے اور اس عقیدہ کے مخالفین، ہرگز خدا کے قرب اور معرفت کی لذت حاصل نہیں کر سکتے۔

علم سے مراد علم شریعت ہے

علم کا معنی ہے دانش، یعنی کسی چیز کو یقین اور ظہور کے ساتھ جاننا علم کہلاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ سب سے افضل ترین علم، معرفت الٰہیہ کا علم ہے اور معرفت کا علم، شریعت پر موقوف ہے اور علم شریعت، کتاب وسنت کا تفصیلی علم ہے۔

قرآن حکیم میں علم والوں کی فضیلت

والذین اوتوا العلم درجات (مجادلہ)

ترجمہ: علم والوں کے لئے کئی درجے ہیں۔

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (زمر)

ترجمہ: فرما دیجئے کیا برابر ہیں علم والے اور بے علم لوگ؟

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کے بندے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔

حدیث پاک میں علم والوں کی فضیلت

العلماء ورثۃ الانبیاء (ابن ماجہ)

ترجمہ: علم والے انبیاء کے وارث ہیں۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علٰی سائر الکواکب

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کا چاند تمام ستاروں پر فوقیت وفضیلت رکھتا ہے۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ترجمہ: ایک دین کی سمجھ رکھنے والا (عالم) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

علماء کی اقسام

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علماء تین قسم کے ہیں

۱...... جنہوں نے علم سے خود تو زندگی حاصل کی، مگر دنیا کو ان سے زندگی نہ ملی۔

۲...... جن کے علم سے دوسروں نے تو زندگی پائی مگر وہ خود زندگی نہ پاسکے۔

۳...... جنہوں نے اپنے علم سے خود بھی زندگی پائی اور مخلوق نے بھی ان کے علم سے زندگی پالی۔

علم کی اقسام

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علم دوقسم است،علمی است که مقصود ازاں عمل است که علم فقه متکفل آنست وعلمی است که مقصود ازاں مجرد اعتقاد ویقین قلبی است که در علم کلام به تفصیل ذکر یافته ، بمقتضائے آرائے صائبہ اہلسنت وجماعت که فرقه ناجیه اند ونجات بے اتباع ایں بزرگواراں متصور نیست واگر سرمومخالفت است خطر در خطراست ۔ایں سخن بکشف صحیح والہام صریح نیز به یقین پیوسته است احتمال تخلف ندارد۔ (دفتر اول حصہ دوم مکتوب ۵۹)

ترجمہ: علم دوقسم پر ہے۔ایک وہ علم جس سے مقصود عمل ہے، جس کا متکفل علم فقہ ہے۔ دوسرا وہ علم ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین ہے جو علم کلام میں مفصل مذکور ہے اور فرقہ ناجیہ (نجات پانے والے) اہلسنت و جماعت کے قیاس صحیح اور عقیدے کے موافق ہے۔نجات ان بزرگواروں کی اتباع کے بغیر محال ہے اور اگر بال بھر بھی مخالفت ہے تو کمالِ خطرہ ہے۔یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر حاصل ہو چکی ہے اس میں کچھ اختلاف نہیں۔

ثابت ہوا کہ علم فقہ اور علم عقائد کی تفصیلات کو جاننے اور ماننے کے بغیر حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور یہی وہ علم ہے جو قرآن اور حدیث کا خلاصہ ہے اور جس کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں۔اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

لیکن یہ علم اس وقت مفید اور نافع ہوگا جب علماء اہلسنت و جماعت کے عقائد اور مسلمہ اصولوں کی روشنی میں حاصل کیا جائے گا۔امام ربانی کو یہ بات کشف اور الہام

کے ذریعے بتائی گئی ہے۔اہلسنت کے خلاف جتنے گروہ اور فرقے ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔اہلسنت کے بزرگوں کی تابعداری کے بغیر نجات محال ہے۔

عمل کے بغیر علم بے سود ہے

عمل، مسلسل کوشش اور محنت کا نام ہے۔علم حاصل کر لینے کے بعد اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔اگر عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ سخت مجرم ہے اور اس کا عذاب سب سے زیادہ عذاب ہے اور وہ علمائے سوء کے زمرے میں آتا ہے۔

قرآن پاک میں بے عمل علماء کی مذمت

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا (الجمعہ)

ترجمہ: جن لوگوں کو تورات کا علم دیا گیا ہے پھر ان لوگوں نے اس پر صحیح عمل نہیں کیا تو ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو اپنے اوپر کتابوں کا بوجھ لادے ہوئے ہے۔

✿...... جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے ان کے متعلق فرمایا۔

کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون (المومن)

ترجمہ: بڑی بیزاری ہے اللہ کے نزدیک کہ کہو تم وہ بات جو خود نہ کرو۔

حدیث میں بے عمل علماء کی مذمت

من طلب علما مما ینبغی بہ وجہ اللہ تعالٰی یصیب عرضا من الدنیا لم یجد رائحۃ الجنۃ یوم القیامۃ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: جو شخص طلب کرے ایک علم ان علوم میں سے کہ جن سے خدا کی رضا مطلوب

ہو لیکن اس کی غرض دنیا کا مال ہو تو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی بو بھی نہ پا سکے گا۔

نیز سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

مررت لیلۃ اسرٰی بی باقوام کان تقرض شفاھم بمقاریض من نار فقلت من انتم قالو اکنا نامر بالخیر ولا ناتیہ وننھی عن الشر وناتیہ (ابوداؤد)

ترجمہ: معراج کی رات میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جاتے ہیں تو میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم وہ ہیں جو دوسروں کو نیکی کے لئے کہتے تھے مگر خود نیکی نہ کرتے تھے اور بدی سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن خود بدی کرتے تھے۔

بے عمل علماء امام ربانی کی نظر میں

جس دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تجدید اسلام کا کام شروع فرمایا تھا وہ بے عمل علماء اور خام صوفیاء کا دور تھا۔ اگرچہ چند علماء اور صوفیائے حق پرست اس زمانے میں بھی موجود تھے، ان کی کوششیں لائق تحسین تو تھیں لیکن حالات پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

حضرت امام ربانی نے لاہور کے گورنر شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں فرمایا۔

درقرن ماضی ہر بلائی کہ برسر آمد از شومئی ایں جماعت بود پادشاہاں را ایشاں از راہ می برند ہفتاد ودوملت کہ راہ ضلالت اختیار کردہ اند مقتدایان ایں ہا علماء سوء بودند غیراز علماء ہر کہ بضلالت رفت کم است کہ

ضلالت اوبدیگرے تعدی کند واکثر جہلائے صوفی نمائے ایں زمانہ حکم علماء سوء دراند فساد ایں ہا نیز فساد متعدی است۔ (دفتر اول مکتوب ۴۷)

ترجمہ: گذشتہ زمانہ (اکبری دور) میں اسلام کے سر پر جو بلا آئی وہ علماء سوء کی بدبختی کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو راہ راست سے انہوں نے ہی بہکایا۔ بہتر فرقے جنہوں نے گمراہی کا رستہ اختیار کیا انکے مقتداء (پیشوا) یہی برے علماء ہیں۔ علماء کے سوا ایسے لوگ بہت کم ہیں جو گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر لوگوں تک پہنچا ہو۔ اس زمانہ کے اکثر جاہل صوفی جو برے علماء کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے۔

موصوف کے نام ایک دوسرے خط میں آپ نے اسی حقیقت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ہم چنانکہ خلاصئی خلائق وابستہ بوجود علماء است، خسران عالم نیز باایشاں مربوط است، بہترین علماء بہترین عالم است وبد ترین ایشاں بدترین خلائق ہدایت واضلال راباایشاں مربوط ساختہ اند، عزیزے ابلیس لعین رادید کہ فارغ وبیکار نشستہ است، سر آنراپرسید گفت علماء ایں وقت کارما میکنند ودراغواء واضلال کافی اند۔ (دفتر اول مکتوب ۵۳)

ترجمہ: جس طرح مخلوق کی نجات، علماء کے وجود سے وابستہ ہے۔ اسی طرح اس کی بربادی کا سبب بھی یہی علماء ہیں۔ علماء میں سے بہتر عالم، تمام انسانوں سے بہتر ہے

اور علماء میں سے براعالم، تمام انسانوں سے برا ہے کیونکہ تمام جہان کی گمراہی وہدایت انہی پر موقوف ہے۔ کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہے۔ اس کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماء میری جگہ کام کر رہے ہیں، لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کے لئے وہی کافی ہیں۔

اکبر بادشاہ کی گمراہی کا سبب علماء سوء تھے

یہ حقیقت محتاج تعارف نہیں کہ اکبر بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی گمراہی اور اسلام سے بدظنی میں سب سے زیادہ حصہ بے عمل علماء کا ہے جن میں ملا مبارک ناگوری (المتوفی ۱۰۱۱ھ) اور اس کے فرزند ابوالفضل (المقتول ۱۰۱۱ھ) اور فیضی (۱۰۱۴ھ) سرفہرست ہیں۔ ان لوگوں نے تقلید سے انکار کیا، خود محقق ہونے کے مدعی ہوئے، خود بھی گم کردہ منزل ہوئے اور بادشاہ اور اس کے مصاحبوں کو بھی گمراہ کیا۔ یہ ایک ایسی اذیت ناک داستان ہے جو مسلمانوں کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ یہ وہ علماء تھے جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ ایسے نازک دور میں ایک ہی مرد مجاہد میدان میں نکلا جس نے سوز صدیقی، غیرت فاروقی، حیاء عثمانی اور فقر حیدری کی یاد تازہ کردی اور گمراہی اور بے دینی کے بپھرے ہوئے سیلاب کے سامنے ایسا بند باندھا کہ حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوگیا۔ یہ وہی باکردار اور پاکیزہ شخصیت ہے جس کو دنیا امام ربانی، مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ آپ نے یہ کام عالی شان کوٹھیوں میں بیٹھ کر، فاخرہ لباس پہن کر، مرغن غذائیں کھا کر نہیں کیا بلکہ الفقر فخری کا تاج پہن کر...... ٹوٹی پھوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر...... نان جویں کھا کر...... فتوحات مدینہ کو اپنا سامان بنا کر......

نہایت بے سروسامانی کے عالم میں محض رضائے الٰہی کے لئے یہ فریضہ انجام دیا تھا۔

ہند میں اسلام زندہ تیری کوشش سے ہوا
ہم ہیں ممنون کرم، احسان ترا سرکار ہے

امام ربانی کی تعلیمات کو مدنظر رکھ کر موجودہ دور کے علماء وصوفیاء کو بھی اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ہمارا شمار علماء حق میں ہے یا علماء سوء میں (فالی اللہ المشتکیٰ)

کاش! اس دور کے علماء اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے وارثان نبوت ہونے کا حق ادا کریں اور اپنے علمی، عملی اور روحانی پروگراموں پر نظر ثانی کر کے اعلاء کلمة الحق کے لئے میدان عمل میں آجائیں۔ مگر ہائے افسوس ؂

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تاتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس، العلماء الغافلين وقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين . (کشف المحجوب ص ۲۷)

ترجمہ: تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱...... غافل (بے عمل) علماء سے۔

۲...... خوشامدی قاریوں سے۔

۳...... جاہل صوفیوں (پیروں) سے۔

آج کل کے جاہل صوفی اور ناقص پیر اپنی جہالت کی وجہ سے شریعت کا مرتبہ طریقت ومعرفت سے کم بتاتے ہیں حالانکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں۔

الطریقة والمعرفة کلاھما وزیران لشّریعة

ترجمہ: طریقت اور معرفت دونوں شریعت کے وزیر ہیں۔

خیال رہے کہ طریقت سے مقصود تو صرف شریعت پر عمل کو آسان بنانا ہے۔
جب شریعت پر عمل کرنا انسان کا ملکہ بن جائے تو اسی کو طریقت کا کمال کہتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عملت فی المجاھدة ثلاثین سنة فما وجدت شیئا اشد من العلم ومتا بعتہٖ (کشف المحجوب ص ۲۸)

ترجمہ: میں نے تیس برس مجاہدہ کیا پس کوئی چیز اپنے لئے اس سے بہتر نہ پائی کہ علم حاصل کر کے اس پر عمل کیا جائے۔(ماخوذ از مقالات ابوالبیان)

بغیر علم کے وعظ اور تبلیغ کرنا حرام ہے

وعظ، تقریر اور تبلیغ دین کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا علماء دین کا منصب ہے اور علم دین کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱...... عربی لغت، صرف اور نحو کا عالم ہونا کہ عربی عبارت بغیر اعراب کے صحیح پڑھ سکے اور قرآن مجید اور احادیث کا صحیح ترجمہ کر سکے۔

۲...... قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ، نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کی سیرت اور فقہ کا عالم ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو۔

۳...... مسلک حق اہل سنت و جماعت کے عقائد اور ان کے دلائل کا عالم اور باطل فرقوں کے رد کی کامل مہارت رکھتا ہو۔

۴...... پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن، سنت، علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر بغیر کسی کی مدد کے نکال سکتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (العنکبوت ۴۳)

یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں، ان کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ کرنا، ان سے مسائل کا استنباط کرنا اور ان کی باریکیوں اور اسرار کو سمجھنا مذکور الصدر علوم کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کو عالم فرمایا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر علم کے قرآن مجید میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا

عرض...... کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے؟

ارشاد...... غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔

عرض...... عالم کی کیا تعریف ہے؟

ارشاد...... عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔

(الملفوظ ۱/۸ مطبوعہ لاہور)

کتاب سے مراد تفسیر، حدیث اور فقہ کی عربی کتابیں ہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت نے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ عنقریب فتاوی رضویہ سے بیان کیا جائے گا۔

نیز اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں، شیطان اپنی باگ ڈور پر لگالیتا ہے، حدیث میں ارشاد ہوا بغیر فقہ کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ (الملفوظ ۳/ ۲۹، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

نیز اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ بے علم واعظ کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر وحدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ، بر سر بازار و مسجد وغیرہ بطور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کر کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار، والعیاذباللہ العزیز الغفار والحدیث رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ا،۱۰/ ۱۸۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ اگر بے

علم اپنے آپ کو مولوی کہلوائے (آج کل تو بے علم، ناخواندہ، اور بے سند یافتہ اپنے آپ کو علامہ کہلواتے ہیں) اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کرے اس کا کیا حکم ہے تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ ومخالف حکم قرآن عظیم ہے قال اللہ تعالیٰ هو اعلم بكم اذا نشاكم من الارض واذا نتم اجنة فی بطون امهتكم فلا تزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقى اللہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اوس نے تمہیں زمین سے اوٹھان دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے۔ اور فرماتا ہے:

الم تر الى الذين يزكون انفسهم بل الله يزكى من يشاء کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھرا بتاتے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا ہے جسے چاہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال انا عالم فهو جاهل جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ عنهما بسند حسن، ہاں اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ناواقف اور یہ اس سچی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں ہدایت پائیں اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تھا انی حفیظ علیم پھر یہ بھی سچے عالموں کے لئے ہے۔

زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عزوجل لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا ويحبون ان يحمدوا بمالم يفعلوا فلا تحسبنهم

بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم

ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لئے دکھ کی مار ہے معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول یفرحون باضلالھم الناس وبنسبة الناس ایاھم الی العلم ولیسوا باھل العلم خوش ہوتے ہیں، لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن کی تفسیر ہوگی یا نبی ﷺ کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القرآن بغیر عم فلیتبوا مقعدہ من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما احادیث میں اسے صحیح وغلط وثابت وموضوع کی تمیز نہ ہوگی اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرماتے ہیں ﷺ افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الائمة احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کریں

رواہ ابن عساکر عن امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ یونہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کرسکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۰/ ۹۶، ۹۵ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز بے علم کے فتویٰ دینے اور علماء کی توہین کرنے والے کے متعلق لکھتے ہیں:

الجواب: سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہوگا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرات حرام ہے حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہو تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا اولٰئک لاخلاق لھم فی الاخرة ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیمة ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم

ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں ثلثة لایستخف بحقھم الا منافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبة فی الاسلام وامام مقسط تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر جو منافق ہو عالم اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور سلطان اسلام عادل، تحصیل زر کیلئے علماء و مسلمین پر بیجا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات، قاضی

مذکور جیسے امام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام وناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ۲۔۱۰/۳۰۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بے علم کے وعظ کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الجواب: اگر عالم ہے تو اس کا یہ منصب ہے اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ بیعت کی شرائط کے متعلق فرماتے ہیں:

بیعت اس شخص سے کرنا چاہیے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔ اول سنی صحیح العقیدہ ہو، ثانیاً کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔ ثالثاً اس کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک متصل ہو کہیں منقطع نہ ہو، رابعاً فاسق معلن نہ ہو۔ (الملفوظ ص ۵۲۳، مطبوعہ نوری کتب لاہور)

اتباع سنت کی اہمیت

دور حاضر میں خلاف شرع پیروں کی بھرمار ہے، سنت کے تارک اور نفسانی خواہشات کے پیروکاروں کی کثرت ہے...... جادو ٹونہ، موکلات وجنات و چلہ جات کے بل بوتے پر لوگوں کو مسخر کرنے والوں کی کمی نہیں ......لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید یہی "کرنی والا" پیر ہے، اگر کوئی شخص انہیں حقیقت سے آگاہ کرے اور پیر و مرشد کے اوصاف بتائے کہ پیر تو وہ ہوسکتا ہے جو شریعت وسنت کا پیکر ہو، مخالف شریعت اور تارک سنت اور تو سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن پیر اور ولی نہیں ہوسکتا، تو یہ سادہ لوح حضرات یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ "او جی" یہ مولوی لوگ ہیں، انہیں کیا پتہ ولی کون ہوتا ہے، بس تنقید کرنا ان کا کام ہے درحقیقت مولوی اور پیر کا کوئی جوڑ نہیں،

شریعت اور چیز ہے طریقت اور شئی ہے"...... یہ جملے دین سے بے خبر لوگوں سے بھی سننے میں آتے ہیں اور خلاف شرع پیر بھی اسی جملہ کا ورد کر کے اپنے مریدوں کو بچاتے اور اپنی دکان چمکاتے ہیں...... حالانکہ یہ بالکل غیر اسلامی سوچ ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور...... کیونکہ شریعت بھی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے اور طریقت بھی کتاب وسنت سے مستنبط ...... یہ دونوں کوئی متضاد چیزیں نہیں بلکہ طریقت راستہ ہے اور شریعت منزل، طریقت، شریعت کی خادم ہے، طریقت تو صرف اسلئے ضروری ہے کہ اس کے ذریعے شریعت پر عمل آسان ہو جائے...... شریعت کو چھوڑ کر طریقت کا کوئی تصور نہیں...... لہذا جو حضرات شریعت کا انکار کرنے والے ہیں وہ عباد الشیطان ضرور ہیں اولیاء الرحمٰن نہیں...... کیونکہ خدا کی رضا و خوشنودی اور بارگاہ ربوبیت میں باریابی کا صرف ایک ہی طریقہ ہے "اتباع شریعت وسنت"۔ جیسا کہ درج ذیل دلائل سے واضح ہے۔

آیات قرآنی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیراً (الاحزاب ۲۱)

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (یہ نمونہ اس کیلئے ہے) جو اللہ تعالیٰ (سے ملنے) اور قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔

یعنی رسول اکرم کی مبارک زندگی صرف ان خوش بختوں اور نصیبہ وروں کیلئے نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات، روز محشر دوبارہ اٹھنے پر یقین رکھتا ہے اور دن رات

ذکر خداوندی میں مگن رہتا ہے...... وہی اسی اسوۂ کاملہ سے مستفیض و مستفید ہو سکتا ہے۔دوسرا نہیں

⊙ ...... مزید ارشاد فرمایا:

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھو واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب (الحشر ۷)

اور رسول کریم جو تمہیں عنائت فرمائیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈور، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

یعنی رسول مکرم کی مبارک زندگی کو کسی ایک شعبہء حیات کیلئے مقتدا اور پیشوا نہ مانو ......صرف دینی امور میں ہی آپ کی بات پر عمل ضروری نہیں .... بلکہ دینی، دنیوی اور اخروی تمام شعبہ جات میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی اور اطاعت لازمی ہے...... کسی بھی امر میں آپ کی مخالفت کرنے سے قبل یہ چیز ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے...... اس کے عذاب سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہر عمل میں حضور اکرم ﷺ کے اوامر و نواہی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے......

⊙ ...... مزید فرمایا:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ (النساء ۶۴)

اور ہم نے رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کے حکم سے کی جاتی ہے ذاتی سوچ و بچار سے نہیں۔ اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت اصل میں اللہ کی اطاعت ہے۔

⊙ ...... جیسا کہ فرمایا:

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (النساء ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

معلوم ہوا کہ اللہ کا مطیع وتابعدار وہی ہے جو رسول اکرم کا اطاعت گزار وفرمانبردار ہو......لاکھ کوئی دعویٰ کرتا پھرے کہ میرا اللہ سے بڑا پیار ہے...... میں اللہ کا بڑا مقرب ہوں ...... میں ہر وقت خدا کی یاد میں رہتا ہوں ...... میں اللہ کا اطاعت شعار ہوں......غلط ہے، کوئی اللہ کا تابعدار نہیں بن سکتا جب تک اللہ کے رسول ﷺ کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ کو اپنے لئے مشعل راہ نہ بنالے......

⊙ ...... اسی بات کو واضح لفظوں سے ایک اور مقام پر بیان فرمایا:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم واللّٰہ غفور رحیم ٥ قل اطیعوا اللّٰہ والرسول فان تولو فان اللّٰہ لایحب الکافرین (آل عمران ۳۲،۳۱)

فرمادیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے پیروی کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے......فرمادیجئے! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

یعنی اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ کے محبوب ﷺ سے پیار کرو، آپ کی پیروی کرو کیونکہ آپ کی پیروی کرنا اس دعوے کی دلیل ہے اور اصول یہ ہے کہ دعویٰ بغیر دلیل کے مردود ہوتا ہے......اگر تم نے دل وجان سے اطاعت رسول کو اپنا شعار بنایا......ان کی پیروی کو اپنایا......اپنی سیرت کو محبوب کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھال لیا تو نہ صرف یہ کہ تمہارے دعوائے محبتِ الٰہی کو درست تسلیم کرلیا جائے گا بلکہ تمہیں محبوب خدا ہونے کا شرف بھی بخشا جائے گا اور تمہارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت ومغفرت کے صاف اور شفاف پانی سے صاف کردیا جائے گا......اور اگر کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت سے اعراض کیا تو وہ بگوش

ہوش سن لے! کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اندازہ فرمائیں! کہ آیت کے آخر میں اطاعت رسول اور اتباع محبوب سے منہ پھیرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کن تہدید آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے۔

اللہ اور رسول اللہ کی محبت کا دعویٰ کر کے ان کی تعلیمات وفرمودات کو پس پشت ڈالنے والے اور اطاعت سے روگردانی کرنے والے اس پر غور فرمائیں!

دیگر آیات بینات میں دوٹوک واضح فرمایا ہے کہ مطیع رسول اور عامل سنت مصطفیٰ ہی کامیاب وکامران اور دارین کی برکات کا حامل ہے جبکہ آپ کا نافرمان، آپ کی سنت مبارکہ کا مخالف، سیرت طیبہ سے اعراض کرنے والا دونوں جہاں میں خائب وخاسر اور ذلیل وخوار ہے...... ملاحظہ ہو!

⊙ ...... ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما (الاحزاب ۷۱)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی

⊙ ...... ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا (الاحزاب ۳۶)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ سخت گمراہ ہوگیا

احادیث مبارکہ

مرکز نبوت وولایت، سرچشمہ رشد وہدایت، شافع روز جزا، تاجدار انبیاء حضور اکرم ﷺ نے بھی احادیث مبارکہ میں جابجا سنت کی پیروی اور سیرت طیبہ کی بجا آوری کی اہمیت وضرورت کو اجاگر فرمایا ہے...... چند احادیث ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ وخیر الھدی ھدی محمد

(بخاری ۲/۱۰۸۰، واللفظ لہ مشکوۃ ص ۲۷)

بہترین بات اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے اور بہترین سیرت محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی سیرت ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

کل امتی یدخلون الجنۃ الامن ابیٰ قالوا ومن یابیٰ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابیٰ (بخاری ۲/۱۰۸۱، مشکوٰۃ ص ۲۷)

میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جس نے انکار کیا، عرض کیا گیا (حضور!) انکار کس نے کیا؟ فرمایا جس نے میری اطاعت وفرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔

⊙ ...... ایک مرتبہ فرشتوں کی ایک جماعت حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئی آپ اس وقت محو آرام تھے فرشتوں نے کہا ان کی مثال اس (کریم) آدمی کی طرح ہے جو ایک گھر بنوائے، اس میں وسیع کھانے کا انتظام کرے اور ایک دعوت دینے والے کو بھیجے...... تو جس نے بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہا وہ اس گھر میں داخل ہوگا اور کھانا بھی کھائے گا...... اور جس نے دعوت دینے والے کو لبیک نہ کہا وہ گھر میں داخل نہ ہوگا اور کھانا بھی نہ کھا سکے گا...... پھر فرشتوں نے اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ گھر (جہاں وسیع دعوت کا انتظام ہے) جنت ہے اور دعوت دینے والے محمد ہیں...... **فمن اطاع محمدا ﷺ فقد اطاع اللہ ومن عصیٰ محمدا ﷺ فقد عصی اللہ ومحمد ﷺ فرق بین الناس** (بخاری ۲/۱۰۸۱، مشکوٰۃ ص ۲۷)

تو جس نے محمد (مصطفیٰ) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

یعنی صرف اللہ اللہ کہنے سے مسلمان اور کافر کے درمیان فرق نہیں ہوگا ......

کافر اور مسلم، مومن اور منافق کے درمیان صرف حضور ﷺ کی ذات پر ایمان، آپ اطاعت اور محبت و مودت سے فرق ہوگا۔

⊙ ...... چند لوگ ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ حضور کتنی عبادت کرتے ہیں...... جب انہیں بتلایا گیا تو انہوں نے کہا یہ تو بالکل تھوڑی عبادت ہے...... پھر کہنے لگے: جی! ہمارا اور حضور کا کیا مقابلہ آپ جتنی مرضی عبادت کریں اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے ذنب معاف فرما دیئے ہیں...... ان میں سے ایک بولا: بہر حال میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں تو ہمیشہ روزے سے رہوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا تیسرا بولا، میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا...... اتنے میں حضور اکرم بھی تشریف لے آئے...... آپ نے فرمایا تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟...... دیکھو! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

فمن رغب عن سنتي فليس مني (بخاری ۲/ ۷۵۷، مسلم ۱/ ۴۴۹، مشکوٰۃ ص ۲۷)

تو جس نے میری سنت سے منہ پھیرا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

⊙ ...... آپ نے ارشاد فرمایا:

من اكل طيبا وعمل فى سنة وامن الناس بوائقه دخل الجنة (ترمذی ۲/ ۷۵، مشکوٰۃ ۳۰)

جس نے پاکیزہ رزق کھایا اور سنت پر عمل کیا اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں جائے گا۔

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے بیٹے! اگر تو اس بات پر قادر ہے کہ تو صبح اور شام اس حالت میں کرے

کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق بھی کوئی کھوٹ نہ ہوتو ایسا کر......پھر فرمایا: اے بیٹے! یہ میری سنت ہے۔

ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (تاریخ ابن عساکر ۳/۱۴۵، مشکوۃ ۳۰)

اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

⊙ ...... بلکہ ایک مقام پر تو یہاں تک فرمادیا:

من احیی سنتی فقداحیانی ومن احیانی کان معی فی الجنة (ترمذی ۲/۹۲)

جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لماجئت به

(مشکوۃ ص ۳۰، شرح السنہ ۱/۲۱۲)

تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوں جو میں لایا ہوں۔

یعنی جب تک سنت مصطفوی اور سیرت نبوی کو کماحقہ نہ اپنایا جائے، اس سے روگردانی کی جائے اور اس کی اہمیت کا انکار کیا جائے تو آدمی کا ایمان بھی خطرے میں ہوتا ہے...... اور سنن نبویہ سے محبت کرنے والا، اپنی زندگی کو سیرت مبارکہ کے سانچے میں ڈھالنے والے کیلئے نوید جنت بھی ہے اور معیت نبوی کی بشارت بھی۔

؎ مسلک سنت پہ اے سالک چلا جا بے دھڑک
جنت الفردوس کو سیدھی جاتی ہے یہ سڑک

نظام خانقاہی کے زوال کا سبب

گذشتہ سطور میں واضح ہو چکا ہے کہ خانقاہی نظام کا مقصد مسلمانوں کی ظاہری و باطنی تربیت، دینی و دنیوی اصلاح اور علمی و عملی تصحیح کے علاوہ کچھ نہ تھا...... اولیاء کرام اور صوفیہ عظام نے ان عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے شب و روز تگ و دو فرمائی...... جس جگہ قدم ٹکائے، گم گشتہ راہوں کو آشنائے حقیقت بنا دیا...... خاکی انسانوں کو رشک ملائکہ کر دیا...... نور ایمان اور ذات خداوندی کا عرفان سینوں میں بھر دیا...... ان کے نعرۂ مستانہ سے مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی...... لوگ سب کچھ فراموش کر کے ایک خدا اور رسول کے ہو گئے...... عالم اسلام پر اور بالخصوص ہمارے ملک پاکستان کے حصول میں ان نفوس قدسیہ کا بنیادی کردار ہے...... مسلمانوں کی گردنوں پر ان اللہ والوں کا بار منت واحسان ہے...... یہی وجہ ہے کہ لوگ ان پاکبازوں کی عظمت و رفعت، قدر و منزلت اور کمالات و کرامات کے فدائی و معترف نظر آتے ہیں...... لیکن نہایت افسوس ہے کہ کچھ ناعاقبت اندیشوں، ستم ظریفوں اور خودساختہ ولیوں و دنیادار صوفیوں نے سادہ لوح مسلمانوں کی اس عقیدت و محبت اور ارادت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں گمراہ کرنے کا مکروہ دھندہ شروع کر رکھا ہے...... مسلمان اپنی سادگی کی بناء پر ان دینی رہزنوں اور باطنی لیٹروں سے بری طرح لٹ رہے ہیں...... آئے دن ایسے شرمناک اور اخلاق سوز واقعات اخبارات کی ''زینت'' بنتے ہیں...... کبھی یہ جعلی پیر مریدوں کی لڑکیاں اغواء کر رہے ہیں، کہیں پر مریدوں کے گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ کسی موقعہ پر نقلی پیر سادہ لوح مریدوں سے

"ششماہیاں" وصول کر رہے ہے، اگر اتفاق سے کبھی کوئی پیر صاحب کسی مرید کے گھر قدم رنجہ فرما لیں تو اسے پیر صاحب کی آؤ بھگت کے لئے احباب سے قرضہ تک لینا پڑ جاتا ہے، لیکن پیر بے تدبیر کو مرید کی غربت کا احساس تک نہیں ہوتا...... ان کی جیب گرم ہونی چاہئے...... شاید اسی لئے کسی نے کہا تھا کہ

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں ہے عقابوں کے نشیمن

o...... مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ شیخ طریقت، شارح مکتوبات امام ربانی حضرت خواجہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کسی گاؤں میں مریدین کی دعوت پر تشریف فرما ہوئے، واپسی پر ان لوگوں نے چار پائیاں، ایک بھینس کا بچہ، گھی، چاول، سوٹ، بستر، کھیس اور کچھ نقدی جمع کی پیش کرنا چاہی۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا جس پر وہ رو دیئے آپ نے وجہ دریافت فرمائی تو وہ عرض گذار ہوئے کہ حضور! پچھلے دنوں ہمارے اسی گاؤں میں فلاں برادری کے پیر صاحب آئے تھے تو انہوں نے اپنے پیر صاحب کو اس قدر نذرانے اور ہدیہ جات پیش کئے تھے کہ دو ٹرک سامان سے لدے ہوئے ان کے ساتھ گئے تھے...... لیکن ان کے مقابلے میں ہم تو آپ کی خدمت میں کچھ بھی پیش نہیں کر سکے، اس لئے اپنی غربت و افلاس پر رو رہے ہیں...... قبلہ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ ان کی "داستان درد و غم" سن کر مسکرائے ...... اور آپ نے فرمایا: تمہیں کس نے کہا ہے کہ ہمیں نذرانوں کی حاجت ہے ہمارا تمہارا یا تعلق محض للہ فی اللہ ہے نذرانے مقصود نہیں۔ مقصود ذات خداوندی کا قرب اور معرفت ہے۔ جاؤ لے جاؤ...... میں ان اشیاء سے ایک چیز بھی وصول نہیں کروں گا، وہ

قدموں میں گر پڑے، انہوں نے سمجھا کہ شاید آپ ناراض ہو گئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے آپ کا تعلق نذرانے بٹورنے والے پیروں سے ہرگز نہ تھا، آپ نے تو محض اللہ ورسول کی رضا اور بزرگوں کے طریقہ پر کاربند ہو کر نظام نقابی کو قائم کر رکھا تھا......

جب ان لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے ان کے پیش کردہ اشیاء سے فقط ایک درمیانہ سا کھیس وصول کیا...... اور فرمایا یہ بھی فقط تمہاری دلجوئی کے لئے لے رہا ہوں، ورنہ میں نے اس میں سے کچھ بھی قبول نہ کرتا۔

ملاحظہ فرمائیں!...... حقیقی اور جعلی پیروں میں کس قدر تفاوت ہے؟

⊙ ...... کس قدر ظلم کی بات ہے کہ رسمی پیر اور جعلی صوفیہ اپنے آستانوں پر بدفعلیوں کے مرتکب ہوں...... شراب وکباب میں مست ہوں ان کے اردگرد عورتوں اور نابالغ لڑکوں کا ہجوم ہو...... سود خوری اور حرامکاری ان کا معمول ہو، سنت وشریعت سے عاری ہوں...... جوا، شطرنج اور دیگر تماشوں کے مداری ہوں، دین، علم اور اسلامی شعور سے دور ہوں...... مہذب افراد کے لئے باعث ننگ ونفور ہوں۔

⊙ ...... بلکہ ایسے افراد بھی آستانوں اور اولیاء کرام کے مزاروں پر متمکن ہیں، جنہیں تہذیب کے ساتھ زندگی گذارنے کا بھی ڈھنگ نہیں، اخلاق وپیار سے تو پہلے ہی عاری ہیں، نماز، روزہ کے ابتدائی مسائل کا بھی علم نہیں، ایسے لوگ مخلوق خدا کی کیا رہنمائی کریں گے، خود بھی ڈوبیں گے اور دوسروں کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اگر کسی بزم یا محفل میں ان ناخواندہ پیروں کو کچھ کہنے کا موقع مل جائے تو بجائے اپنی جہالت ولاعلمی کا اعتراف کرنے کے ایسے ایسے گل کھلائیں گے کہ **الامان والحفیظ**......

اور جاہل مریدوں کی ان کو داد دیتے ہوئے زبانیں نہیں رکتیں ...... اگر کسی وقت سمجھانے کی کوشش کرو تو خدا پناہ...... کہ یہ سمجھنے کی کوشش کریں، الٹا مولویت کا طعنہ دیں گے اور مریدین، علماء کو کوسیں گے کہ حضرت صاحب تو علم ومعرفت کی باتیں

سنا رہے تھے، ان مولویوں کو تو معرفت اور حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی ...... بالکل ٹھیک ہے، علماء کو ایسی ہوا کی ضرورت بھی نہیں کہ جس کے لگنے سے ایمان غارت ہو جائے، بتایا جائے کہ اولیاء کرام تو علمی اداروں اور تعلیمی مرکزوں کو قائم کرتے رہے ہیں، یہ ان کے سجادہ نشین کہلانے والے علم اور دین سے اس قدر دشمن کیوں ہو چکے ہیں، شاید اسی دشمنی کا نتیجہ ہے کہ اب انہوں نے مساجد مدارس اور دینی مراکز کی سرپرستی کی بجائے، کتوں، بندروں اور بٹیروں کی پرورش شروع کر دی ہے...... دن رات ان کی دیکھ بھال میں مصروف ہو کر اپنے خدا کو بھی بھلا دیا ہے۔

⊙ ...... بہت سے پیرزادے اور سجادہ نشین سونے کی زنجیریں، انگوٹھیاں اور لاکٹ پہنتے ہیں، اپنی جانوں کے ان دشمنوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ ہمارے آقا ﷺ نے اپنی امت کے مردوں پر سونا پہننا حرام کر دیا ہے...... شاید یہ خود کو امت مسلمہ کا فرد نہیں سمجھتے، جو سونے سے اتنا پیار کرتے ہیں۔

⊙ اولیاء کرام کے مزاروں پر عرس کی جگہ میلے کرائے جاتے ہیں...... کچھ عجیب سماں ہوتا ہے، فقیروں اور ملنگوں کا ہجوم ہے، ایک طرف لگی ایرانی سرکس، میجک شو، موت کے کنویں، بھنگڑے اور رقص، شراب و کباب، نوجوان ملنگنیوں کا ناچ، ڈھول ڈھمکے، قوالیوں کا شور، پیر کو سجدے اور دوسرے طرف ساتھ ہی مسجد ہے جو ویران، بے آباد اور خستہ حال ہے، **لاحول ولاقوۃ**...... خداوند! ...... یہ کیا ماجرا ہے؟

؎ خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
ہے درویشی بھی عیاری، ہے سلطانی بھی عیاری

شاید یہی وجہ ہے کہ ان غیر شرعی افعال کی وجہ سے اب ان حضرات قدسیہ نے بھی اپنی توجہات کا رخ پھیر لیا ہے اعراس مقدسہ کے مواقع پر جس قدر پہلے فیوض و برکات دکھائی دیتے تھے، اب ان کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔

o...... ایک آدمی کہنے لگا ہمارے پیر صاحب تشریف لارہے ہیں، ذرا آپ بھی آیئے گا، ہم پیر صاحب کی ''زیارت'' کے لئے جب وہاں حاضر ہوئے تو انہیں دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی، کہ پیر صاحب جلوہ افروز ہیں، نہ چہرے پہ داڑھی، نہ سر پر عمامہ نہ ٹوپی، غیر محرم عورتیں قریب بیٹھی ہیں اور پیر صاحب کو داب رہی ہیں، جب دعا کا موقع آیا تو پیر صاحب محفل میں تشریف لائے، چاروں طرف مریدوں کا گھیرا، ساتھ ڈھول بج رہا ہے اور گنگرو باندھے ہوئے چند اشخاص بھی آگے بڑھنے لگے، تو ہم نے فوراً کھڑے ہو کر سختی سے روک دیا، جس کا پیر صاحب اور مریدوں کو بھی صدمہ ہوا، خیر وہ وقتی طور پر تو نہ بول سکے، لیکن اس کے بعد انہوں نے ہمیں محفل میں آنے کی دوبارہ دعوت دینے کی زحمت نہیں کی۔ ویسے ہمیں ایسی محفلوں میں حاضری کی تمنا بھی نہیں ہے...... دعوت دینے والے صاحب اتفاق سے ہمارے تھوڑے سے مقتدی بھی تھے، لیکن جب پیر صاحب آئے تو خدا کی نماز کو بھول جاتے اور پیر صاحب کی نذر و نیاز میں مصروف ہو جاتے۔ صد افسوس! نہ اس پیر کو قیامت کی باز پرس کا خیال آتا اور نہ ہی مریدوں کو خدا کی جواب طلبی اور عذاب اخروی کی سوچ دامنگیر ہوتی۔

⊙...... اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ بے عمل قوالوں اور خلاف شرع کلام سنانے والے گلوکاروں پر نوٹوں کی بارش کرتے ہوئے کوئی شرم وحیا آڑے نہیں آتی، لیکن تلاوت قرآن، نعت مصطفےٰ اور تقریر و وعظ سے ان پیروں کا سینہ جلتا ہے...... حفظ قرآن اور تبلیغ اسلام کا معمولی سا ایک مدرسہ چلانے کی ان کو ہمت نہیں ہے...... کئی ایسے پیرزادے بھی دیکھنے میں آئے کہ صاحب مزار کی علمی، تحقیقی تصنیفات الماریوں میں پڑی کرموں کی خوراک بن رہی ہیں، انہیں شائع کرنے کی جرات نہیں کرتے، جبکہ خود ائیر کنڈیشنرز ھالوں، لینڈ کروزر گاڑیوں اور فلک بوس عمارتوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ مسجدیں، مدرسے اور دینی مراکز تباہ ہو رہے ہیں، لیکن انکی پانچوں

انگلیاں گھی میں ہیں۔

⊙ ...... بعض پیروں کو دیکھیں تو پاکیزہ فطرت اور نفاست پسند آدمی ویسے ہی متلا جاتا ہے...... چہرے پر گرد و غبار، لباس پر گندگی کے آثار، داڑھی چشم، مونچھے حد سے زیادہ بڑھی ہوئیں، سر اور چہرے کے بال بے تحاشا اور بکھرے ہوئے ...... ہاتھوں میں لوہے کے کڑے، انگلیوں میں پیتل، سلور اور تانبے کی متعدد انگوٹھیاں، پاؤں سے ننگے، کمروں میں ٹیکے بندھے۔

اور ستم ظریفی کی انتہاء یہ کہ یہ نام نہاد خود کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ملنگ کہتے ہوئے نہیں شرماتے ...... کس قدر جرات اور جسارت ہے کہ اپنی بداعمالیوں کی نسبت مولائے کائنات سے کی جاتی ہے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ شریعت کے محافظ تھے یا باغی؟ (معاذ اللہ)۔ مولائے کائنات کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی تھی جبکہ ان ''ملنگوں'' نے کبھی ادا نہیں کی۔ انہوں نے شریعت کے کسی قانون کو نہیں توڑا، جبکہ انہوں نے اپنا تعلق شریعت سے کبھی نہیں جوڑا...... آخر یہ کیسے ہیں ''علی کے ملنگ'' جو ہیں نماز، روزے سے تنگ...... شاید ایسے لوگوں کے لئے ہی کہا گیا ہے۔

کار شیطاں میکند نامش ولی
گر ولی ایں است لعنت بر ولی

آخر یہ بزرگوں کے نام پر فراڈ کب تک دیا جاتا رہے گا، کب تک اولیاء کے ناموں کو بدنام کیا جائیگا ...... انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، یہ دین وملت، اسلام اور مسلمانوں کے مجرم ہیں...... یہ رہبروں کے روپ میں رہزن ہیں۔

ہماری وضع داری ہے کہ ہم خاموش ہیں ورنہ
یہ رہزن ہیں جنہیں تم اپنا رہبر سمجھتے ہو

قوم کب تک ان لوگوں کی کارستانیوں کو برداشت کرتی رہے گی، ان کے

خلاف اسلام حرکات کو کب تک گوارا کیا جائے گا...... آخر ہمیں کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہیئے۔ رہبر و رہزن میں فرق ہونا چاہیئے...... پیر اور شریر میں امتیاز ہونا چاہیئے...... یار اور غدار کو پہچاننا چاہیئے۔ ہمارے پاس قرآن و حدیث ہے، ہمارے سامنے صحابہ و تابعین کا مبارک عمل ہے، ہماری نظروں میں بزرگان دین کا بہترین طریقہ ہے...... آیئے اس معیار کو اپنائیں جو اسلام نے دیا ہے، آیئے اس طرز پر چلیں جو قرآن نے بتلائی ہے...... تاکہ دنیا و آخرت میں سرخروئی نصیب ہو سکے۔

ایسے غداران اسلام اور مخالفین دین سے یکسر دامن چھوڑا لیں...... ورنہ کہیں ان کی غلط حرکات میں ہمیں بھی عذاب خداوندی سے دوچار نہ ہونا پڑے...... ایسے لوگوں کی خلاف سنت و شریعت سے بالکل برات کا اعلان کریں...... ان نقلی پیروں کی ہر مقام پر حوصلہ شکنی کریں...... اور بانگ دہل اعلان کر دیں۔

تیری جدا پسند ...... میری جدا پسند
تجھ کو خودی پسند ...... مجھ کو خدا پسند

اور رسمی پیروں اور جعلی صوفیوں کو بھی بگوش ہوش سننا چاہیئے کہ ان کی جہالت، دین سے دوری اور قرآن و سنت سے مخالفت کی وجہ سے ان کے متعلقین کے فکر و کردار اور ایمان و عقیدہ میں جو خرابی پیدا ہو رہی ہے اس کا وبال ان کی گور گردن پر ہے، وہ خود کو روز قیامت کی جواب طلبی کے لئے تیار رکھیں۔

روز محشر جب وہ پوچھیں گے بلا کے سامنے
کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

نوٹ: یاد رہے مخالفین اہلسنت کا ان ''جعلی پیروں'' اور خودساختہ صوفیوں کی بداعمالیوں کو اپنے جلسوں، رسالوں اور کتابوں میں شائع کر کے مسلک اہلسنت کو کوسنا حماقت و جہالت کے علاوہ کچھ نہیں۔ کیونکہ ان گندم نما جوفروشوں کا مسلک اہلسنت

سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اہل سنت کے ذمہ دار علماء ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں بلکہ اکابرین اہلسنت نے تحریر وتقریر میں ایسے خودفریب لوگوں کی سرکوبی کی ہے، بایں ہمہ مخالفین کا ہم پر الزام دھرنا ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے؟ حکومت کا فرض اولین ہے کہ وہ نام نہاد پیروں اور جعلی آستانوں کا مکمل صفایا کرے، نیز وہ معروف آستانے جو محکمہء اوقاف کے زیر انتظام ہیں وہاں پر ہونے والیں غیر شرعی حرکات وسکنات کا سختی سے نوٹس لے اور مرتکب حضرات کو عبرتناک سزا دے تا کہ آئندہ کوئی آدمی حدود شرعی کو توڑنے کی جرات نہ کر سکے۔

کیا تردید باطل طریقت وتصوف کے خلاف ہے؟

اسے بھی اس دور کا ایک عظیم فتنہ ہی سمجھیں کہ ''پیران عظام'' طریقت اور تصوف کا نام لے کر علماء کرام اوران حقیقی مراشدان طریقت کو فقط اس لئے کوستے ہیں کہ وہ بدمذہب، گستاخ اور بے ادب لوگوں کی تردید کیوں کرتے ہیں...... ان کا موقف یہ ہے کہ ہم طریقت وتصوف والے ہیں اور طریقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہیے، پیر کو صلح کل ہونا چاہیے...... کوئی کتنا بھی بددین، بے ادب اور گستاخ ہی کیوں نہ ہو، اس کی قطعاً مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ہو سکے تو اس کی شان میں کچھ تعریفی کلمات کہہ دینے چاہمیں...... خواہ وہ خدا کی عظمت کا منکر ہو، یا حضور کی رفعت اور ختم نبوت کا انکاری ہو...... خواہ وہ صحابہ واہلبیت کا دشمن ہو یا اولیاء وصالحین کی کرامت وبزرگی کا مخالف ہو...... یہ بات اگر جاہلین کی زبانوں تک محدود رہتی تو شاید اس کی کوئی شنوائی نہ ہوتی، لیکن صد افسوس کہ اس فتنہ کے اثرات بعض اہل علم پر بھی مرتب ہونے لگے ہیں، ہمیں ایک علامہ صاحب سے ملاقات کا اتفاق ہوا، حضرت نے کسی دور میں ایک بدمذہب کے جواب میں زبردست علمی اور تحقیقی کتاب

تصنیف فرمائی تھی ،دوران گفتگو جب ہم نے اس کتاب کی اشاعت کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے کہ "میرا ذوق اب تصوف کی طرف مائل ہو چکا ہے اس لئے ادھر توجہ دینے کو جی نہیں چاہتا" راقم نے عرض کیا جناب! تصوف ابطال باطل سے مانع تو نہیں ہے۔

اب خدا جانے ان لوگوں نے کس تصوف وطریقت میں پڑھا ہے کہ بدمذہبوں اور بدعتی لوگوں کی تردید سے باطنی پرواز پر اثر پڑتا ہے...... حالانکہ دنیائے طریقت وتصوف کے پیشوا اور تزکیہ قلوب کے اکابرین وماہرین نے اپنے ادوار مقدسہ میں مخالفین کو ناکوں چنے چبوا دیئے...... چند شواہد ملاحظہ ہوں

۱...... دور کیوں جائیں...... کیا روحانیت وباطنی عروج میں سرور کائنات حضرت رسول کریم ﷺ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ہستی ہو سکتی ہے؟...... یقیناً نہیں،...... تو کیا آپ ﷺ نے کفار ومشرکین اور اس سے بڑھ کر کلمہ گو منافقین ومرتدین کا ردو ابطال نہیں فرمایا...... قرآن کریم میں ان کی تردید میں متعدد آیات بینات موجود ہیں...... کیا یہ سب تصوف وطریقت اور باطنیت وروحانیت کے خلاف ہے؟...... معاذ اللہ

۲...... خود صحابہ کرام بدمذہبوں اور گستاخوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے رہے...... ان سے مناظرے اور مجادلے تک ہوتے رہے...... کیا صحابہ کرام کی روحانیت اور تزکیہ نفوس میں کسی کو شک گزر سکتا ہے؟...... ہرگز نہیں...... تو کیا صحابہ کرام کا یہ عمل اہل اسلام کیلئے سند نہیں ہے؟

۳...... اولیاء کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن سے بھی زیادہ درخشاں وتاباں ہوتی دکھائی دیتی ہے کہ ان نفوس قدسیہ نے نظام خانقاہی کے انعقاد اور تزکیہ نفوس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے اپنے متعلقین اور منتسبین کو بدعتی، بدمذہب اور گستاخ لوگوں سے حتی الامکان دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ کیا موجودہ روحانیت وطریقت کے دعویدار، ان پاکیزہ نفوس کی گرد راہ کو بھی پہنچ سکتے

ہیں؟...... ہرگز نہیں...... تو پھر کیا وجہ ہے کہ تاجدار انبیاء، صحابہ کرام اور دیگر اولیاء کرام کو حجت و دلیل کیوں نہیں سمجھتے؟

۴...... کیا اس بات سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ

حضرت داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ، حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ نقشبند بخاری، حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی، حضرت محی الدین ابن عربی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت پیر جماعت علی محدث علی پوری، اعلیٰحضرت الشاہ احمد رضا خان محدث بریلوی، حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی، حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلومہاروی و دیگر جلیل القدر اولیاء کرام علیہم الرحمۃ نے باطل پرستوں، بے عمل واعظوں اور بدمذہبوں کی سرکوبی نہیں کی؟

کیا انہوں نے باطل کو سراہا ہے یا اس سے نفرت و عدم تعلق کا اظہار کیا ہے؟...... کیا ہمارے اولیاء کرام نے بدمذہبوں اور تصوف و طریقت کے منکروں کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے، مناظرے، مقابلے اور مباہلے نہیں فرمائے؟۔

۵...... بلکہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بے نصیبوں کی ایک جماعت جو اہل اللہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کی ہجو اور مذمت کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ کفار قریش نے جب اپنی کمال درجہ بدنصیبی کی وجہ سے اہل اسلام کی ہجو و مذمت میں بہت مبالغہ کیا تو حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اسلامی شعراء کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کفار نگونسار (اوندھی عقل والے) کی ہجو میں اشعار کہیں۔ (چنانچہ) وہ شاعر آنسرور علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلھا ومن التسلیمات اکملھا کے حضور میں منبر پر آتے اور کفار کے ہجو میں اعلانیہ اشعار پڑھتے تھے اور سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ

"جب تک وہ کفار کی ہجو کرتے رہتے ہیں روح القدس (جبرئیل) ان کے ساتھ ہیں۔ مخلوق کی طرف سے ملامت اور ایذاء رسانی عشق کی غنیمتوں میں سے ہے"۔

(دفتر اول مکتوب ۱۳۹)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں:

یقین تصور فرمائیند کہ فساد مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافراست وبد ترین جمیع فرق مبتد عان جماعۃ اند کہ باصحاب پیغبر علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام بغض دارند اللہ تعالیٰ درقرآن مجید خود ایشان را کفار می نامد لیغیظ بہم الکفار (دفتر اول مکتوب ۵۴)

یقین جانئے کہ بدعتی (فرقہ) کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے براوہ فرقہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ان کو کفار کے نام سے موسوم فرماتا ہے (مثلاً) تاکہ کفار کو ان (اصحاب رسول ﷺ) کے سبب سے غصہ میں ڈالے۔

⊙ ۔۔۔۔۱۔۔۔ اس مکتوب کی شرح میں شارح مکتوبات، سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

اس مکتوب کی ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہ' نے شیخ فرید بخاری علیہ الرحمۃ کے لئے ان کی دینی خدمات اور درویشوں کی مالی امداد پر دعائیہ کلمات تحریر فرما کر ان کو بدعتی فرقوں کی صحبت ومحبت سے اجتناب کی وصیت فرمائی ہے...... آپ فرماتے ہیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اسی لئے سرور کائنات ﷺ نے بدعتی کے ادب واحترام کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ بدعتی کا

احترام کرنے والا گویا دین اسلام کو برباد اور ویران کرنے کی کوشش کرنے والا ہے۔
(مشکوۃ ص ۳۱)

نیز ارشاد فرمایا:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم (مسلم ۱/۱۰)

(یعنی) ان (بدعتی فرقوں) سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

قرآن حکیم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے:

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین (الانعام ۶۸)

(یعنی) نہ بیٹھو یاد آنے پر ظالموں کے پاس

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے حکم میں ظالموں سے مراد کفار، بدعتی اور فاسق وغیرہا ہیں۔ ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے، صحبت اختیار کرنے اور میل جول رکھنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ حدیث میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ

ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تناکحوھم واذا مرضوا فلا تعودوھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم (ماخوذ از شفا ۲/۲۶۶، ابوداؤد ۲/۲۸۸، ابن ماجہ ص ۱۰ وغیرہ)

(یعنی) ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور ان کے ساتھ پانی نہ پیو اور ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے نکاح و رشتہ نہ کرو، وہ بیمار ہو جائیں تو عیادت نہ کرو اور جب وہ مر جائیں تو ان کے جنازے پر نہ جاؤ اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ (البینات ۲/۲۹۹ تا ۳۰۱)

مسلک اہلسنت سے وابستگی لازم ہے

غیروں کی طرف نظر التفات ڈالنے والوں اور اہلسنت کی صداقت وحقانیت کے متعلق تزلزل اور شکوک وشبہات کے شکار ہو جانے والوں کو پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اس حقیقت پر غور کرنا چاہیئے کہ اہل سنت و جماعت ہی وہ ناجی گروہ ہے کہ جس کا نام لے کر سرور کائنات ﷺ اسے جنتی قرار دیا ہے اور مخالفین اہلسنت کو جہنمی کہا ہے...... احقاق حق کے لئے یہاں مکتوبات امام ربانی کے چند اقتباس پیش خدمت ہیں...... تفصیل کیلئے ہماری تصنیف، اہل جنت اہل سنت'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۱...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

سب سے پہلے اہلسنت و جماعت جو کہ نجات پانے والی جماعت ہے، کی آراء کے مطابق عقائد کو درست کرنا چاہیئے پھر اس جماعت کے مجتہدین، ائمہ کرام کی تصریحات کے موافق احکام شرعیہ کو بجالانا چاہیئے اور اسی جماعت کے صوفیہ کرام کے سلوک کے مطابق تصفیہ وتزکیہ حاصل کرنا چاہیئے۔ (دفتر اول مکتوب ۷۱)

۲...... نجات کا راستہ یہی ہے کہ تمام اقوال وافعال اور اصول وفروع میں اہلسنت وجماعت کی پیروی کی جائے کیونکہ یہی نجات پانے والی جماعت ہے اور اس گروہ کے علاوہ بقیہ تمام فرقے مقام زوال اور ہلاکت کے دہانے پر کھڑے ہیں، آج کوئی اس بات کو جانے یا نہ جانے، لیکن کل (قیامت کے دن) ہر کوئی اس بات سے آگاہ ہو جائے گا، لیکن کل کا جاننا فائدہ نہ دے گا۔ (دفتر اول مکتوب ۵۰)

۳...... انسان کے لئے اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھنے کے سوا چارہ نہیں ہے، تاکہ آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو اور اہلسنت و جماعت

کے خلاف عقیدہ رکھنا زہر قاتل ہے، جو کہ ابدی موت اور دائمی عذاب کا سبب ہے۔
(دفتر اول مکتوب ۶۷)

۴...... ایک مقام پر فرماتے ہیں:
اہلسنت کی پیروی فرض اولین ہے ...... اور قرآن وحدیث کے معانی ومفاہیم صرف علمائے اہلسنت و جماعت کے بیان کردہ ہی معتبر اور قابل اعتماد ہیں، اس کے علاوہ کسی بدمذہب آدمی کا کوئی بیان کیا ہوا معنی ومفہوم معتبر نہیں ...... صرف اہلسنت کے بیان کئے ہوئے تراجم کو تسلیم کریں اور زید وبکر کی باتوں پر کان نہ دھریں، کیونکہ ہر گمراہ فرقہ اپنی دلیل قرآن وحدیث سے ہی پیش کرتا ہے۔ لیکن ان کی پیش کردہ دلیل اور بیان کردہ کوئی بھی معنی ومفہوم قابل قبول نہیں ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۹۳)

۵...... آپ فرماتے ہیں:
شیخ (پیر) اپنے مریدوں کو اس بات کی نصیحت کرے کہ وہ اپنے عقائد نجات پانے والی جماعت، اہل سنت وجماعت، کی رائے کے موافق درست کرے اور مزید اس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے ضروری احکام سیکھ کران پر عمل پیرا ہو...... کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دوبازوؤں (اعتقاد صحیح اور عمل صالح) کے اڑنا محال اور ناممکن ہے۔ (مبداء ومعاد منہا نمبر ۱۰)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی یہ تعلیمات اور ارشادت قرآن وسنت اور بزرگان دین کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں ...... ہمارے ناقص خیال میں نظام خانقاہی کے بگڑنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اس دور کے رسمی گدی نشینوں نے اسلام کی اس تعلیم کو چھوڑ دیا ہے، اپنے مریدوں کو نہ تو اہلسنت و جماعت کے عقائد پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کرتے اور نہ ہی اعمال صالحہ کو بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں ...... ان بے چاروں کا اپنا یہ حال ہے کہ ہر وقت اپنی ''گدی'' کو چمکانے اور

مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں......انہیں اس سے کیا غرض کہ ان کے کسی اقدام کی وجہ سے اسلام پر حرف آرہا ہے یا نہیں، مسلک اہلسنت مجروح ہورہا ہے یا نہیں......اور خود صاحب مزار بھی ان پر خوش ہیں یا ناراض......کچھ بھی ہو بس ان کے ہاں مریدوں اور مال و دولت کی ریل پیل میں کمی نہیں آنی چاہیے......لیکن انہیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ دنیا کی یہ فانی رنگینیاں ختم ہو جائیں گی اور قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا کہ

نہ ادھر ادھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا؟
ہمیں رہزنوں سے گلہ نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

کیا بدمذہب ولی ہوسکتا ہے؟

سطور بالا میں گزر چکا ہے کہ ولایت کے حصول کیلئے مسلک حق اہلسنت و جماعت سے وابستگی نہایت ضروری ہے......اس کے علاوہ دیگر سب مذاہب باطلہ اپنے عقائد فاسدہ کی وجہ سے ولایت، خدا کی معرفت اور حضور کی محبت سے کوسوں دور ہیں......روئے زمین پر جتنے بھی مشہور و معروف اولیاء کرام پائے جاتے ہیں وہ سب مسلک اہلسنت سے ہی وابستہ تھے......ان کی ولایت، عظمت، عزت اور کرامت کو پوری دنیا سلام محبت پیش کر رہی ہے......بعض سادہ لوح عوام بدمذہبوں کے ذکر، مراقبہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، مساجد، مدارس، ظاہری سنت کی پیروی اور اسلام اور مسلمانی کے دعویٰ سے دھوکہ کھا جاتے ہیں......انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ولایت کیلئے ایمان اور عقیدہ کی صحت بنیاد ہے اگر کسی عمارت کی بنیاد ہی نہ ہو تو وہ بظاہر کتنی ہی خوشنما، جاذب نظر، دیدہ زیب اور دلفریب ہی کیوں نہ ہو اس کی پائیداری، مضبوطی اور پختگی و استقامت کو ہر وقت خطرہ رہتا ہے......ذرہ تیز ہوا کا جھونکا آیا اور وہ دھرام

سے زمین پر گر کر تباہ و برباد ہو گئی...... اسی طرح بد عقیدگی اور گمراہی کو بنیاد بنا کر نیک اعمال کرنے والے جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے، روز قیامت، غضب خداوندی کا ذرا سا جھٹکا لگا تو ان کے اعمال صالحہ کا سارا پول کھل جائے گا...... ظاہری سنت و شریعت کی پیروی کی عمارت دھڑام سے گر جائے گی اور انہیں جہنم رسید کر دیا جائیگا...... جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

عاملة ناصبة تصلى ناراً حامية (الغاشیہ ۱، ۳، ۴)

کئی عمل کرنے والے، مشقیں اٹھانے والے بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔

منافقین مدینہ کلمہ بھی پڑھتے تھے، نماز کے بھی عادی تھے، مساجد بھی تعمیر کرتے تھے لیکن ذات رسالت کے متعلق گمراہی اور بد عقیدگی کا شکار تھے، ان کے کلمہ، نماز، مساجد اور نیک اعمال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا۔ ان کے متعلق فیصلہ خداوندی سنیئے!

ان المنافقين فى الدرك الاسفل من النار (النساء ۱۴۵)

بے شک منافقین جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے

اسی طرح قدریہ اور مرجیہ گمراہ فرقے بھی بظاہر احکام خداوندی کو بجالاتے، شریعت پر عمل کرتے تھے لیکن تقدیر الٰہی کے متعلق ان کا عقیدہ درست نہیں تھا اسلئے حضور نے فرمایا:

صنفان من امتى ليس لهما فى الاسلام نصيب القدرية والمرجية

(ترمذی ۲/ ۳۷، مشکوٰۃ ص ۲۲)

میری امت کے دو گروہوں کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں ایک قدریہ اور دوسرا مرجیہ معلوم ہوا بد مذہبوں کا ولی ہونا تو درکنار سرے سے ان کا اسلام ہی معتبر نہیں......

صداقت اہل سنت پر تفصیلی معلومات کیلئے ہماری محققانہ کتب ''اہل جنت اہل سنت'' اور ''اہل سنت کی پہچان'' ملاحظہ فرمائیں۔

چلوں اور وظیفوں کی حقیقت

عوام الناس کے نزدیک پیری مریدی کیلئے چلوں، وظیفوں، تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے کو بہت اہمیت حاصل ہے......لوگ سمجھتے ہیں جو فیکٹری چلائے، جن اور آسیب بھگائے، سینوں کے راز بتلائے، ہاتھ پہ سرسوں جمائے......مخفی راز سے پردہ اٹھائے وہی پیر ہوتا ہے......بعضوں کا خیال ہے کہ جس کی جھاڑ پھونک سے پریشانی سحر اور آسیب سے نجات ملے اسے پیر سمجھنا فرض ہو جاتا ہے چاہے وہ پرلے درجے کا قماش، بھنگی، چرسی اور مخالف سنت و شریعت ہی کیوں نہ ہو......حالانکہ دم، تعویذ اور جھاڑ پھونک کی حیثیت حکیم، طبیب اور ڈاکٹر کے علاج معالجے سے زیادہ نہیں...... جس سے شفا ملے، پریشانی دور ہوا گر اسے پیر پکڑنا لازم ہو جاتا ہے تو پھر ضروری ہے کہ ڈاکٹروں، حکیموں اور طبیبوں کو بھی پیر مانا جائے، حالانکہ انہیں پیر ماننے کیلئے کوئی بھی تیار نہیں......اسی طرح اگر کسی کے چلے اور وظیفے سے مطلب پورا ہو جائے، مراد بر آئے تو اسے پیر پکڑنا ضروری نہیں بلکہ اگر وہ شخص بھنگی، پوستی، بدمذہب اور خلاف شرح ہو تو اسے پیر ماننا حرام ہے......ہاں اگر وہ دم، تعویذ اور جھاڑ پھونک کرنے والا بدمذہب، خلاف شرع نہیں، سنت و شریعت کا تابعدار، اللہ و رسول کا فرمان بردار اور تعلیمات اسلامی کا وفادار ہو تو بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں ...... ورنہ بیعت نہیں ہوگی بلکہ الٹا پیر اور مرید دونوں سخت گناہگار ہوں گے......کیونکہ قرآن وحدیث میں ولیوں کی نشانی یہ نہیں بتلائی گئی کہ وہ چلہ جات کے عادی، شرابی، کبابی، سنت و شریعت سے عاری، جادو، ٹونے کے ماہر، جنات اور موکلات سے لوگوں کو ورغلاتے ہیں......بلکہ قرآن وحدیث میں ان کی نشانی ایمان، تقویٰ، پرہیزگاری، راست گوئی، تہجد گذاری، شب زندہ داری، جاہلوں سے کنارہ کشی، خوف خداوندی، عشق مصطفوی،

مسلک اہلسنت پر استقامت، کنجوسی اور فضول خرچی سے اجتناب، بدمذہبوں سے کنارہ کشی، اسلامی حدود وقوانین کی حفاظت، اسلامی تعلیمات کی پابندی، فرائض اسلام کی بجا آوری ہے۔

شارح مکتوبات حضرت ابوالبیان علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

ریاضت کی دو قسمیں ہیں

۱...... ریاضت تابعین ۲...... ریاضت منکرین

ریاضت تابعین: سنت اور شریعت کے مطابق مجاہدہ وریاضت بجالانا، ریاضت تابعین کہلاتی ہے جو اصلاح نفس کے لئے ہے اور اطمینان وتزکیہ نفس کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ یہ اولیائے کرام کی ریاضت ہے جو اتباع سنت اور پیروئ شریعت پر مشتمل ہے۔

ریاضت منکرین: یہ ریاضت جو سنت محمدیہ وشریعت اسلامیہ کے منکرین کا مشغلہ ہے صرف سببِ تصفیہءِ نفس ہے جو مکشوفاتِ کونیہ کا باعث ہے۔ تزکیہءِ نفس اور مکشوفات عالم وجوب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ جوگیوں، برہمنوں، پادریوں اور حکمائے یونان کی ریاضت ہے۔ انہیں بعض ظاہری کمالات حاصل ہوتے ہیں لیکن قرب خداوندی اور باطنی کمالات سے بے نصیب ہوتے ہیں۔ تصفیہ نفس کی مثال، تابنے پر سونے کا پانی چڑھانے سے واضح ہوتی ہے اور تزکیہ نفس کا عمل، کیمیا کے ذریعے تابنے کو خالص سونا بنانے کے مشابہ ہے۔ گویا تصفیہ نفس، ملمع سازی ہے اور تزکیہ نفس انقلاب حقیقت۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ فافہم

(البینات شرح مکتوبات ۲/ ۲۸۶)

خلاف شریعت مکشوفات کی حقیقت

جاہل پیروں اور رسمی مریدوں میں یہ عنصر بھی بہت نمایاں ہے کہ اپنے خلاف شرع اور خیالی مکشوفات کی بناء پر قرآن وسنت کی صریح نصوص کی خلاف ورزی کر رہے ہیں...... نماز، روزہ کا ذکر کرو تو اپنے کسی ''بزرگ'' کا ''کشف'' پیش کریں گے کہ حضرت کو ''مشاہدہ'' ہوا تھا کہ اب نماز، روزہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم ''مقام رفیع'' پر فائز ہو چکے ہو...... داڑھی شریف کا کہو تو بھی کہہ سنائیں گے کہ یہ ''مولویوں'' کا کام ہے، ہمیں ان چیزوں کی حاجت نہیں ہے، چونکہ ہم ان ''مقامات'' سے گزر چکے ہیں...... ہمارے ایک عزیز کسی ''پیر صاحب'' کا واقعہ سنا رہے تھے کہ ان کے سلسلہ سے وابستہ حضرات ''داڑھی شریف'' کی سنت سے محروم ہیں، کیونکہ ''پیر صاحب'' کسی سرکاری محکمہ میں افسر تھے، ان کے ''پیر و مرشد'' نے انہیں بہتیرا داڑھی رکھنے کا کہا، لیکن انہوں نے اس سنت کو اپنے چہرے پر سجانے کا نام نہ لیا، آخر کار حضرت صاحب نے ایک روز فرمایا کہ میں مراقبہ کی حالت میں تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بات نہیں اگر وہ داڑھی نہیں رکھتے تو کیا ہوا، ہم آپ کا ایک مرید بغیر داڑھی کے بھی قبول کر لیں گے...... بس پھر کیا تھا ان مرید صاحب نے بغلیں بجائیں اور ''مسند پیری'' پر متمکن ہو کر اپنے تمام مریدوں کو داڑھیاں منڈانے کا حکم صادر فرما دیا۔ (استغفر اللہ)

اب پوچھنے والی بات یہ ہے کہ

اول...... تو حضور اکرم ﷺ نے ساری زندگی مبارک میں داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، اور اس کی مخالفت کرنا یہود، مجوس اور مشرکین کی مشابہت اختیار کرنا قرار دیا ہے آخر آپ کس طرح گوارا فرما سکتے ہیں کہ آپ کی امت کا ایک ''ولی'' اس سنت

موکدہ بلکہ واجب کا تارک ہو، اور نہ صرف خود تارک ہو بلکہ اپنے تمام ''مریدوں'' کو اس سنت مبارکہ سے محروم کردے۔

دوم...... اگر اس ''مکاشفہ'' کو درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس میں فقط اتنا ثبوت ہوگا کہ ایک ''مرید'' کو بغیر داڑھی کے قبول کرلیا ہے، نہ کہ تمام متعلقین کو اسکا حکم دیا ہے، کیونکہ آپ شارع ہیں، اپنی امت کے کسی مخصوص فرد سے کسی بھی حکم شرعی کو ساقط فرما سکتے ہیں۔

سوم...... اس ''مکاشفہ'' کے تمام مندرجات درست معلوم نہیں ہوتے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ آپ کے ایک مرید نے ہماری سنت کی مخالفت کی ہے اور صاحب مکاشفہ نے سمجھ لیا ہو کہ آپ نے فرمایا ہے، ہم نے آپ کے ایک مرید کو بغیر داڑھی کے قبول کرلیا ہے۔

چہارم...... یہ مکاشفہ کتاب وسنت کے خلاف ہے اس لئے قابل حجت اور لائق تسلیم نہیں۔

کیونکہ مسلمان کو اپنے کشف کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھنی چاہیے نہ کہ کتاب وسنت کو اپنے خلاف شرع مکشوفات کے مطابق توڑنا، موڑنا چاہیے اس سلسلہ میں ہم حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی چند عبارات پیش کرتے ہیں...... ملاحظہ ہوں! آپ فرماتے ہیں:

⊙ کشف والہام کے صحیح ہونے کی علامت علمائے اہلسنت کے علوم کے ساتھ مطابقت ہے، اگر (کشف والہام میں) بال برابر بھی (شریعت کی) مخالفت ہے تو دائرہ ثواب سے باہر ہے یہی علم صحیح اور صریح حق ہے۔ پس حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۱۱۴)

⊙ خبردار!...... اپنے خیالی مکشوفات اور مثالی صورتوں کے ظہور کی وجہ سے اہل

سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے مقررہ اعتقادات کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اپنے خواب و خیال پر مغرور نہ ہوں کیونکہ اس فرقہ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں ہے۔ اپنی خوش طبیعتوں کو چھوڑیں، اگر نجات کی آرزو رکھتے ہیں تو ان بزرگوں کی اتباع میں دل و جان سے کوشش کریں۔ خبر کرنا شرط ہے: ماعلی الرسول الا البلاغ رسول کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ (المائدہ ۹۹) آپ کی عبارت کے انبساط سے مجھے یہ وہم پیدا ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ خیالات آپ کو ان اکابر کی تقلید سے باہر لے جائیں اور اپنے مکشوفات کے تابع بنا دیں۔ اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ، اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کے گناہوں سے بھی اس کی پناہ، شیطان قوی دشمن ہے اس کے مکر سے خبردار رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کے کوچہ میں ڈال دے۔ (دفتر سوم مکتوب ۳۱)

معلوم ہوا کہ خیالی مکشوفات اور خلاف شرع خوابوں پر عمل کرنے والے صراط مستقیم سے برگشتہ اور گمراہی کے گڑھے میں ہیں۔

⊙ ...... جاننا چاہئے کہ غلط کشف کا واقع ہونا محض القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ غیر صادقہ (غلط) احکام کی ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں جن میں شیطان کا کچھ بھی دخل نہیں ہوتا۔ اسی قسم سے یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو خواب میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور وہ بعض احکام آپ سے اخذ کر لیتے ہیں جو فی الحقیقت شرعی احکام سے خلاف متحقق ہو چکے ہیں، ایسی صورت میں القائے شیطانی تصور نہیں کی جا سکتی کیونکہ علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں شیطان کسی طرح بھی متشکل نہیں ہو سکتا، پس اس صورت میں سوائے قوت متخیلہ کے کہ وہ غیر واقعہ کو واقع تصور کر لیتی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۷)

یعنی اگر زیارت کے بعد آدمی یہ محسوس کرے کہ آپ ﷺ نے مجھے کچھ احکام عطا فرمائے ہیں...... اور در حقیقت وہ احکام شریعت کے مخالف ہوں، تو ایسی صورت میں نہ تو وہ احکام آپ نے عطا فرمائے ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ شیطان کی دخل اندازی ہے۔ کیونکہ شیطان آپ کی مثل نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس صورت میں انسان کی خیالی قوت کو ٹھوکر لگی ہے کہ اس نے واقع نہ ہونے والی چیز کو واقع خیال کر لیا ہے۔ اور کچھ نہیں۔

لہذا شریعت کے مقابلے میں ایسے خواب وسراب اور بے سروپا باتوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔

سماع اور قوالی کی حقیقت

برصغیر پاک وہند میں اولیاء کرام نے جہاں اپنے مثالی کردار کے ذریعے اسلام کا نور پھیلایا وہاں انہوں نے اسلامی تعلیمات کی درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کے لئے اس معاشرے کا موثر ترین ذریعہ بھی استعمال فرمایا اسی طرح ہندوستان میں مشائخ چشت قدست اسرارہم نے ہندوؤں کے مقابلہ میں اسلام کی ترویج واشاعت کیلئے سماع کا طریقہ اختیار فرمایا، یہ سلسلہ بعد میں قوالی کی شکل اختیار کر گیا، حتی کہ اسے سازوآواز، آلات موسیقی اور مزامیر کے ساتھ منعقد کیا جانے لگا سماع اور قوالی کی حقیقت کیا ہے، ذیل میں چند اکابرین کے فتاوے پیش خدمت ہیں:

حضور داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ کا نظریہ

آپ فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہئے کہ اصول سماع مختلف طبائع کیلئے ایک نہیں ہوسکتا،

طبیعتوں کے رجحان مختلف ہوتے ہیں اور یہ ظلم ہے کہ ہر شخص کے لئے سماع ایک ہی اصول کے تابع فرمان سمجھا جائے۔ سماع سننے والے دو جماعتوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں، اول وہ لوگ جو معانی پر کان رکھتے ہیں، اور دوئم وہ جو صرف آواز پر جھومتے ہیں، دونوں کے اچھے اور برے پہلو ہیں، خوش الحالی طبیعت میں خروش پیدا کرتی ہے، اگر طبیعت حق آشنا ہے تو خروش بھی حق ہوگا اور اگر باطل پرست ہے تو خروش بھی باطل ہوگا، لہٰذا اگر طبیعت میں فساد ہے تو سماع کا اثر بھی فساد ہی ہوگا...... مشیت ایزدی ہوئی کہ ہوس پرست سماع کرنے والا اور حق آشناؤں میں امتیاز قائم ہوا ابلیس کا طبعی اضطراب اوبکار آیا اور اس نے انسانوں کو وسوسوں میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیا، اپنی حیلہ سازیوں کیلئے اجازت طلب کی، اجازت مل گئی اس نے بنسری اور طنبور کو شکل دی اور داؤد علیہ السلام کے مقابل مجلس آراستہ کرلی...... اہل سماع دو جماعتوں میں تقسیم ہوگئے، اہل شقاوت شیطانی مزامیر پر لٹو ہوگئے اور اہل سعادت حضرت داؤد علیہ السلام کے حضور سرنگون رہے، اہل معنی کے سامنے نہ حضرت داؤد کا الحان تھا اور نہ دوسری جماعت کے مزامیر۔ وہ روبہ حق تھے، الحان داؤدی ان کیلئے اور چشمہ ہدایت تھا اور مزامیر ابلیسی سراسر فتنہ وشر، وہ سب سے الگ ہوگئے اور تعلقات سے اعراض کیا۔ ان کی نظر نے غلط کو غلط اور درست کو درست دیکھ لیا جس کسی کو سماع اس منہاج پر میسر آئے مباح ہے...... مدعیوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ہمارے لئے سماع اس کی ظاہری صورت سے مختلف ہونا ہے یہ قطعاً محال ہے، کمال ولایت یہی ہے کہ ہر چیز وہی کچھ نظر آئے جو وہ اصل میں ہے، اگر ایسا نہیں تو نظر کا قصور ہے کیا معلوم نہیں کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: **اللھم ارنا حقائق کل الاشیاء کماھی**

اے اللہ! تو جملہ اشیاء کی وہی حقیقت دکھا جو ہے۔

جب صحیح نظر ہی یہی ہے کہ ہر چیز اپنے اصلی روپ میں نظر آئے تو درست

سماع بھی یہی ہے کہ جو کچھ سنا جائے وہ وہی ہو جو سنایا جارہا ہے۔ مزامیز پر فدا ہونے والے ہوائے نفس اور ہوس میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ اصلیت سے دور ہٹ کر سنتے ہیں ورنہ وہ سماع کی جملہ برائیوں سے نجات پاتے، گمراہی میں مبتلا لوگوں نے کلام حق سنا تو گمراہ تر ہوگئے...... اہل ضلالت قرآن حکیم سن کر بھی بھٹک گئے اور اہل حق کلام باطل سن کر راہ ہدیت پر گامزن رہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے جس کا انکار کھلا مکابرہ ہے اور اللہ ہی زیادہ عالم ہے۔ (کشف المحجوب ماخواذ از ص ۵۵۵ تا ۵۵۷ مترجم مطبوعہ ضیاء القرآن)

اس عبارت میں حضور داتا پاک علیہ الرحمۃ نے مزامیر اور طلبہ کی مذمت کی ہے اور علاوہ ازیں فقط عمدہ کلام کو سر اور لے سے پڑھنے کو صرف مباح قرار دیا ہے۔ اور وہ بھی اہل باطن کیلئے...... ہر ایرے غیرے کو اس کی پھر بھی اجازت نہیں ہے۔

حضرت امام ربانی کا موقف

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک اصحاب وجد وحال، ارباب قلوب میں سے ہیں، ارباب تمکین کو وجد وحال اور رقص وسماع کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

سماع ووجد جماعہ رانا فع است کہ بتقلب احوال متصف اندوبہ تبدل اوقات متسم وقتے حاضراند ووقتے غائب گاہے واجداند وگاہے فاقد ایشانند ارباب قلوب (دفتر اول مکتوب ۲۸۵)

کچھ آگے فرماتے ہیں:

فهم ابناء الوقت ومغلوبوه فمرة يعرجون واخرى يهبطون

ارباب تجلیات ذاتیہ کہ بتمام از مقام قلب برآمدہ بمقلب قلب پیوستہ اندوبہ کلیت از رقیت احوال بمحول احوال محرر گشتہ

اندمحتاج به سماع ووجد نیستندچه وقت ایشان دائمی است وحال شان سرمدی **لابل لاوقت لهم ولاحال فهم اباء الوقت وارباب التمکین وهم الواصلون الذین لارجوع لهم اصلاً ولافقد لهم قطعاً فمن لافقد له لاوجدله**

ترجمہ: سماع اور وجد اس جماعت کے لئے مفید ہے جو تقلب احوال سے (جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں) متصف ہیں اور تبدیلی اوقات کے ساتھ داغدار ہیں جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ واجد (اپنے مقصود کو پانے والے) ہوتے ہیں اور کبھی فاقد (گم کرنے والے)، یہ لوگ ارباب قلوب ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ابن الوقت (وقت کے بیٹے) ہیں اور وقت کے مغلوب ہیں کبھی عروج کرتے ہیں اور کبھی ہبوط (نیچے آجاتے ہیں) (لیکن ان کے برعکس) ارباب تجلیات ذاتیہ جو مقام قلب سے کلی طور پر باہر آ کر مقلب قلب (حق تعالیٰ) کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں اور کلیۃً احوال کی غلامی سے نکل کر محول احوال (احوال کو تبدیل کرنے والے یعنی حق تعالیٰ) کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں وہ لوگ سماع و وجد کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ان کا وقت دائمی ہے اور ان کا حال سرمدی ہے، نہیں بلکہ ان کے لئے نہ وقت ہے اور نہ حال یہ لوگ ابوالوقت (وقت کے باپ) ہیں اور اصحاب تمکین (اطمینان والے) ہیں اور یہ ایسے واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں اور نہ فقد ہے (ان سے ان کا مقصود گم نہیں ہوسکتا) لہذا جن کے لئے فقد نہیں ان کے لئے وجد بھی نہیں۔

اسی مکتوب میں کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں:

آرام این بزرگواران به عبادات است وتسکین درادائے حقوق بندگی وطاعات...... ایشان رااحتیاج به سماع ووجد نیست عبادات ایشان راکار سماع می کند ونورانیت اصل

از عروج کفایت می بخشد جماعه مقلدان ازاهل سماع ووجد که برعظم شان این بزرگواران واقف نیستند خودرا از عشاق می گیرند وایشان را از زهاد گویا عشق ومحبت رامنحصر دررقص ووجد میدانند۔

ترجمہ: ان بزرگواروں کا آرام وچین عبادات میں ہے اور ان کی تسکین بندگی وطاعات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے ان کو سماع و وجد کی کچھ حاجت نہیں ان کی عبادات ان کیلئے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کرتی ہے اہل سماع و وجد کے مقلدوں کا ایک گروہ جوان بزرگواروں کی عظیم شان سے واقف نہیں ہے وہ اپنے آپ کو عشاق میں سے سمجھتے ہیں اور ان کو زاہدوں میں سے جانتے ہیں گویا یہ لوگ عشق ومحبت کو رقص و وجد میں منحصر سمجھے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

مبتدی راسماع ووجد مضراست ومنافی عروج هرچند بشرائط واقع شود...... وجد اومعلوم است حال اووبال است حرکت اوطبعی است تحرك اومشوب به هوائے نفسانی واعنی بالمبتدی من لایکون من ارباب القلوب وارباب القلوب متوسطون بین المبتدئین والمنتهین (دفتر اول مکتوب ۲۸۵)

ترجمہ: مبتدی کے لئے سماع و وجد مضر (نقصان دہ) ہے اور عروج کے منافی ہے اگرچہ شرائط کے موافق ہی کیوں نہ ہو اس (مبتدی) کا وجد علت کی وجہ سے ہے لہذا اس کا حال وبال ہے اس کی حرکت طبعی ہے اور اس کا تحرک ہوائے نفسانی سے مخلوط ہے اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو ارباب قلوب میں سے نہیں ہے اور ارباب قلوب وہ ہیں جو مبتدی اور منتہی کے درمیانی مقام (متوسطین) میں ہوتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات ۱/ ۶۵۷ تا ۶۶۰)

آپ کے فرمان سے واضح ہوا کہ مبتدی سالکین کیلئے سماع نقصان دہ ہے اور منتہی حضرات کو اس کی قطعاً ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ انہیں عبادات میں ہی سماع کا ذوق مل جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا فتویٰ

اگر آپ کو مروجہ کسی قوالی کی محفل میں جانے اتفاق ہوا ہو تو آپ ہماری گفتگو سے اتفاق کریں گے کہ ان محافل میں

⊙ ...... قوالوں کے اکثر و بیشتر اقوال خلاف ادب، خلاف شرع بلکہ بعض تو کفر کی حد تک پہنچے ہوتے ہیں۔

⊙ ...... داڑھی منڈے، بے نماز اور تارک سنن و فرائض بلکہ بعض شراب نوشی کے بھی عادی ہوتے ہیں۔

⊙ ...... آلات موسیقی کی بھرمار، تالیوں اور میوزک کی کثرت، مردوں اور عورتوں کا اختلاط، بے پردگی، فحاشی اور عریانی عام ہوتی ہے۔

اعلحضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ سے اسی قسم کی قوالیوں کے متعلق ایک سوال ہوا جسمیں لوگ جمع ہوں، ڈھول، باجے اور سارنگیاں بج رہی ہوں اور نعت اور مقبت کے اشعار پڑھے جا رہے ہوں...... آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گناہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے، اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے، یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے

گناہ میں کچھ تخفیف ہو نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ، اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ، اور سب حاضرین کے برابر جدا، اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ، اور قوالوں کے برابر جدا، اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ، وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس (محفل) کرنے والے نے بلایا، ان کیلئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا، اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا، پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا، وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیونکہ آتے بجانے...... باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے۔ پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل، پھر کجا محرم کجا مبیح، ہر طرح یہی واجب العمل، اسی کو ترجیح۔ مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے۔ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے، اقرار لاتے، یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں، اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں، پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبان خدا اکابر سلسلہ عالیہ چشت قدست اسرارھم کے سر دھرتے ہیں، نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں...... حالانکہ خود محبوب الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ عنہ وعنہم وعنا بہم ''فوائد شریف'' میں فرماتے ہیں:

مزامیر حرام است　　　مزامیر (طبلے سارنگیاں) حرام ہے

⊙ ...... مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ عنہما نے حضور

کے زمانہ مبارکہ میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ "کشف القناع عن اصول السماع" تحریر فرمایا: اس میں صاف ارشاد فرمایا کہ:

اما سماع مشائخنا رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم فبری عن ھذہ التھمۃ وھو مجر دصوت القوال مع الاشعار المشعرۃ من کمال صنعۃ اللّٰہ تعالیٰ

ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے وہ صرف قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی سے خبر دیتے ہیں۔

للہ انصاف! اس امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آج کل کے مدعیان خامکار کی تہمت بے بنیاد، ظاھرۃ الفساد۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم

⊙ ...... سیدی مولانا محمد بن مبارک بن محمد علوی کرمانی مرید حضور پرنور شیخ العالم فریدالحق والدین گنج شکرو خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب مستطاب "سیر الاولیاء" میں فرماتے ہیں:

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیزمی فرمود کہ چند ایں چیزمی بایدتاسماع مباح می شود۔ مسمع ومستمع ومسموع وآلہ سماع، مسمع یعنی گوئندہ مرد تمام باشد کودک نباشد وعورت نباشد، مستمع آنکہ می شنوداز یاد حق خالی نباشد ومسموع آنچہ بگویند فحش ومسخرگی نباشد وآلہ سماع مزامیر ست چوں چنگ ورباب ومثل آں، می باید کہ درمیان نباشد ایں چنیں سماع حلال ست۔

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز فرماتے ہے کہ چند شرائط ہوں تو سماع مباح ہوگا۔ کچھ شرطیں سنانے والے کے لئے ہیں، کچھ سننے والے کے

لئے ہیں، کچھ اس کلام میں جو سنائی جائے کچھ آلہ سماع میں یعنی سنانے والا کامل مرد ہو چھوٹا لڑکا نہ ہو اور عورت نہ ہو، سننے والا یادِ خدا سے غافل نہ ہو اور جو کلام پڑھی جائے فحش اور تمسخرانہ انداز کی نہ ہو اور آلات سماع یعنی مزامیر جیسے سارنگی اور رباب وغیرہ، چاہیے کہ ان چیزوں میں سے کوئی موجود نہ ہو اس طرح کا سماع حلال ہے۔

مسلمانو! یہ فتویٰ ہے سرور سردار سلسلہ عالیہ چشت حضرت سلطان اولیاء رضی اللہ عنہ کا، کیا اس کے بعد بھی مفتریوں کو منہ دکھانے کی گنجائش ہے؟۔

نیز سیر الاولیاء شریف میں ہے:

"یکے بخدمت حضرت سلطان المشائخ عرض داشت کہ دریں روزہا بعضے از درویشاں آستانہ دار، در مجمعے کہ چنگ و رباب و مزامیر بود رقص کردند۔ فرمود نیکو نکردہ انہ آنچہ نامشروع ست ناپسندیدہ است۔ بعدازاں یکے گفت چوں ایں طائفہ ازاں مقام بیروں آمدند بایشاں گفتند کہ شما چہ کردید اور آں مجمع مزامیر بود سماع چگونہ شنیدید ورقص کردید ایشان جواب دادند کہ ماچناں مستغرق سماع بودیم کہ ندا نستیم کہ اینجا مزامیر است یانہ۔ حضرت سلطان المشائخ فرمود ایں جواب ہم چیزے نیست ایں سخن درہمہ معصیتہا بیاید"

ایک آدمی نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کی کہ ان ایام میں بعض آستانہ دار درویشوں نے ایسے مجمع میں جہاں چنگ و رباب اور دیگر مزامیر تھے رقص کیا۔ فرمایا انہوں نے اچھا کام نہیں کیا یہ چیز شرع میں ناجائز ہے، ناپسندیدہ ہے، اس کے بعد ایک۔ نے کہا: جب یہ جماعت اس مقام سے باہر آئی۔ لوگوں نے

ان سے کہا کہ تم نے سماع کیوں سنا اور کیوں رقص کیا۔ وہاں تو مزامیر تھے تم نے سماع کس طرح سنا اور رقص کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس طرح سماع میں مستغرق تھے کہ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ یہاں مزامیر ہیں یا نہیں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا یہ جواب کچھ نہیں اس طرح تو تمام گناہوں کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔

مسلمانو! کیسا صاف ارشاد ہے کہ مزامیر ناجائز ہیں...... اور اس عذر کا کہ ہمیں استغراق کے باعث مزامیر کی خبر نہ ہوئی۔ کیا مسکت جواب عطا فرمایا کہ ایسا حیلہ ہر گناہ میں چل سکتا ہے...... شراب پیے اور کہہ دے شدت استغراق کے باعث ہمیں خبر نہ ہوئی کہ شراب ہے یا پانی۔ زنا کرے اور کہہ دے غلبۂ حال کے سبب ہمیں تمیز نہ ہوئی کہ جورو ہے یا بیگانی۔ اسی میں ہے:

حضرت سلطان المشائخ فرمود من منع کردہ ام کہ مزامیر ومحرمات درمیان نباشد و دریں باب بسیار غلو کرد، تا بحدیکہ گفت اگر امام راسہو افتد مرد تسبیح اعلام کند، وزن سبحان اللہ نگوید زیرا کہ نشاید آواز آں شنودن پس پشت دست بر کف دست زند و کف دست بر کف دست نزند کہ آں بلہو مانند تا ایں غایت از ملاہی وامثال آں پرہیز آمدہ است، پس درسماع بطریق اولیٰ کہ ازیں بابت نباشد یعنی در منع دستک چندیں احتیاط آمدہ است پس در سماع مزامیر بطریق اولیٰ منع است اھ باختصار

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا میں نے منع کر رکھا ہے کہ مزامیر اور دیگر محرمات درمیان میں نہ ہوں اور اس بات میں آپ نے بہت مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا اگر امام نماز میں بھول جائے تو مرد سبحان اللہ کہہ کر امام کو مطلع کرے اور عورت

سبحان اللہ نہ کہے کیونکہ اس کو اپنی آواز سنانا نہ چاہئے۔ پس ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر نہ مارے کہ اس طرح یہ کھیل ہوگا۔ بلکہ ہاتھ کی پشت دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارے جب یہاں تک لہو ولعب کی چیزوں اوران کی طرح چیزوں سے پرہیز آئی ہے تو سماع میں مزامیر بطریق اولیٰ منع ہیں۔

مسلمانو! جو ائمہ طریقت اس درجہ احتیاط فرمائیں کہ تالی کی صورت کو ممنوع بتائیں وہ اور معاذ اللہ مزامیر کی تہمت، للہ انصاف، کیسا خبط بے ربط ہے۔ اللہ اتباع شیطان سے بچائے اوران سچے محبوبان خدا کا سچا اتباع عطا فرمائے۔ آمین الہ الحق آمین . بجاھھم عندک آمین . والحمد للہ رب العالمین . کلام یہاں طویل ہے اور انصاف دوست کو اسی قدر کافی ہے۔ واللہ الھادی . واللہ تعالیٰ اعلم (کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ بمحمدن المصطفے ﷺ)

ان صریح عبارات سے سماع اور قوالی کی حقیقت بھی نکھر کر سامنے آگئی کہ موجودہ قوالی کو بزرگوں کے سماع سے کوئی تعلق نہیں ...... جو لوگ قوالی کو روح کی غذا قرار دیتے ہیں انہیں مذکورہ عبارت پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے...... اور منکرین بھی ہوش کے ناخن لیں غیر ذمہ دار لوگوں کی بے ہودہ باتوں کو پھیلا کر اہلسنت کے خلاف واویلا نہ کیا کریں۔

ڈھول ڈھمکے

بعض بزعم خود پیر ڈھول ڈھمکے، باجے گاجے اور ناچ گانے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں اورانہیں تصوف وطریقت کا حصہ قرار دیتے ہیں...... بزرگوں کے اعراس مقدسہ پر بجائے تلاوت ونعت، ذکر، فکر وعظ، تقریر اور ایصال ثواب کے وہ گدی نشینان بھنگڑے بازی اور فحش کاری میں مصروف ہوتے ہیں ...... ایسے

معاملات کا اسلام، بزرگان دین اور مسلک اہلسنت سے کوئی تعلق نہیں ...... چند احادیث ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحِرَّ والحریر والخمر والمعازف ......الخ (بخاری ۲/۸۳۷)

میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال قرار دیں گے اور چند لوگ ایک پہاڑ کے پہلو میں اتریں گے، شام کے وقت ان کا چرواہا ان کے پاس ان کے جانور لے آئے گا تو ان کے پاس فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا وہ کہیں گے کل آنا، اللہ تعالیٰ رات کو ان پر پہاڑ گرا کر تباہ و برباد کر دے گا، ان میں سے کچھ لوگ بندر اور سور بن جائیں گے اور وہ قیامت تک اسی طرح رہیں گے۔

معلوم ہوا کہ گانے بجانے کو حلال سمجھنے والے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔

⊙ ...... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مزامیر (آلات موسیقی) کی آواز سنی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور راستے سے ہٹ گئے اور فرمایا: اے نافع! کوئی آواز سن رہے ہو؟ انہوں نے کہا اب کوئی آواز نہیں آ رہی تو آپ نے انگلیاں نکال لیں اور فرمایا: میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو ایسے ہی کیا۔

(ابوداؤد ۲/۳۱۸، مسند احمد ۲/۸، ص ۳۸)

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ حرم علی امتی الخمر والمیسر والمزر ولکوبۃ والقنین (مسند احمد ۲/۱۶۵، ۱۷۲، بیہقی ۱۰/۲۲۲، ۲۲۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، طبل (ڈھول) اور سارنگی کو حرام کیا ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

ان اللہ حرم علیکم الخمر والمیسر والکوبة (مسند احمد ۱/ ۲۸۹، ابوداؤد ۲/ ۱۶۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب جوا اور طبلہ حرام کیا ہے۔

⊙ ...... مزید ارشاد فرمایا: الجرس مزامیر الشیطان (مسلم ۲/ ۲۰۲، ابوداؤد ۱/ ۳۴۶)

گھنٹی (باجے گاجے) شیطان کے مزامیر (آلات موسیقی) ہیں

⊙ ...... ایک روایت میں ہے: مع کل جرس شیطان (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۳۷۹)

یعنی ہر بانسری کے ساتھ شیطان ہے۔

اب دیکھیں گانے بجانے اور ڈھول ڈھمکے کو اللہ و رسول حرام بھی فرمائیں، شیطانی آلات بھی کہیں، آلات موسیقی کو توڑنا آپ کے مقاصد بعثت سے بھی ہو پھر کسی مسلمان کا اسے اپنانا کتنا تعجب خیز اور کس قدر حیرت انگیز ہے؟

مریدوں کی سجدہ ریزی

عبادت کا سجدہ ہمیشہ سے ذات خداوندی کے ساتھ خاص رہا ہے جبکہ سابقہ ادیان میں مخلوق کیلئے سجدۂ تعظیمی کا جائز تھا...... جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو، برادران یوسف اور حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا وغیرہ۔ لیکن جب امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا دور مبارک آیا...... سجدۂ عبادت تو پہلے ہی مخلوق کیلئے حرام تھا آپ نے اپنی امت پر تعظیم کا سجدہ بھی ممنوع فرمادیا...... اسلام نے دوٹوک فیصلہ کر دیا کہ غیر خدا حتیٰ کہ انبیاء کرام، مرسلین عظام اور خود سید الانبیاء ﷺ کو بھی سجدہ کرنا ناجائز ہے، سجدے کے لائق صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے...... لیکن بعض خودساختہ صوفیوں اور ملنگوں نے شریعت اسلامیہ سے ناواقفی کی بناء پر خود کو سجدہ کروانا شروع کر دیا۔ اور بعض جہلاء اور ناخواندہ لوگ مزارات کو سجدہ

کرتے ہیں۔

سو واضح رہے قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدۂ عبادت کرنا شرک اور سجدۂ تعظیم کرنا حرام ہے۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی خلقهن (حم السجدہ ۳۷)

نہ سجدہ کرو سورج اور چاند کو (صرف) اللہ کو سجدہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے

⊙ ...... یایها الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم (الحج ۷۷)

اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اور عبادت کرو (صرف) اپنے رب کی۔

⊙ ...... اسجدو للرحمان (الفرقان ۵۸)

صرف خدائے رحمان کو سجدہ کرو۔

⊙ ...... ومن الليل فاسجدله (الدھر ۲۶)

اور رات کے حصے میں (بھی) اسی کو سجدہ کر۔

چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... حضرت قیس بن سعد نے کوفہ کے شہر حیرہ میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں...... انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

فانت یارسول اللہ احق ان نسجد لک قال ارأیت لومررت بقبری اکنت تسجدله قال قلت لاقال فلا تفعلوا لو کنت امرأ احداً ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن (ابوداؤد ا/۲۹۱)

یارسول اللہ! آپ سجدہ کے زیادہ مستحق ہیں، آپ نے فرمایا بھلا تم اگر میری قبر سے گزرو تو کیا میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ فرماتے ہیں: میں نے کہا نہیں...... تو آپ نے فرمایا پس تم سجدہ نہ کرو اگر میں مخلوق میں کسی ایک کو دوسرے کیلئے سجدے کا حکم دیتا تو

عورتوں کو اپنے خاوندوں کیلئے سجدے کا حکم دیتا۔
معلوم ہوا کہ نہ حضور اکرم کو سجدہ کرنا جائز ہے، نہ ہی آپ کی قبر مبارک کو اور نہ کسی دیگر مخلوق کو۔

⊙ ...... اسی طرح حضرت معاذ بن جبل نے ملک شام سے واپسی پر حضور کو سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا؟ عرض کیا: حضور! میں نے شام کے نصاریٰ کو دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو مجھے خیال آیا کہ ہم آپ کو سجدہ کریں، تو آپ نے فرمایا:

فلاتفعلوا فانی لو کنت آمراً احداً ان یسجد لغیر اللہ تعالیٰ لامرت المراۃ ان تسجد لزوجھا (ابن ماجہ ۱۳۴)

پس تو ایسا نہ کرو اگر میں غیر خدا کیلئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے شوہر کیلئے سجدہ کرنے کا حکم کرتا۔

⊙ ...... حضرت سلمان فارسی نے آپ سے سجدہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا:

لاینبغی لمخلوق ان یسجدلا حدالا اللہ تعالیٰ (تفسیر مدارک ۱ ۴۲)

کسی مخلوق کیلئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرے۔

⊙ ...... اسی طرح متعدد احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ مختلف جانوروں کے سجدہ کرنے پر صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ حیوان آپ کو سجدہ کرتے ہیں، ہم انسان ہیں، ہم تو زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں تو آپ نے فرمایا میری امت کیلئے صرف اللہ کیلئے سجدہ کرنا درست ہے، مخلوق میں سے کسی کیلئے سجدہ کرنا منع ہے...... ملاحظہ ہو! مسند احمد ۳/ ۱۵۹، ۴/ ۱۷۲، الترغیب والترہیب ۳/ ۵۵، المعجم الکبیر ۲۲/ ۲۶۱، المستدرک ۲/ ۶۱۸، سنن دارمی ص ۱۹، ۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/ ۴۹۱)

سجدہ کے خواہشمند پیر اور سجدہ ریز مریدوں کو آئندہ کیلئے اس فعل سے توبہ کرلینی چاہئے۔ تا کہ آخرت کی ذلت ورسوائی سے بچ سکیں۔

اسی طرح علماء ومشائخ ومزارات اولیاء کے لئے سجدہ کرنا قطعاً حرام وناجائز ہے اگرچہ اس میں تعظیم وتحیت ہی مقصود ہو۔

نوٹ: سجدہ تحیت کے بارے میں بعض فقہاء سے کفر کا قول منقول ہے لیکن تحقیق کے بعد اس کو کفر صوری پر محمول کیا گیا ہے۔

طریقہ محمدیہ (قلمی) نوع سیزدہم آفات قلب میں تذلل کو حرام بتا کر فرمایا:

ومنه السجود والركوع والانحناء للكبراء عند الملاقات والسلام ورده

(یعنی) امراء وسلاطین کیلئے سجدہ، رکوع یا رکوع تک جھکنا بھی حرام وممنوع ہے۔ ایسے ہی امراء وسلاطین اور مشائخ طریقت کیلئے زمین کو بوسہ دینا بھی حرام ہے اور اس فعل کو کرنے والا اور اس سے خوش وراضی ہونے والا دونوں گناہگار ہوں گے۔ (الکافی)

فقیہہ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص بادشاہ یا امیر کے سامنے زمین کو بوسہ دے یا سجدہ کرے اگر وہ سجدہ تعظیمی ہوگا تو اس سے وہ شخص مشرک وکافر تو نہیں ہوگا لیکن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اگر عبادت کی نیت سے کرے گا تو مشرک وکافر ہو جائے گا اور اگر اس کی نیت کچھ بھی نہ ہو تو اکثر علماء کے نزدیک وہ کافر نہیں ہوگا۔

امام صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

من قبل الارض بين يدى السلطان او اميرا وسجدله فان كان على وجه التحية لايكفرولكن ارتكب الكبيرة (مجمع الانہر)

ترجمہ: جس نے بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے سامنے زمین کو بوسہ دیا یا اسے سجدہ کیا اگر تعظیم کیلئے ایسا کیا تو کافر نہ ہوگا لیکن کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔

اسی طرح علماء ومشائخ کو تعظیمی سجدہ کرنا مزارات کی طرف سجدہ کرنا اور رکوع کی حد تک جھکنا بھی حرام قطعی ہے۔

حضرت امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کے ادب واحترام کیلئے حد رکوع سے کم تک جھکنے میں کوئی حرج نہیں۔

ولاباس بما نقص من حدالرکوع (الحدیقۃ الندیۃ ص ۳۹۱)

(البینات شرح مکتوبات ۱/۲۰۷)

مزارات پر حاضری دینے کا شرعی طریقہ

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزارات پر حاضری دینے کا صحیح طریقہ بھی عرض کر دیا جائے ...... تاکہ عوام الناس اس سے نفع اٹھائیں اور مخالفین غیر ذمہ دار حضرات کی وجہ سے اہل سنت وجماعت کو کوسنے اور طعن وتشنیع کرنے سے باز رہیں۔

مزارات اولیاء پر قبور مقدسہ کی زیارت کی میت سے جانا چاہیے، کیونکہ زیارت قبور سنت ہے......فرمان نبوی ہے:

میں تمہیں زیارت قبور سے منع کیا کرتا تھا۔ اب ان کی زیارت کیا کرو، کیونکہ اس سے دنیا بھولتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔

(ابن ماجہ ۱۱۳، ۱۱۴، مسلم ۱/۳۱۴، مشکوۃ ص ۱۵۴، ابوداؤد ۲/۱۰۵)

وہاں پہنچ کر سلام عرض کیا جائے......مثلاً: السلام علیکم یا سیدی، جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو انہیں سلام کہو......(مسلم ص ۱/۳۱۴، ترمذی ۱/۱۲۵، مشکوۃ ص ۱۵۴)

قبر کو بوسہ دینا فرض، واجب نہیں ہے، ہاں اسے شرک اور کفر قرار دینا بھی غلط ہے......مزار کو نہ تو سجدہ کرے اور نہ ہی حد رکوع تک جھکے......صاحب مزار کے

مواجہہ کی طرف کھڑا ہو جائے ...... یوں کہ چہرہ مزار کی طرف ہو اور پشت قبلہ کی جانب ...... تلاوت قرآن، تسبیح و تہلیل، درود و استغفار پڑھ کر ان کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کرے (ایصال ثواب متعدد احادیث مبارکہ سے ثابت ہے) ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کیلئے دعا گو ہو...... اور اپنی حاجت اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے کیونکہ نیکوں کے پاس اللہ کی رحمت ہوتی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ان رحمت اللہ قریب من المحسنین (الاعراف:۵۶)

صاحب مزار کا وسیلہ پیش کرنا بھی درست ہے: آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے وسیلہ کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو اپنے وسیلے سے دعا مانگنے کا حکم فرمایا۔

(ابن ماجہ ص ۱۰۰، ترمذی ۲/ ۱۹۸، مسند احمد ۴/ ۱۳۸، مستدرک ۱/ ۳۱۳، ۵۱۹، ۵۲۶، الاذکار ص ۱۶۷)

اور حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ) کی مغفرت اور قبر کی کشادگی کے لئے آپ نے اپنے اور انبیاء سابقین کے وسیلہ سے دعا فرمائی تھی۔ (المعجم الکبیر ۲۴/ ۲۷۸، حلیۃ الاولیاء ۳/ ۱۲۱، مجمع الزوائد ۹/ ۲۰۴)

اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ صاحب مزار سے درخواست کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کردے...... جیسا کہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے زمانہ فاروقی میں قحط کے وقت روضۂ نبوی پر عرض کیا تھا...... یارسول اللہ!...... خدا سے بارش کی دعا فرمادیں، امت ہلاکت کے قریب پہنچ چکی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۳۲، فتح الباری ۲/ ۴۹۵، ۳۹۷، البدایہ والنہایہ ۷/ ۹۴، ۹۲، ۹۱)

مسئلہ زیارت قبور و حاضری مزارات پر چند اکابرین کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں

حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کا عمل

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے عمل یہ ہے

تقبیل قبور رامستحسن نمے داشتند (زبدۃ المقامات)

آپ قبروں کا بوسہ لینا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

ابتداء میں آپ بوسہ لیتے تھے، پھر مزار پر ہاتھ لگا کر چومتے بعد ازیں اسے بھی ترک کر دیا۔ (جواہر مجددیہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا موقف

آپ فرماتے ہیں:

زیارت قبور مستحب ہے، کیونکہ اس سے قلب میں رقت اور موت و مصائب یاد آتے ہیں، اس کے کثیر فوائد ہیں اس میں اہم چیز یہ ہے کہ میت کیلئے دعا اور بخشش طلب کی جائے۔ اس کے متعلق سنت مبارکہ بھی ہے، حضور اکرم ﷺ جنت البقیع میں تشریف لا کر انہیں سلام بھی فرماتے اور ان کے لئے استغفار بھی، بہر حال...... حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کے علاوہ کسی سے مدد طلب کرنا، سو کثیر فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے، جبکہ مشائخ صوفیہ قدس اسرارہم اور بعض فقہاء علیہم الرحمۃ نے اس کا اثبات کیا ہے اور یہ امر اہل کشف اور صاحب کمال حضرات کے ہاں ثابت شدہ ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور بے شک ان میں سے کثیر لوگوں کو ارواح اولیاء سے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں ایسے گروہ کو صوفیہ کی اصطلاح میں ''اویسی'' کہا جاتا ہے...... امام شافعی فرماتے ہیں، امام موسیٰ کاظم کی قبر دعا کی قبولیت کیلئے تریاق مجرب (آزمودہ نسخہ) ہے، امام غزالی فرماتے ہیں: جس سے زندگی میں مدد طلب کی جا سکتی ہے، اس سے وفات کے بعد بھی مدد مانگی جا سکتی ہے، اور زیارت کے آداب یہ

ہیں کہ آدمی قبر کی طرف رخ کر کے اور قبلہ کی جانب پشت کر کے صاحب مزار کے چہرے کے بالمقابل کھڑا ہو، اور سلام عرض کرے، نہ قبر کو چھوئے نہ ہی اسے بوسہ دے اور نہ جھکے، اور جمعہ کے دن زیارت کرنا زیادہ بہتر ہے، خصوصاً اس کے ابتدائی حصہ میں، اور روایت میں آیا ہے کہ میت کو جمعہ کے روز باقی دنوں کی نسبت بہت زیادہ احساس وادراک دیا جاتا ہے...... (لمعات ۱/۶۳۳، بحوالہ حاشیہ مشکوۃ ص ۱۵۴)

اعلحضرت علیہ الرحمۃ کا موقف

آپ فرماتے ہیں:

بلاشبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے، خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو، یہی ادب ہے، پھر تقبیل کیونکر متصور ہے، یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔ (احکام شریعت حصہ سوم: ۲۵۴ مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

⦿ ...... مزید فرماتے ہیں:

مزارات کو سجدہ کرنا یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام اور حد رکوع تک جھکنا ممنوع۔ (الزبدۃ الزکیہ)

⦿ ...... مزار کو بوسہ دینے سے بچنا چاہئے اسی میں تعظیم زیادہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ باب الجنازہ ۴/۸)

⦿ ...... بعض علماء (بوسہ قبر کی) اجازت دیتے ہیں اور بعض روایات بھی نقل کرتے ہیں...... مگر جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں تو اس سے احتراز ہی چاہئے۔

(فتاویٰ رضویہ باب جمل النور ۴/ ۱۸۱ و ۱۸۰)

⦿ ...... مزارات شریف پر حاضری کے وقت قدموں کی طرف سے جائے اور

صاحب مزار کے چہرہ کی طرف کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو اور درمیانی آواز میں باادب سلام عرض کرے "السلام علیک یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر درود شریف تین بار، الحمد شریف ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص سات بار، پھر درود شریف تین بار، اگر وقت ہو تو سورۃ یٰسین اور سورۃ ملک بھی تلاوت کرے اور اللہ عزوجل سے دعا کرے: الٰہی! اس قرات پر مجھے اتنا ثواب عطا فرما جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل اور اسے میری طرف سے اس بندہ مقبول کو عطا فرما، پھر اپنی جو جائز حاجت ہو اس کیلئے دعا کرے، اور صاحب مزار کی روح کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے پھر اسی طرح سلام عرض کر کے واپس آ جائے۔الخ (فتاویٰ رضویہ ۹/۵۲۲)

مفسر قرآن علامہ سعیدی کا موقف

آپ لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی جائے کیونکہ زیارت قبور سنت ہے، ان کے مزارات پر ایصال ثواب کیا جائے، یہ بھی احادیث سے ثابت ہے، ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی جائے، کیونکہ قرآن مجید میں وفات یافتہ مسلمانوں کے لئے دعا کرنے کی تعلیم ہے، اور ان کے وسیلہ سے اپنی حاجات کی قبولیت کیلئے دعا کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کیلئے اپنے اور انبیاء سابقین کے وسیلہ سے دعا فرمائی ہے اور زیادہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اس کی اصل نابینا کی حدیث ہے۔ (تبیان القرآن ۱/۱۹۴)

شارح مکتوبات حضرت ابوالبیان کا موقف

آپ فرماتے ہیں:

طریقہ محمدیہ (قلمی) نوع سیزدہم آفات قلب میں تذلل کو حرام بتا کر فرمایا

ومنه السجود والركوع والانحناء للكبراء عندالملاقات والسلام ورده

(یعنی) امراء وسلاطین کیلئے سجدہ، رکوع یا رکوع تک جھکنا بھی حرام وممنوع ہے، ایسے ہی امراء وسلاطین اور مشائخ طریقت کیلئے زمین کو بوسہ دینا بھی حرام ہے اور اس فعل کو کرنے والا اور اس سے خوش وراضی ہونے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔ (الکافی)

اسی طرح علماء ومشائخ کو تعظیمی سجدہ کرنا، مزارات کی طرف سجدہ کرنا اور رکوع کی حد تک جھکنا بھی حرام قطعی ہے۔ حضرت امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کے ادب واحترام کیلئے حد رکوع سے کم تک جھکنے میں کوئی حرج نہیں۔ (البینات ۱/۷۰۲)

یاد رہے مزار پر سبز ٹہنی یا پھول ڈالنا درست بلکہ مسنون ہے اور قبر پر دیا اور اگر بتی جلانا اگر تو وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی تسکین اور انہیں روشنی دینا مقصود ہو تو درست ہے پھر چراغ وغیرہ قبر پر رکھنا ممنوع ہے، قبر سے علیحدہ رکھیں۔ اس کے علاوہ اگر بتی اور چراغ جلانا ناجائز اور غلط ہے اسی طرح مزار پر بے تحاشا چادریں ڈالنا بھی درست نہیں، پھولوں کی ایک چادر ہی کافی ہے۔

چند خلاف سنت امور کی نشاندہی

درج ذیل سطور میں چند ان امور کا ذکر پیش خدمت ہے جنہیں عوام الناس اور جاہل پیروں نے اپنی ولایت اور پیری مریدی کا ڈھونگ رچانے کیلئے شہرت دے

رکھی ہے۔

نسوانی وضع قطع

بعض بزعم خود پیروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی نسوانی وضع قطع کے بل بوتے پرولایت چمکاتے ہیں...... سر کے بالوں کی لمبائی خلاف سنت، شوخ اور گلابی رنگ کا اور ریشمی لباس، سونے کی انگوٹھی و دیگر نسوانی متشابہات کے حامل ہوتے ہیں حضور اکرم ﷺ تمام تر حسن و جمال اور خوبی و کمال کا مرقع ہیں۔

❁...... آپ کے مبارک بالوں کے متعلق تین قسم کی روایات ملتی ہیں:

۱...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان شعر رسول اللّٰہ ﷺ الیٰ انصاف اذنیہ (مسلم ۲/۲۵۸، مشکوۃ ۵۱۶)

حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کانوں کے نصف حصہ تک ہوتے تھے۔

۲...... حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

شعر یبلغ شحمۃ اذنیہ (بخاری ۱/۵۰۲، مسلم ۲/۲۵۸، مشکوۃ ۵۱۶)

آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے۔

۳...... ایک روایت میں ہے:

کان یضرب شعرہ منکبیہ (مسلم ۲/۲۵۸، مشکوۃ ۵۱۶)

آپ کے بال مبارک کندھوں کو چھوتے تھے۔

آپ نے دیکھ لیا حضور اکرم ﷺ کے مبارک بالوں کی لمبائی کندھوں سے تجاوز نہ کرتی۔

❁...... حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں:

حضور اکرم ﷺ نے مجھ پر دو گلابی رنگ کے کپڑے دیکھے آپ نے فرمایا:

هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها

یہ کفار کا لباس ہے تو تم اسے نہ پہنو!

آپ فرماتے ہیں میں نے ان کپڑوں کو دھویا بلکہ (جب رنگ نہ اترا تو) ان کو جلا ڈالا۔ (مسلم ۲/۱۹۳، مشکوٰۃ ۳۷۴)

⊙ ...... دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے میرے گلابی رنگ کے لباس کو دیکھ کر فرمایا: ماھذا یہ کیا ہے؟ میں آپ کی ناراضگی کو سمجھ گیا، میں نے جا کر اسے جلا دیا...... جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تو نے اپنے کپڑے کا کیا؟ میں نے عرض کیا حضور! میں نے اسے جلا دیا ہے...... آپ نے فرمایا:

افلا کسوته بعض اهلک (ابوداؤد ۲/۲۰۸، مشکوٰۃ ۳۷۶)

تو نے وہ اپنی کسی خاتون کو کیوں نہ پہنا دیا، بے شک عورتوں کیلئے اس لباس کو پہننے میں کچھ حرج نہیں۔

❁ ...... ریشمی لباس اور سونا بھی مسلمان مردوں پر حرام ہے۔

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه في الاخرة (بخاری ۲/۸۶۷، مسلم ۲/۱۹۲، مشکوٰۃ ۳۷۳)

جس نے ریشم دنیا میں پہنا وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔

⊙ ...... ایک اور مقام پر فرمایا:

انما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الاخرة

(بخاری ۲/۸۶۷، مشکوٰۃ ۳۷۳)

دنیا میں وہی ریشم پہنے گا جس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہ ہو۔

⊙ ...... حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں نبی کریم نے ارشاد فرمایا:

ان الله عزوجل احل لاناث امتي الحرير والذهب وحرمه

علیٰ ذکورھا (ترمذی ۱/۲۰۵، نسائی جلد ۲ رقم ۵۲۶۷ واللفظ لہ، مشکوٰۃ ۳۷۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کیلئے حلال کیا ہے اور مردوں پر حرام۔

⊙ ...... حضرت علی فرماتے ہیں:

نبی کریم نے ریشم کو دائیں ہاتھ میں پکڑا اور سونے کو بائیں ہاتھ میں ثم قال ان ھذین حرام علیٰ ذکور امتی (ابو داؤد ۲/۲۰۶، مشکوٰۃ ۳۷۸)

پھر آپ نے فرمایا بے شک یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

⊙ ...... رہبر دو عالم، رسول مکرم ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا جس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی کیا وجہ ہے مجھے تجھ سے بتوں کی بو آتی ہے، آپ نے وہ انگوٹی پھینک دی، دوبارہ تشریف لائے تو اسنے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے میں تجھ پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں، آپ نے وہ بھی پھینک دی۔ تو اس صحابی نے عرض کیا:

یارسول اللہ! میں کس شئی سے انگوٹھی بنواؤں؟ تو آپ نے فرمایا:

اتخذہ من ورق ولا تتمہ مثقالاً (ابو داؤد ۲/۲۲۹، مشکوٰۃ ص ۳۷۸)

چاندی کی انگوٹھی بنواؤ اور اس کا وزن ایک مثقال (ساڑھے چار ماشے) نہ ہو۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ ریشم اور سونا مردوں کیلئے حرام ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ریشم کا لباس مردوں کیلئے حرام ہے البتہ اگر کسی کپڑے پر چار انگل کی مقدار ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے ہوں تو جائز ہے...... جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نھی رسول اللہ ﷺ عن لبس الحریر الا موضع اصبعین او ثلاث او اربع (مسلم ۲/۱۹۲، ترمذی ۱/۲۰۵، مشکوٰۃ ۳۷۴)

حضور اکرم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے سوائے دو، تین یا چار انگلیوں کی

مقدار کے۔

داڑھی کی مخالفت

بعض نام نہاد پیر آئے دن داڑھی پر برستے رہتے ہیں، کچھ تو سرے سے کلین شیو ہوتے ہیں اور بعض نے فرنچ کٹ اور خشخشی یعنی برائے نام داڑھی رکھی ہوتی ہے...... حالانکہ داڑھی ہمارے آقا، محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی محبوب سنت ہے...... آپ نے سختی سے داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے...... ملاحظہ ہو!

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفروا اللحیة

(بخاری ۲/۸۷۵، مسلم ۱/۱۲۹ واللفظ لہ، مشکوٰۃ ص ۳۸)

مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرو اور داڑھی بڑھاؤ!

⊙ ...... ایک اور مقام پر فرمایا:

احفوا لشوارب واعفوا اللحی ولا تشبھوا بالیھود (شرح معانی الآثار ۲/۲۷۸)

مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ، یہودیوں کی سی صورت نہ بناؤ!

یعنی مونچھیں بڑھانا اور داڑھیاں کٹانا (کم کرانا) یہ مشرکین اور یہودیوں کا طریقہ ہے، مسلمانوں کا نہیں۔

⊙ ...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مونچھوں کو بہت کم کرنے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ (مسلم ۱/۱۲۹، ابوداؤد ۲/۲۲۱، ترمذی ۲/۱۰۰)

⊙ ...... حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں تراشو اور داڑھی دراز کرو اور مجوس کی مخالفت کرو۔ (مسلم ۱/۱۲۹)

⊙ ...... ایک مرتبہ دربار رسالت میں دو مجوسی (آتش پرست) حاضر ہوئے، ان کی

داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں...... تو آپ کو ان کے دیکھنے میں بھی کراہت محسوس ہوئی...... آپ نے پوچھا، تم دونوں برباد ہو، تمہیں ایسا کرنے کا کس نے حکم دیا؟ وہ بولے: ہمارے پروردگار یعنی شاہ ایران نے، حضور نے فرمایا

لکن ربی امرنی باعفاء لحیتی وقص شواربی (الطبقات الکبریٰ)

مجھے تو میرے پروردگار نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں ترشوانے کا حکم فرمایا ہے۔

⊙ ...... ایک روایت میں ہے کہ ایک مجوسی نے کہا کہ ہمارے دین میں ہے کہ داڑھی منڈھائی جائے اور مونچھیں بڑھائی جائیں تو آپ نے فرمایا ہمارے دین میں ہے کہ ہم مونچھیں کٹائیں اور داڑھیاں بڑھائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۳۷۹)

غور فرمائیں! آتش پرستوں کی داڑھی منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئیں دیکھ کر حضور ﷺ کو کراہت اور ناپسندیدگی ہوئی تو جب اپنی امت کو اس حالت میں دیکھیں گے تو چہرۂ انور نہ پھیر لیں گے؟۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

فسبحنه ما اسخف عقول قوم طولوا الشارب واعفوا اللحی (عمدۃ القاری)

سبحان اللہ! ان لوگوں کی عقلیں کس قدر بے مایہ ہیں جنہوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں پست کی ہیں۔

مریدنیوں کی بے پردگی

دور حاضر میں ایسے پیر کہلانے والے بھی موجود ہیں جو غیر محرم عورتوں سے قطعاً پردہ نہیں کرواتے...... عورتیں ان کے ہاتھ چومیں، ان کو دبائیں تو بھی ان کی پیری مریدی اور ولایت میں کچھ فرق نہیں آتا...... بے وقوف مرید بھی شرم وحیا اور

عفت و غیرت سے دستبردار ہو جاتے ہیں...... اپنی عورتوں کو بے پردہ بلکہ تنہائی میں پیروں سے ملاقاتیں کرواتے ہیں اس قسم کے نفس پرست پیر جب بے ہودہ اور غلط معاملات کر گزرتے ہیں تو پھر کف افسوس ملتے ہیں...... آئے دن ایسے حیا سوز واقعات اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں...... لہذا پردہ کے متعلق چند حقائق ملاحظہ ہوں!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یاایھا النبی قل لازواجک وبنتک ونسآء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن (الاحزاب ۵۹)

اے نبی! اپنی ازواج، اپنی صاحبزادیوں اور مومنوں کی عورتوں کو فرما دیں کہ وہ اپنے اوپر بڑی چادریں ڈال لیا کریں۔

⊙ مزید فرمایا:

واذا سالتموھن متاعاً فسئلوھن من ورآء حجاب (الاحزاب ۵۳)

اور جب تم ان (حضور کی ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو!۔

ملاحظہ فرمائیں! حضور کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں لیکن پھر بھی حکم ہے کہ پردے کا اہتمام کرو، اور صحابہ کرام اگر ان سے کوئی چیز طلب کرنا چاہیں تو پردے کے ساتھ طلب کریں۔

⊙ ارشاد نبوی ہے:

لایخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثھا الشیطن

(ترمذی ۲/۳۹، مسند احمد ۱/۱۸، مستدرک ۱/۱۱۳، مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

جب کوئی مرد کسی (غیر محرم) عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

⊙ ...... ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ سے فرمایا پردے میں چلی جاؤ، انہوں نے عرض کیا: حضور! یہ تو نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھ سکتے...... تو آپ نے فرمایا:

افعمیاوان انتما...... الستماتبصرانه

کیا تم دونوں بھی بینائی نہیں رکھتیں...... کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں؟۔ (ترمذی ۲/۱۰۱، ابوداؤد ۲/۲۱۲)

غور فرمائیں! حضور تو نابینا آدمی سے بھی پردے کا حکم دیں اور یہ پیر دیدہ و بینا سے بھی پردہ نہ کروائیں...... بعض ناداں کہہ دیتے ہیں...... جی! ہمارے پیر ہمارے باپ کی جگہ ہیں لہذا پردے کی ضرورت نہیں...... حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر امت کی سربراہی اور سرپرستی کسے حاصل ہے...... آپ امت کے روحانی باپ ہیں۔ لیکن آپ سے بھی غیر محرم عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں...... اور آپ کا دست مبارک کسی غیر عورت سے مس نہیں ہوا۔

⊙ ...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اومات امراۃ من ورآء ستر بیدھا کتاب الی رسول اللہ ﷺ

(ابوداؤد ۲/۲۱۸)

⊙ ...... ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے آپ کو کتاب (خط) دینے کیلئے ہاتھ بڑھایا، دیکھیں تمام تر عفت و پاکدامنی کے ہوتے ہوئے بھی اس عورت نے پردے میں آپ کو خط پیش کیا۔

⊙ ...... ایک عورت کا بیٹا شہید ہو گیا وہ اس کے متعلق معلومات لینے کے لئے نقاب اوڑھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی (ابوداؤد ۲/۳۳۷)

⊙ ...... اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان النبی ﷺ یبایع النساء...... وما مست بد رسول

یدامراۃ......الخ (بخاری۲/۱۰۷۱)

یعنی آپ عورتوں کو کلام کے ساتھ بیعت فرماتے آپ کا کبھی ہاتھ مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔

جب خود سرور کائنات، رسول مکرم ﷺ عورتوں کو بے پردہ سامنے نہ آنے دیں اور کسی عورت کا ہاتھ آپ کے ہاتھ مبارک کے ساتھ مس نہ ہو تو پھر آپ سے بڑھ کر کون سا بزرگ، استاد یا پیر نیک نظر اور پاکدامن ہو سکتا ہے کہ اس سے پردہ نہ کیا جائے۔

⊙ ...... جبکہ شہنشاہ ولایت، امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا تھا:

یاعلی لاتتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولیٰ ولیست لک الاخرۃ (ترمذی۲/۱۰۱، مجمع الزوائد۸/۶۲)

اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈال کیونکہ پہلی نظر (جو اچانک پڑے) تیرے لیئے معاف ہے اور دوسری نظر کا تجھ پر وبال ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم ہے تو ماوشما کس شمار وقطار میں؟۔

بے پردگی، فحاشی اور عریانی کے دلدادہ پیروں، مریدوں اور مریدنیوں کو اس پر غور کرنا چاہیئے، بے پردگی سے بچنے کا حکم اسلام نے دیا ہے......مولویوں کی آڑ لے کر اور اسے ''مولویت'' قرار دے کر پردہ کے احکامات کو ٹھکرانے والوں کو اللہ ورسول کی ناراضگی اور قبر و حشر کے عذاب اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے ڈرنا چاہیئے۔

نسب بدلنے کی حرمت

دور جاہلیت کے عرب دیگر گوناگوں خرابیوں کے ساتھ ساتھ تفاخر کی بیماری

میں بھی بری طرح مبتلا تھے، وہ خود کو سب سے برتر خیال کرتے ۔ تفاخر کا یہ نظریہ فقط جاہل اور غیر مہذب عربوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر جو متمدن اور شائستہ قومیں آباد تھیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی صورت میں اس بیماری میں مبتلا تھی ۔ کہیں اپنی نسل اور قومیت پر فخر کیا جاتا، کہیں ان کے وطن کی سرزمین ان کی بڑائی اور برتری کا باعث تھی، کہیں زبان و رنگ وجہ افتخار بنے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے جنگ و جدال کا ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا، اسلام چونکہ اتحاد و اتفاق کا مدعی ہے لہذا اسلام نے رنگ و روپ ،ذات پات اور قومیت و برادری ازم کے تمام اختلافات کو یکسر مٹا دیا......اور بتایا کہ اسلام کے نزدیک اصل برداری ایمانی اور دینی برادری ہے۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المومنون اخوه (الحجرات ۱۰)

بے شک اہل ایمان بھائی ہیں۔

⊙ ...... اسی بات کو ایک مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

یآایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے اللہ کی بارگاہ میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

یعنی کسی خاندان میں پیدا ہونا، کسی خاص زمین کا باشندہ اور چہرے کا رنگ و روپ وجہ افتخار اور فخر و مباہات کی بنیاد نہیں ہے، فقط ایک چیز ہے جو انسان کو دوسرے افراد سے ممتاز، اعلیٰ اور برتر بنا دیتی ہے اور وہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے یہی وجہ ہے کہ کسی اونچے خاندان والے کو نچلے خاندان والے کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے اور

اسی طرح کسی نچلے خاندان سے تعلق رکھنے والے کو محض فخر ومباہات کیلئے خود کو کسی اونچے خاندان سے منسوب نہیں کرنا چاہیے۔

لیکن اس کے برعکس عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عوام الناس تو رہے ایک طرف خود کو پیر کامل اور مرشد برحق باور کرانے والے حضرات آج شیخ ہوتے ہیں تو کل سید اور شاہ کے سابقے اور لاحقے ان کے اسماء گرامی کے ساتھ چسپاں دکھائی دیتے ہیں...... ہاشمی سے سید بن جانا تو کوئی جرم ہی نہیں سمجھا جاتا...... گویا فقط اپنی پیری، مریدی کی پھیلی دکان کو چمکانے کی خاطر سیادت کی حرمت کو پامال کر دیا جاتا ہے۔ بظاہر تو شاید اسے بہت بڑا کمال یا "پیر مغاں" کی کرامت سے تعبیر کیا جائے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث پاک میں نسب بدلنے والے اور غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں پر لعنت اور جنت کے حرام ہونے کی وعید آئی ہے۔

⊙ ...... جیسا کہ حضرت سیدنا سعد اور حضرت سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من ادعی الی غیر ابیه وهو یعلم انه غیر ابیه فالجنه علیه حرام

(بخاری ۲/۱۰۰۱، مسلم ۱/۲۵۷)

یعنی جس نے جان بوجھ کر خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا اس پر جنت حرام ہے۔

⊙ ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لاترغبوا عن ابائکم فمن رغب عن ابیه فهو کفر

(بخاری ۲/۱۰۰۱، مسلم ۱/۵۷)

اپنے آباء سے نہ پھرو، جس نے اپنے باپ سے رخ موڑا اس نے کفر کیا۔

نماز کے تارک

اللہ رب العزت نے امت مسلمہ پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں (بخاری ۱/۵۱، مسلم ۱/۳۰، مشکوٰۃ ص ۵۸)......اس کی اہمیت وافضلیت کا اندازہ اسی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ دیگر فرائض کو زمین پر نازل کیا گیا جبکہ نماز کا تحفہ محبوب کو لامکاں پہ بلا کر عنائت فرمایا

نماز ہر عاقل بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے......اس کا تارک حرام کا مرتکب اور اس کی فرضیت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے......رسمی پیروں میں جہاں اور غلط امور پائے جاتے ہیں وہاں ایک بنیادی خرابی ترک نماز کی بھی ہے......بعض جاہل تو کہہ دیتے ہیں کہ ہماری دل کی نماز ہے......فقیر ہر وقت نماز میں ہی ہوتا ہے معاذ اللہ...... کہتے ہیں اوجی! ہم مولویوں والی نماز نہیں پڑھتے...... ہماری نماز کعبہ میں ہوتی ہے......بعض کہتے ہیں ہماری نماز عرش پر ہوتی ہے وغیرہ ذلک من الخرافات

بعض لوگ نماز کی فرضیت واہمیت کا زبان سے تو انکار نہیں کرتے...... کہتے ہیں نماز ضروری ہے، پڑھنی چاہیے......لیکن خود نہیں پڑھتے اور بعض نام نہاد اپنے مریدین کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ تزکیہ نفس کے بغیر نماز پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس کو محض ٹکر اور اٹھک بیٹھک قرار دے کر شریعت محمدی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

الصلوٰۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین (الفردوس ۲/۴۰۴)

نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا جس نے اسے ترک کیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔

⊙ ...... احادیث مبارکہ میں اس بات کی تصریح بھی ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے

والا ملت اسلامیہ اور اللہ کے ذمہ سے نکل جاتا ہے۔ (الترغیب ۱/۳۸۵، مجمع الزوائد ۱/۲۸۰)

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لااله الاالله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة و ایتاء الزکوة والحج وصوم رمضان

(بخاری ۱/۶، مسلم ۱/۳۲، مشکوٰۃ ص ۱۲)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

رأس الامرا لاسلام وعموده الصلوٰة

(ترمذی ۲/۸۶، ابن ماجہ برقم ۳۹۷۳، مسند احمد ۵/۲۳۱، مشکوٰۃ ۱۴)

امر دین کی بنیاد اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

العهد الذی بيننا وبينهم الصلوٰة فمن تركها فقد كفر

(ترمذی ۲/۸۶، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ۵۸)

وہ وعدہ جو ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان فرق کرتا ہے نماز کا ہے جس نے اسے ترک کیا اس نے کفر کیا۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

بين الرجل وبين الشرک و الكفر ترک الصلوٰة

(مسلم ۱/۶۱، ترمذی ۲/۸۶، مشکوٰۃ ۵۸)

بندے اور شرک و کفر کے درمیان فرق نماز کو چھوڑنا ہے

ان روایات میں نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا اور اسے ترک کرنا کفر بتایا گیا ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

بندے سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب ہوگا، وہ نماز ہے۔(مسند احمد ۲/ ۳۲۸، ترمذی ۱/ ۵۵)

o...... حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

ای الاعمال احب الی اللّٰہ قال الصلوٰۃ علی وقتھا

(بخاری ۱/ ۷۶، مسلم ۱/ ۶۲، مشکوٰۃ ۵۸)

اللہ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے آپ نے فرمایا نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا۔

⊙ ...... حضور اکرم نے ارشاد فرمایا:

تلک صلوٰۃ المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا کانت بین قرنی الشیطان قام فنقر اربعاً لایذکر اللّٰہ فیھا الاقلیلاً (مسلم ۱/ ۲۲۵، مشکوٰۃ ۶۰)

یہ منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب وہ زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو وہ چار ٹھونگیں لگاتا ہے ان میں بالکل تھوڑا اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتاً (النساء ۱۰۳)

⊙ ...... بے شک نماز مومنوں پر وقت میں (ادا کرنا) فرض ہے۔

معلوم ہوا نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنا فرض ہے اور اصل وقت گذار کر نماز ادا کرنا منافق کی عادت ہے

⊙ ...... ارشاد خداوندی ہے:

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الرکعین (البقرہ)

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

من سمع المنادی فلم یمنعہ من اتباعہ الاعذر قالوا وما العذر قال خوف او مرض لم تقبل منہ الصلوٰۃ التی صلی (ابوداؤد ۱/۸۱، مشکوٰۃ ص ۹۶)

یعنی جس شخص نے اذان سنی اور بغیر عذر جماعت سے نماز نہ پڑھی اس کی پڑھی ہوئی نماز قبول نہ ہوگی صحابہ نے عرض کیا: عذر کیا ہے؟ فرمایا: خوف یا مرض (بعض روایات میں کھانے، پیشاب اور پاخانہ کی حاجت کے وقت یا پیٹ میں (گیس وغیرہ کی وجہ سے) خرابی کے وقت نماز کو موخر کرنے کی اجازت دی گئی ہے ملاحظہ ہو!۔ (بخاری ۱/۹۲، مشکوٰۃ ۹۶، ترمذی ۱/۴۶، ابوداؤد)

⊙ ...... حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

ولوانکم صلیتم فی بیوتکم کمایصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم (مسلم ۱/۲۳۲، مشکوٰۃ ۹۷، ابن ماجہ ۵۷)

اگر تم نے جماعت چھوڑنے والے اس شخص کی طرح اپنے گھروں میں نماز پڑھی تو تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کے تارک ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لکفرتم (ابوداؤد ۱/۸۸) کہ تم کافر ہو جاؤ گے

⊙ ...... ایک مقام پر آپ نے بلاوجہ گھروں میں نماز پڑھنے والوں کے متعلق فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں نماز کھڑی کرنے کا حکم دوں اور پھر اپنے ساتھ ایسے افراد کو لے کر جاؤں جن کے ہاتھوں میں آگ کے انگارے ہوں اور ان لوگوں کو گھروں

سمیت جلا ڈالوں جو نماز کیلئے نہیں آتے۔ (مسلم ۱/۲۳۲، ابوداؤد ۱/۸۱، مشکوٰۃ ص ۹۷)

بغیر عذر جماعت چھوڑنے والے اس پر غور فرمائیں!

کیا عورت پیر بن سکتی ہے؟

حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ بعض ناعاقبت اندیشوں نے عورتوں کو بھی پیری مریدی کی مسند پر پہنچا دیا ہے...... اور وہ پیر بننے والی عورتیں بڑے مزے اور دھڑتے کے ساتھ نہ صرف عورتوں سے بلکہ مردوں سے بھی بیعت لیتی ہیں...... اور نوجوان طبقہ اپنی خواہشات نفسانی کو مٹانے کیلئے ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دیکر ہاتھوں، پاؤں اور آنکھوں کے زنا میں مصروف ہیں...... اور ستم بالائے ستم یہ کہ انہیں محرم اور غیر محرم، پردہ اور بے پردگی، دن اور رات میں ملاقات کا بھی کوئی احساس تک نہیں...... مرید بیٹے بنے ہوئے ہیں اور ''پیرنیاں'' ان کی مائیں...... اور حد یہ کہ ''پیرنی'' بھی جوان اور مریدین بھی جوان...... اگر یہ خلوت میں ہوں تو ان کے درمیان تیسرا آجاتا ہے شیطان...... پھر وہ کب قائم رکھ سکیں گے اوامر ونواہی قرآن۔

اسلام کا درد رکھنے والے سوچیں کہ کہاں عورت جسکا معنی ہی یہ ہے کہ وہ چیز جس کو پردے میں رکھنا ضروری ہو...... اور کہاں اسے بے پردہ کر کے نظارہ ومشاہدہ کے لئے بیٹھا دیا جائے...... اسلام عورت کو شمع محفل نہیں چراغ خانہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے...... اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ عورت جتنی زیادہ پردے میں رہ کر نماز پڑھے گی اسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا...... ارشاد نبوی ہے:

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا و صلاتھا فی مخدعھا افضل صلاتھا فی بیتھا (ترمذی ۱/، ابوداؤد ۱/۸۴)

عورت کی نماز گھر میں صحن کی نماز سے افضل ہے اور کمرے میں نماز پڑھنا

کھلے مکان میں نماز پڑھنے سے افضل و بہتر ہے۔

دیکھیں! نماز کیلئے مسجد میں جانا بہتر نہیں گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں جانے سے بہتر ہے...... تو مریدوں سے ملاقاتیں، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کی دعوتیں اڑانے کیلئے عورتوں کا نکلنا کس طرح بہتر ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک نے حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کو حکم دیا:

⊙ ...... وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ (الاحزاب ۳۳)

اور اپنے گھروں میں ٹھری رہو اور قدیمی جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنا بناؤ سنگھار نہ کرو۔

اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ازواج النبی سے کوئی سوال کرنا چاہو، دینی مسئلہ پوچھنا چاہو تو

⊙ ...... فاسئلوھن من وراء حجاب (الاحزاب)

پس انہیں پردہ کے پیچھے سے پوچھو!

⊙ ...... یہ حدیث بھی گزری ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ کو نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا۔

ایمانداری سے فیصلہ کریں کہ جب حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات (جن کو مومنوں کی مائیں کہا گیا ہے) کو صحابہ کرام (جوان کے بیٹے ہیں اور جن کے دلوں پر اللہ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے) سے پردے کا اتنا سخت حکم ہے تو آج کل کی غیر محرم عورتیں اور بے لگام مرد کس شمار و قطار میں ہیں۔

⊙ ...... ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان النبی ﷺ یبایع النساء بالکلام ...... وما مست ید رسول اللہ ﷺ ید امراۃ الا امراۃ یملکھا (بخاری ۲/۱۰۷۱)

نبی کریم عورتوں کو زبان سے ہی بیعت کرتے تھے اور آپ کا دست مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا سوائے اپنی لونڈی کے۔

دیکھیں!

سارے نبیوں کے سردار اور محبوب کردگار کا دست مبارک تو اپنی امت کی عورتوں کے ساتھ نہ لگے (جہاں کسی قسم کے خطرے کا وہم وگمان بھی نہیں) لیکن آپ کی امت کی عورتیں غیر محرم مردوں کو دعوت نظارہ بھی دیں، ان سے دبوائیں بھی، ہاتھ سے ہاتھ ملائیں بھی...... لیکن ان کی غیرت کو کوئی دھچکا نہ لگے...... اور نہ ہی شرم وحیاء سے عاری مریدوں کو احساس ہوتا ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ**

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ (ابوداؤد ۲/۲۱۹، ترمذی ۲/۱۰۲ واللفظ لہٗ)

جو عورت خوشبو لگا کر مجلس کے پاس سے گزرے وہ ایسی ویسی ہے یعنی زناکار ہے۔

سوچیئے! کسی مجلس سے صرف گزرنے والی کو زناکار کہا گیا تو بن سنور کر، سج دھج کر عطر اور خوشبو لگا کر اپنے مریدوں کے درمیان بیٹھ کر نگاہوں کا مرکز بننے والی خاتون کو کس قدر زناکاری کا عذاب ہوگا...... **معاذاللہ**

⊙ ...... مزید فرمایا:

لاتقبل صلوٰۃ امراۃ تطیبت للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ (ابوداؤد ۲/۲۱۹، مسند احمد ۲/۲۴۶ واللفظ لہٗ)

اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جو مسجد (میں جانے) کیلئے خوشبو لگاتی ہے جب تک جنابت (کے غسل) کی طرح غسل نہ کرے۔

اللہ اکبر! نماز جو کہ سب سے اہم فرض ہے، اسکی ادائیگی کیلئے اگر کوئی عورت

خوشبو وغیرہ لگا کر جائے تو اس کی نماز کو رد کر دیا جاتا ہے، تو جو عورت شمع محفل بننے کیلئے بناؤ سنگار اور عطر خوشبو لگا کر گھر سے نکلے اس کا حشر کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ دوسروں کو بدکاری کی دعوت دے رہی ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

ولا یخلون رجل بامراء ۃ فان الشیطان ثالثھم (مسند احمد ۱/۱۸، ترمذی ۲/۳۹)

ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ جائے کیونکہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

العینان زناھما النظر والاذنان زناھما الاستماع واللسان زناہ الکلام والیدزناھا البطش والرجل زناھا الخطی والقلب یھوی ویتمنی ویصدق ذلک الفرج ویکذبہ (مسلم ۲/۳۳۶، مشکوٰۃ ص ۲۰)

دونوں آنکھوں کا زنا (غیر عورت کو) دیکھنا ہے، دونوں کانوں کا زنا (اس کی آواز) سننا ہے، زبان کا زنا (اس سے بری) بات کرنا ہے ہاتھ کا زنا، (اسے) چھونا ہے، پاؤں کا زنا (اس کی طرف) چلنا ہے اور دل تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔

غور فرمایا آپ نے؟ دوسروں کو دعوت نظارہ دینے والیں اور بن ٹھن کر نکلنے والیں اور ان کو دیکھنے والے زناکاری کے گناہ میں ملوث رہتے ہیں۔ استغفر اللہ

⊙ ...... مزید فرمایا:

ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء (بخاری، مسلم ۲/۳۵۲)

میں نے اپنے پیچھے مردوں کیلئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء (مسلم ۲/۳۵۳)

اورعورتوں (کے فتنہ) سے بچو بے شک بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے پیدا ہوا۔

ملاحظہ فرمایا! حضور اکرم تو عورتوں کے فتنہ سے سختی سے بچنے کا حکم فرما رہے ہیں اور آپ کے امتی کہلانے والے مرد، عورتوں کو پیرمان کران کی بیعت میں آ رہے ہیں ......کیا یہ دیدہ دانستہ حضور کے فرمان کی مخالفت نہیں؟...... اس فتنہ کو بھڑ کانے والے کچھ تو سوچیں!

⊙ ...... اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ نظام دیا ہے کہ حالت نماز میں عورتیں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں اور مرد عورتوں کا امام ہو، عورتیں مردوں کی امامت نہیں کرا سکتیں...... کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں ......اور مرد عورتوں پر حاکم...... جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙ ...... الرجال قوامون علی النساء (النساء ۳۴)

مرد عورتوں پر قوام (حاکم اور ان کے کفیل) ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

⊙ ...... لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (بخاری ۲/۱۰۵۲، ترمذی، مشکوۃ ۳۲۱)

وہ قوم ہرگز کامیابی نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات عورت کو سونپ دیئے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

جب مرد عورتوں کے ماتحت ہو جائیں تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ (المستدرک ۴/۲۹۱)

عورتوں کو پیرمان کر اپنے معاملات انہیں سونپ کران کے ماتحت ہو جانے والے ان حقائق پر غور فرمائیں اور اپنی عاقبت کی فکر کریں۔

جنت کی تحقیر کرنے والے صوفیوں کا رد

سب سے عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے لیکن یہ نعمت جنت میں حاصل ہوگی۔ بعض جاہل شعراء اور جعلی اور بناوٹی صوفیاء جنت کی بہت تحقیر کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رضا کی اہمیت بیان کر کے جنت کی طلب کو بہت گھٹیا اور بہت خسیس کہتے ہیں، حالانکہ قرآن اور حدیث میں جنت کی بہت فضیلت ذکر فرمائی ہے اور اس کی طلب کی ترغیب دی ہے، اور جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے خود بھی جنت کا سوال کیا ہے اور ہمیں بھی جنت الفردوس کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں دنیا کا طلب گار مونث ہے جنت کا طلب گار مخنث (ہیجڑا) ہے اور مولیٰ کا طلب گار مذکر ہے، اسی طرح یہ لوگ مدینہ منورہ کی طلب کے مقابلہ میں بھی جنت کی طلب کو گھٹیا اور خسیس کہتے ہیں:

حالانکہ رسول اللہ ﷺ جس جگہ آرام فرما ہیں وہ بھی جنت کا ایک ٹکڑا ہے اور آخرت میں بھی آپ جنت میں ہوں گے تو حضور ﷺ کی قیام گاہ اول آخر جنت ہی ہے تو پھر جنت کو مدینہ کے مقابلہ میں کیوں گھٹیا کہا جاتا ہے، اور مدینہ منورہ میں زمین کے جس ٹکڑے پر آپ اب تشریف فرما ہیں یہ آپ کی عارضی قیام گاہ ہے اور آپ کی دائمی قیام گاہ جنت ہے تو پھر آپ کی دائمی قیام گاہ کے درجہ میں کمی کرنا کیا یہی آپ سے عشق ومحبت کا تقاضا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابلہ میں بھی جنت کو کم درجہ کا اور گھٹیا کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم کو جنت نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہئے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جس جنت کی اللہ تعالیٰ نے بہت تعریف کی ہے اور اس کو طلب کرنے اور اس کی طرف دوڑنے کا حکم دیا ہے تو اس کو معمولی اور گھٹیا کہنے سے اللہ

تعالیٰ راضی ہوگا یا ناراض!

سب سے بلند درجہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور داسکی رضا کا ہے اور اس کے بعد جنت کا درجہ ہے لیکن یہ بلند درجات جنت میں ہی حاصل ہوں گے اس لئے جنت کی طرف رغبت کرنا چاہئے اور جنت کے حصول کی دعا کرنی چاہئے، حدیث میں ہے:

⊙ ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کمان کے ایک سر کے برابر جنت کی جگہ ان تمام جگہوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث ۳۱۱۸)

⊙ ...... حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ بھی دنیا اور مافیھا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۰، ۲۷۹۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱، سنن النسائی رقم الحدیث ۳۱۱۸، مسند احمد ۳/۴۳۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۰۳، المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۱۲۱)

جنت کو کم تر قرار دینے والے جاہل شعراء اور جعلی صوفی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول جنت کی دعا کی ہے: واجعلنی من ورثۃ جنۃ النعیم (الشعراء ۸۵)

اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بھی جنت کے حصول کی دعا کی ہے۔

واسئلک الدرجات العلی من الجنۃ آمین

اور میں تجھ سے جنت کے بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین

(المعجم الکبیر ۲۳/۳۱۶، رقم الحدیث: ۷۱۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۲۱۸، بیروت، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ المعجم الکبیر کی دو سندوں میں سے ایک سند اور المعجم الاوسط کی سند کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ۱۰/۱۷۷)

اور جب رسول اللہ ﷺ نے حصول جنت کی دعا کی ہے تو پھر جنت کی دعا کرنے کو کم تر قرار دینے کی کیا گنجائش ہے اور ہمارے لئے یہ حدیث کافی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا تو جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کردے اور جس نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ طلب کی تو دوزخ کہتی ہے اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/ ۴۲۱، مسند احمد ۳/ ۱۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۵۳۶، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۳۶۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۱۴، المستدرک ۱/ ۵۳۵)۔

(ماخوذ از تبیان القرآن ۷/ ۲۲۱)

⊙ ...... یہ امر مستحضر رہے کہ جنت محل رضائے الٰہی ہے لہٰذا جنت کی طلب دراصل رضائے الٰہی کی طلب ہے حضور سرور کائنات ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کا سوال کیا اور ہمیں بھی حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس طلب کریں (صحیح بخاری ص ۱/ ۳۹۱) بعض کوتاہ بینوں نے جنت کی طلب کو غیر کی طلب سمجھ لیا اور جنت سے لاپرواہی ظاہر کرنے لگے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جنت کی طلب انبیاء و مقربین کا مرتبہ ہے اور انبیاء و مقربین غیر کی طلب و محبت سے فارغ ہوتے ہیں۔ آپ نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے اس قول کہ "میں جنت کو جلانے اور دوزخ کو بجھانے چلی ہوں" کو سکر پر محمول فرمایا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ رابعہ سکر کے عالم میں جنت اور دوزخ کی حقیقت سے واقف نہ ہوئیں ورنہ یہ کلمات ان کی زبان پر نہ آتے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دوزخ محل غضب الٰہی ہے لہٰذا مقربین کا دوزخ سے پناہ

مانگنا دراصل اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ مانگنا ہے جو کہ عند اللہ شرعاً مطلوب ہے۔
اکثر شعراء اپنے کلام میں جنت اور دوزخ کو ایک معمولی اور ساقط الاعتبار شئی قرار دیتے ہیں یہ سراسر جہل اور دین سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اعاذنا اللہ من هذا الخرافات (البینات ۱/۶۲۵)

✿✿✿✿

باب نمبر 3

باب التصرف

اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو وسیع اختیارات اور بے شمار تصرفات عنائت فرما کر عام بندوں سے ممتاز فرمادیا ہے۔اس پر سطور ذیل میں قرآن وحدیث،اکابرین ومحدثین اور مخالفین کی واضح عبارات سے چند ثبوت پیش خدمت ہیں

اولیاء کی وجہ سے اہل دنیا پر کرم کی بارشیں

اولیاء کرام میں ایک گروہ ابدال کا ہے۔یہ وہ عظیم جماعت ہے جس پر پوری دنیا کے قیام کا انحصار ہے اور ان کی بدولت دنیا اور اہل دنیا پر طرح طرح کی نوازشیں ہوتی ہیں اور مصائب،آلام،نحوستیں اور مصیبتیں اٹھالی جاتی ہیں......احادیث مبارکہ سے چند شواہد ملاحظہ ہوں!

ا...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا تذکرہ کیا گیا،آپ اس وقت عراق میں تھے۔لوگوں نے کہا:اے امیر المومنین!(عراقیوں کی کارستانیوں کی وجہ سے)ان پر لعنت کیجئے!آپ نے فرمایا:نہیں......کیونکہ:

سمعت رسول الله ﷺ يقول الابدال يكونون بالشام وهم اربعون رجلا كلما مات رجل ابدل الله مكانه رجلا يسقى بهم الغيث وينتصر بهم على الاعداء ويصرف عن اهل الشام بهم العذاب (قال

الهیثمی والسیوطی رجاله رجال الصحیح ،غیر شریح بن عبید وهو ثقة وقال السخاوی ورجاله من رواة الصحیح الا شریحاً و هو ثقة

(مسند احمد ۱/۱۱۲ واللفظ لہ، مجمع الزوائد ۱۰/۶۵، مشکوٰۃ ص ۵۸۳،۵۸۲، الحاوی للفتاوی ۲/۲۴۲، اللآلی المصنوعۃ ۲/۳۳۸، فیض القدیر ۳/۱۶۹، ابن عساکر ۱/۶۱، المقاصد الحسنہ ص ۳۳، مصنف عبدالرزاق رقم ۲۰۴۵۵، ۱۱/۲۴۹)

میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں: ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس آدمی ہیں جب بھی ان میں کوئی آدمی انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے آدمی کو دے دیتا ہے، انہیں کی وجہ سے بارش نازل کرتا ہے اور انہیں کی وجہ سے انہیں دشمنوں کے مقابلے میں مدد دیتا ہے اور انہیں کی وجہ سے اہل شام سے مصیبتیں ٹالتا ہے (امام سیوطی امام ہیثمی اور حافظ سخاوی نے کہا ہے کہ اس روایت کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے شریح بن عبید کے اور وہ بھی ثقہ ہے)۔

۲...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ "لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل خلیل الرحمن فبهم یسقون وبهم ینصرون مامات منهم احد الا ابدل مکانه آخر" (قال الحافظ ابو الحسن الحیثمی فی مجمع الزوائد، اسناده حسن) وقال الزبیدی اسناد حسن

(طبرانی اوسط ۴/۲۲۶ رقم ۴۱۱۳، مجمع الزوائد ۱۰/۶۲، کنز العمال ۱۲/۱۸۸ رقم ۳۴۶۰۳، الحاوی للفتاوی ۲/۲۴۵ واللفظ لہٗ، حلیۃ الاولیاء ۱/۹)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: زمین چالیس ایسے آدمیوں سے کبھی خالی نہ ہوگی جو حضرت (ابراہیم) خلیل الرحمٰن کی مثل (یعنی ان کے زیر قدم) ہوں گے...... انہیں کی برکت سے دنیا والوں کو سیراب کیا جاتا ہے...... انہیں کی وجہ سے ان کی مدد کی جاتی ہے۔ ان میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کو اس کی جگہ

بیٹھا دیتا ہے۔ (حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اور علامہ زبیدی نے اتحاف السادہ میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے)

۳...... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ (لایزال)الابدال فی امتی ثلاثون بھم تقوم الارض وبھم تمطرون وبھم تنصرون (اتحاف السادۃ المتقین ۸/۳۸۶، الجامع الصغیر رقم ۳۰۳۳، کنز العمال ۱۲/۱۸۶ رقم ۳۴۵۹۳، مصنف عبدالرزاق ۱۱/۲۵۰، امام سیوطی نے اسے صحیح کہا اور امام مناوی نے لکھا ہے **قال المصنف سندہ صحیح** فیض القدیر ۳/۱۶۸، المعجم الکبیر، مجمع الزوائد ۱۰/۶۲، الحاوی للفتاوی ۲/۲۴۶)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمیشہ میری امت میں تیس ابدال رہیں گے، انہیں کی وجہ سے زمین قائم رہے گی، انہیں کے سبب تمہیں بارش دی جائے گی اور انہیں کی بدولت تم مدد کیے جاؤ گے۔

(حافظ ھیثمی نے کہا کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے عمر سے اور البزار نے عنبسہ الخواص سے روایت کیا ان دونوں کو میں نہیں پہچانتا اور اس کے بقیہ راوی صحیح ہیں)

۴...... حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے:

ماخلت الأرض من بعد نوح من سبعة یدفع اللہ بھم عن اھل الارض (کتاب الزہد للامام احمد بن حنبل، اخرجہ الخلال، الحاوی للفتاوی ص ۲/۲۴۶)

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین ایسے سات آدمیوں سے خالی نہیں ہوئی جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے (مصائب، آلام اور مصیبتیں) دور فرماتا ہے۔

۵...... خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان فرماتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر، از ابن جریج، از ابن المسیب

روایت کیا ہے، روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

⊙ امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور ہر چند کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، لیکن اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی، پس یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ امام ابن المنذر نے اس حدیث کو امام عبد الرزاق کی سند سے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا زمین میں ہمیشہ چودہ ایسے نفوس رہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا تھا اور ان کی برکت زمین میں پہنچاتا تھا، ماسوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے، کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک تھے۔

⊙ امام ابن المنذر نے قتادہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین میں اللہ کے اولیاء رہے ہیں، جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے، کبھی زمین ابلیس کے لئے خالی نہیں رہی، اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے ہیں، جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

⊙ حافظ ابو عمرو ابن عبد البر، از قاسم، از امام مالک روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے، تو زمین میں اللہ کا ولی بھی ہے۔

⊙ امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات ایسے نفوس سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔ یہ حدیث بھی حکماً مرفوع ہے۔

⊙ امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین

پر کم از کم سات ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

⊙ ...... امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے، اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

⊙ ...... امام بزار نے اپنی مسند میں اور امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور امام حاکم نے المستدرک میں تصحیح سند کے ساتھ اس آیت "کان الناس امة واحدة" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر رہے۔ پھر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا، وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔

⊙ ...... امام محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آباء ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ (الحاوی للفتاوی ۲/۲۱۳، ۲۱۲، مطبوعہ فیصل آباد)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ حضرت انس سے دوسری روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کہتا رہے گا اس پر قیامت قائم نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، ایمان ۲۳۴، (۱۴۸) ۳۶۹، ۳۶۸، سنن الترمذی جلد ۲ رقم الحدیث ۲۲۱۴، صحیح ابن حبان جلد ۵ رقم الحدیث ۶۸۴۹، مسند احمد جلد ۴ رقم الحدیث ۱۳۸۳۴ طبع جدید، مسند احمد جلد ۳/ ۲۶۸، ۲۰۱، ۱۰۷ طبع

قدیم، مسند ابویعلی جلد ۶ رقم الحدیث ۳۵۲۶، مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ رقم الحدیث ۲۰۸۴۷، مسند ابوعوانہ ۱/۱۰۱، المستدرک ۴/۴۹۴، شرح السنۃ ۷/ ۴۱۷۸، کنز العمال ۱۴ رقم الحدیث ۳۸۴۸۵، مسند البزار جلد ۴ رقم الحدیث ۳۴۱۸، مجمع الزوائد ۷/ ۳۳۱، ۱۲/۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث ۵۵۱۶)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر دور میں اللہ اللہ کہنے والے مسلمان بندے روئے زمین پر رہے ہیں اور کسی دور میں بھی اللہ اللہ کہنے والوں سے زمین خالی نہیں رہی، ورنہ قیامت آ چکی ہوتی۔

۵...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ خیار امتی فی کل قرن خمسمائۃ والابدال اربعون فلا الخمسمائۃ ینقصون، ولاالاربعون، کلما مات رجل ابدل اللہ عزوجل من الخمسمائۃ مکانہ وادخل من الاربعین مکانھم قالوا یارسول اللہ دلنا علیٰ اعمالھم قال یعفون عمن ظلمھم ویحسنون الی من اساء الیھم ویتواسون فیما آتاھم اللہ عزوجل (کنز العمال رقم ۳۴۵۹۱، فیض القدیر ۳/ ۴۶۱، الحاوی للفتاوی ۲/ ۲۴۶، حلیۃ الاولیاء ۱/ ۸، اتحاف السادۃ المتقین ۸/ ۳۸۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر زمانے میں میری امت کے پانچ سو لوگ ہوں گے، اور چالیس ابدال، پانچ سو اور چالیس میں کمی نہیں ہوتی، پانچ سو میں سے جب کوئی آدمی وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس میں سے ان کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہمیں ان کے اعمال بتلائیں۔ آپ نے فرمایا وہ ظلم کرنے والے کو معاف کرتے ہیں۔ جو ان کے ساتھ برا سلوک کرے، اس سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے اس میں باہمی مدد کرتے ہیں۔

۶...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ لایزال اربعون رجلا یحفظ اللہ بھم

الارض کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ آخر وھم فی الارض کلھا

(کرامات الاولیاء للخلال، الحاوی للفتاوی ۲/ ۲۴۷، کنز العمال ۱۲/ ۱۹۱ رقم ۳۴۶۱۴)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چالیس آدمی ہمیشہ ایسے ہوتے ہیں جن کے بسبب اللہ تعالیٰ زمین کی حفاظت کرتا ہے، ان میں سے جب بھی کسی ایک کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو سونپ دیتا ہے اور یہ (چالیس مردان خدا) پوری زمین میں ہوتے ہیں۔

۷...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ ان للہ عزوجل فی الخلق ثلاثمائۃ قلوبھم علیٰ قلب آدم علیہ السلام وللہ تعالیٰ فی الخلق اربعون قلوبھم علی قلب موسیٰ علیہ السلام وللہ تعالیٰ فی الخلق سبعۃ قلوبھم علی قلب ابراھیم علیہ السلام وللہ تعالیٰ فی الخلق خمسۃ قلوبھم علی قلب جبریل علیہ السلام وللہ تعالیٰ فی الخلق ثلاثۃ قلوبھم علی قلب میکائیل علیہ السلام وللہ تعالیٰ فی الخلق واحد قلبہ علی قلب اسرافیل علیہ السلام فاذا مات الواحد ابدل اللہ تعالیٰ عزوجل مکانہ من الثلاثۃ واذا مات من الثلاثۃ ابدل اللہ تعالیٰ مکانہ من الخمسۃ واذامات من الخمسۃ ابدل اللہ تعالیٰ مکانہ من السبعۃ واذا مات من السبعۃ ابدل اللہ تعالیٰ مکانہ من الاربعین واذا مات من الاربعین ابدل اللہ تعالیٰ مکانہ من الثلاثمائۃ واذا مات من الثلاثمائۃ ابدل اللہ تعالیٰ مکانہ من العامۃ فبھم یحیی ویمیت ویمطر وینبت ویدفع البلاء" قیل لعبداللہ بن مسعود کیف بھم یحیی ویمیت قال "لانھم یسالون اللہ عزوجل اکثار الأمم فیکثرون

ویدعون علی الجبابرة فیقصمون، و یستسقون فیسقون، ویسالون فتنبت لھم الارض، ویدعون فیدفع بھم انواع البلاء"

(میزان الاعتدال ۳/ ۵۰ رقم ۵۵۴۹،حلیۃ الاولیاء ۱/ ۹ واللفظ لہ،تاریخ دمشق ۱/ ۶۴ ،الحاوی ۲/ ۲۴۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تین سوایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں ، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں چالیس ایسے شخص ہیں ۔جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سات ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں پانچ ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت جبریل علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تین ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور ایک ایسا شخص ہے جس کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دل کے موافق ہے، جب ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین میں سے اس کا بدل لے آتا ہے، جب تین میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ میں سے کوئی اس کا بدل لے آتا ہے جب پانچ میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات میں سے کوئی اس کا بدل لے آتا ہے اور جب سات میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس میں سے اس کا بدل لے آتا ہے جب چالیس میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین سو میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب تین سو میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام لوگوں میں سے کوئی اس کا بدل لے آتا ہے، انہیں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، بارش برساتا ہے اور فصل اگاتا ہے اور مصائب کو دور فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ کیسے زندہ کرتا اور مارتا ہے؟ تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ امتوں میں کثرت ہو، تو بہت لوگ پیدا ہو جاتے

ہیں اور وہ ظالم او جابر لوگوں کے خلاف دعا کرتے ہیں تو وہ ہلاک کر دیئے جاتے ہیں، وہ بارش کی دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں تو زمین فصل اگاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بلاؤں اور آفتوں کو ٹال دیتا ہے۔

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فنی حیثیت

امام ابن جوزی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے متعلق لکھا تھا کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ (الموضوعات ۳/۱۵۱)

لیکن امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ابدال کی حدیث صحیح ہے چہ جائے کہ اس سے کم ہو، اور اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ حدیث متواتر ہے، میں نے حدیث ابدال کے متعلق مستقل ایک رسالہ لکھا ہے (یہ رسالہ الحاوی للفتاویٰ جلد دوم میں الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد و النجباء والابدال کے نام سے موجود ہے) جس میں میں نے اس حدیث کو تمام سندوں سے روایت کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر سے مروی ہے جس کو امام ابن عساکر نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت علی کی حدیث کو امام احمد، امام طبرانی اور امام حاکم وغیرہم نے اس سے زیادہ سندوں کیساتھ روایت کیا ہے، اس حدیث کی بعض سندیں حدیث صحیح کی شرط پر ہیں: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو چھ سندوں سے مروی ہے۔ ان میں سے امام طبرانی کی اوسط میں ہے، اور اسکو حافظ الہیثمی نے حسن قرار دیا ہے اور حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث ہے جس کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث ہے جس کو امام احمد نے کتاب الزہد میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے

معجم کبیر میں تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث ہے اس کو دیلمی نے روایت کیا ہے، حضرت ابو سعید خدری کی حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اور حضرت ام سلمہ کی حدیث ہے جس کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، نیز ابدال کے متعلق حسن بصری، قتادہ، خالد بن معدان، ابن الزاہریہ، ابن شوذب اور عطا وغیرہم تابعین اور تبع تابعین سے حد شمار سے باہر آثار مروی ہیں، اور اس کی مثل لامحالہ تواتر معنوی کو پہنچتی ہے، جس سے ابدال کا وجود بداہتاً ثابت ہوتا ہے۔ (التعقبات علی الموضوعات ۴۷)

۸...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ لایزال اربعون رجلا من امتی قلوبھم علی قلب ابراھیم علیہ السلام یدفع اللہ بھم عن اھل الارض یقال لھم الابدال انھم لن یدرکوھا بصلوٰۃ ولا بصوم ولا بصدقۃ قالوا: یارسول اللہ فبم ادرکوھا؟ قال بالسخاء والنصحیۃ للمسلمین

(حلیۃ الاولیاء ۴/۱۷۳، کنز العمال ۱۲/۱۹۰ رقم ۳۴۶۱۲، الحاوی للفتاوی ۲/۲۴۷)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ہمیشہ ایسے چالیس شخص رہیں گے جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے موافق ہوں گے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے مصائب و آلام، دور فرمائے گا، انہیں ابدال کہا جاتا ہے انہوں نے یہ مقام نماز، روزہ اور صدقہ سے حاصل نہیں کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: حضور! انہیں یہ مرتبہ کیسے نصیب ہوا؟ تو آپ نے فرمایا سخاوت اور تمام مسلمانوں سے خیر خواہی کی بدولت۔

۹...... شہر بن حوشب روایت کرتے ہیں کہ جب مصر فتح ہوا، تو لوگوں نے اہل شام پر دشنام طرازی کی تو حضرت عوف بن مالک نے ”بُرنُس“ (ایک لمبی ٹوپی جو کہ

آغاز اسلام میں پہنی جاتی تھی) سے اپنا سر نکالا اور کہا: مصر والو! (میں رسول اکرم ﷺ کا صحابی) عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ہوں...... شام والوں کو برا نہ کہو بے شک میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا ہے:

یقول فیھم الابدال بھم تنصرون وبھم ترزقون

(طبرانی کبیر ۱۸/۶۵ رقم الحدیث ۱۲۰، الحاوی للفتاوی ۲/۲۴۸، ابن عساکر ۱/۶۱، اتحاف السادۃ المتقین ۸/۳۸۶، مجمع الزوائد ۱۰/۶۲، کتاب الجہاد ص ۷۲ العبداللہ بن المبارک، الحاکم فی المستدرک ۴/۵۵۳)

ابدال اہل شام میں ہیں انہی کی وجہ سے تم مدد کیئے جاتے ہو اور انہی کی وجہ سے تم رزق دیئے جاتے ہو!

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ ثلاث من کن فیہ فھو من الابدال الذین بھم قوام الدنیا واھلھا، الرضا بالقضاء والصبر عن محارم اللہ والغضب فی ذات اللہ

(سنن الصوفیۃ لابی عبدالرحمٰن السلمی، الفردوس ۲/۸۴ رقم ۲۲۵۷، الحاوی للفتاوی ۲/۲۴۸، اتحاف السادۃ المتقین ۸/۳۸۷، کنز العمال ۱۲/۱۸۷ رقم ۳۴۵۹۹)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں جسمیں پائی جائیں وہ ان ابدال میں سے ہوگا جن کی وجہ سے دنیا اور دنیا والے قائم ہیں۔ ہر تقدیر پر راضی رہنا، خدا کی حرام کردہ اشیاء پر سے رکنا اور صرف اللہ کی مرضی کے مطابق کسی پر غضبناک ہونا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لن تخلوا الارض من ثلاثین مثل ابراھیم خلیل الرحمن بھم تغاثون وبھم ترزقون و بھم تمطرون

(ابن حبان فی المجروحین ۲/۶۱، اتحاف السادۃ المتقین ۸/۳۸۶، الحاوی ۲/۲۴۸، کنز العمال ۱۲/۱۸۷ رقم ۳۴۶۰۲)

زمین ایسے تیس آدمیوں سے ہرگز خالی نہیں ہوتی جو حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے موافق ہیں، انہی کی وجہ سے تم مدد کیئے جاؤ گے اور انہی کی وجہ سے تم رزق دیئے جاؤ گے اور انہی کی وجہ سے تم پر بارش کا نزول ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

دخلت علی النبی ﷺ فقال لی یاابا ھریرۃ! یدخل علی من ھذاالباب الساعۃ رجل من احدالسبعۃ الذین یدفع اللّٰہ عن اھل الارض بھم فاذا حبشی قدطلع من ذلک الباب اقرع اجدع علی راسہ جرۃ من مآء فقال رسول اللّٰہ ﷺ اباھریرہ ! ھو ھذا . وقال رسول اللّٰہ ﷺ ثلاث مرات مرحبا بیسار وکان یرش المسجد ویکنسہ وکان غلاماً للمغیرۃ بن شعبۃ (اخرجہ الخلال، الحاوی للفتاوی ۲، ۲۴۹)

میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا...... آپ نے مجھے فرمایا: اے ابو ہریرہ! ابھی اس دروازے سے ایک آدمی داخل ہوگا جو ان سات اشخاص میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے اللہ زمین والوں سے (مصائب و آلام) دور فرماتا ہے...... پس اچانک اس دروازے سے ایک سر منڈا اور ناک کٹا حبشی ظاہر ہوا...... اس کے سر پر پانی کا ایک گھڑا تھا...... تو رسول کریم نے فرمایا: ابو ہریرہ! یہ ہے وہ آدمی...... اور آپ نے آہستہ سے تین مرتبہ فرمایا "مرحبا" (خوش آمدید) وہ مسجد میں پانی چھڑک کر اسے صاف کر رہا تھا اور وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک خلیفہ کی موت کے وقت اختلاف ہوگا پھر ایک شخص (مہدی) اہل مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف بھاگتا ہوا جائے گا پھر اہل مکہ اس کو زبردستی امام بنائیں گے اور رکن اور مقام کے درمیان اس سے بیعت کریں گے اس کی طرف شام سے ایک لشکر بھیجا جائیگا

اس لشکر کر مکہ مدینہ کے درمیان مقام بیدا میں دھنسا دیا جائے گا جب لوگ یہ واقعہ دیکھ لیں گے تو اس شخص کے پاس شام کے ابدال آئیں گے اور اہل عراق کی جماعتیں آئیں گی اور وہ سب اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ (ابوداؤد/۲/۲۴۰رقم ۴۲۸۶)

حدیث قدسی ہے:

انی لاھم باھل الارض عذابا فاذا نظرت عمارا لی بیوتی والمتحابین فی والمستغفرین بالاسحار صرفت عنھم

(شعب الایمان ۶/۵۰۰ رقم ۹۰۵۱ واللفظ لہ، کنز العمال ۷/۵۷۹ برقم ۲۰۳۴۳، ابن عدی ۴/۱۳۷۹)

میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں جب میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میرے گھر آباد کرنے والے اور میرے لئے باہم محبت رکھنے والے اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے ہیں تو اپنا غضب ان سے پھیر لیتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لولا عباد للہ رکع وصبیۃ رضع وبھائم رتع لصب علیکم العذاب صبا ثم رض رضا

(طبرانی کبیر ۲۲/۳۰۹، سنن کبری ۳/۳۴۵، شعب الایمان ۷/۱۵۵، مجمع الزوائد ۱۰/۲۳۰)

اگر اللہ تعالیٰ کے نمازی بندے اور دودھ پیتے بچے اور گھاس چرتے چوپائے نہ ہوتے تو بے شک تم پر سختی کیساتھ عذاب ڈالا جاتا پھر (مزید) مضبوط اور محکم کیا جاتا۔

ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ بھی نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۲۸۸۲، ۱۲۸۸۳، جامع البیان رقم الحدیث ۱۷۵۴۳)

مزید فرمایا:

ان اللّٰہ لیدفع بالمسلم الصالح عن مائۃ اھل بیت من جیرانہ البلاء (طبرانی کبیر، مجمع الزوائد ۸/۱۶۷، کنز العمال ۹/۵ برقم ۲۴۶۴۵)

بیشک اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کی وجہ سے اس کے ہمسائے میں سے سوگھر والوں سے بلا دفع فرماتا ہے۔

امام سیوطی اور امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

والخطیب من طریق عبیداللّٰہ بن محمد العبسی قال: سمعت الکنانی یقول: النقباء ثلاثمائۃ والنجاء سبعون والبدلاء اربعون والاخیار سبعۃ والعمد اربعۃ والغوث واحد فمسکن النقباء المغرب ومسکن النجباء مصر ومسکن ابدال الشام والاخیار سیاحون فی الارض والعمد فی زوایا الارض ومسکن الغوث مکۃ فاذا عرضت الحاجۃ من امر العامۃ ابتھل فیھا النقباء ثم النجباء ثم الابدال ثم الاخیار ثم العمد فان اجیبوا والا ابتھل الغوث فلا تتم مسالتہ حتی تجاب دعوتہ

خطیب بغدادی نے الکنانی سے روایت کیا ہے کہ نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر ہیں، ابدال چالیس ہیں، اخیار سات ہیں اور عمد چار ہیں اور غوث ایک ہے نقباء کا ٹھکانہ مغرب ہے، نجباء مصر میں ابدال شام میں، اخیار چلتے پھرتے رہتے ہیں، عمد زمین کے اطراف میں اور غوث مکہ میں رہتا ہے۔ جب عوام الناس کی کوئی حاجت پیش ہوتی ہے، تو پہلے نقباء دعا کرتے ہیں پھر نجباء پھر ابدال پھر اخیار پھر عمد دعا کرتا ہے، اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو فبہا ورنہ غوث دعا کرتا ہے اور وہ اس وقت تک سوال کرتا ہے حتی کہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے (الحاوی للفتاوی ۲/۲۵۰ واللفظ لہ، المقاصد الحسنہ ص ۳۴)

⊙ یہی بات تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ امام ابن عساکر نے

ابوسلیمان کے حوالے سے نقل کی ہے۔ (ابن عساکر ۱/۶۳)

⦿ حافظ سخاوی مزید لکھتے ہیں الاحیاء (للامام الغزالی) میں ہے کہ ہر روز غروب آفتاب سے پہلے ابدال میں سے ایک شخص بیت اللہ کا طواف کرتا ہے اور ہر رات اوتاد میں سے ایک بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، جب یہ سلسلہ منقطع ہوتا ہے تو یہ اس کے زمین سے اٹھ جانے کا سبب بنتا ہے۔ انھوں نے اس کے متعلق کچھ آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ جن میں موقوف اوران کے علاوہ بھی آثار ہیں اسی طرح مرفوع روایات بھی ہیں جن کو پوری وضاحت کے ساتھ میں نے ایک رسالہ میں جمع کیا ہے اور میں نے اس کا نام "نظم اللآل فی الکلام علی الابدال" رکھا ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۳۴)

احادیث ابدال کی مجموعی توثیق

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے متعدد کتب رواۃ سے "ابدال" کی احادیث نقل فرما کر ان احادیث کے رواۃ پر جرح کے بعد تمام احادیث کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو۔ (اللآلی المصنوعہ ۲/۳۳۰ تا ۳۳۲)

⦿ گذشتہ صفحات میں بھی حضرت امام سیوطی کی یہ رائے گزر چکی ہے کہ احادیث ابدال صحیح بلکہ متواتر ہیں۔

⦿ تمام طرق احادیث کو جمع کرنے پر ایک قدر مشترک (یعنی ابدال کے وجود کو تسلیم کرنے) پر علماء و مشائخ امت کا اتفاق ہے۔

⦿ علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

الابدال وردت فی عدۃ اخبار منها ما یصح ومنها مالا یصح واما القطب فورد بعض الآثار واما الغوث بالوصف المشتهر بین الصوفیۃ فلم یثبت انتهی (اتحاف السادۃ المتقین ۸/۲۸۷)

کہ ابدال کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں (یعنی حسن یا ضعیف ہیں) اور رہا قطب تو اس کے متعلق آثار وارد ہیں اور رہا غوث تو صوفیاء کے نزدیک غوث کا جو وصف مشہور ہے وہ ثابت نہیں ہے (مطلقا غوث کا وجود تو ابھی اوپر امام سیوطی امام سخاوی اور خطیب بغدادی کے حوالے سے گزرا ہے اور غوث کا جو وصف صوفیاء کرام کے نزدیک مشہور ہے وہ اگرچہ محدثین کے نزدیک ثابت نہیں لیکن صوفیاء کے کشوف اور مشاہدات سے یہ وصف حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے...... جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ساقی)

⊙ ابن تیمیہ نے دیگر مسائل کی طرح "وجود ابدال" کے متعلق بھی اپنے تعصب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ابدال کے متعلق کوئی صحیح حدیث ہے اور نہ ضعیف. ابن تیمیہ کے اس قول کا رد کرتے ہوئے علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وبهذا ايظهر بطلان زعم ابن تيمية انه لم يرد لفظ الابدال في خبر صحيح ولاضعيف الا في خبر منقطع وليته نفى الروية بل نفي الوجود وكذب من ادعىٰ ورود فهذهٖ لاخبار وان فرض ضعفها جمعها لكن لاينكر تقوى حديث الضعيف بكثرة طرقه وتعدد مخرجيه (اتحاف السادۃ المتقین ۸/ ۳۸۷)

اس (آئمہ کرام کی تصحیح) سے ظاہر ہو گیا کہ ابن تیمیہ کا یہ زعم باطل ہے کہ ابدال کے متعلق کوئی حدیث صحیح ہے، نہ ضعیف اور یہ احادیث اگر بالفرض سب ضعیف بھی ہوں تو بھی اگر ضعیف حدیث متعدد طرق اور متعدد صحابہ سے مروی ہو تو قوی (مضبوط) ہو جاتی ہے۔

⊙ امام مناوی لکھتے ہیں:

ابن جوزی نے حدیث ابدال کو موضوع میں نقل کیا ہے پھر تمام احادیث

ابدال کو ذکر کر کے ہر ایک پر الگ الگ طعن کیا ہے، اور ان پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، مصنف (امام سیوطی) نے ان کا تعاقب کیا ہے کہ ابدال کی حدیث صحیح ہے اور اگر تو چاہے تو اسے متواتر بھی کہہ سکتے ہو پھر اسی کی مثل انہوں نے کہا کہ یہ احادیث تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں (آخر میں امام سخاوی کا کلام درج کیا ہے)

ملاحظہ (فیض القدیر ۳/۱۷۰)

احادیث مذکورہ سے حاصل ہونے والے فوائد و مسائل

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام (ابدال و دیگر محبوبان خدا) کی دعاؤں سے لوگ زندہ بھی ہوتے ہیں اور فوت بھی، بارش کا بھی نزول ہوتا اور زمین فصل اور سبزہ بھی اگاتی ہے، لوگوں کی مدد بھی کی جاتی ہے اور انہیں رزق سے بھی نوازا جاتا ہے...... دشمنوں کے مقابلے میں ایمان والوں کو کامیابی سے ہمکنار بھی کیا جاتا ہے اور دنیا اور اہل دنیا سے عذاب، مصائب، آلام، نحوستیں اور مصیبتیں بھی اٹھالی جاتی ہیں...... انہی کی وجہ سے دنیا اور اہل دنیا کو ثبات و قرار ہے۔

⊙ ...... ان روایات سے صوفیاء کرام کی اصطلاحات بھی واضح ہیں...... مثلاً ابرار، اخیار، نجباء، نقباء، عمد، رجال، ابدال، غوث، قیوم، افراد اور اوتاد وغیرہ۔

گو تمام اصطلاحات صریح الفاظ سے ثابت نہیں مگر اہل تصوف اپنے کشوف اور مشاہدات سے ان کے احوال سے آگاہ ہوئے ہیں...... گویا کہ تمام اہل طریقت کا مذکورہ بالا اشخاص کے وجود و ثبوت پر اجماع ہے...... جس کا انکار کسی طور بھی درست نہیں ہے...... جبکہ ان کی تائید میں مذکورہ روایات بھی موجود ہوں۔

⊙ ...... ان روایات سے بعض میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ "دنیا اور اہل دنیا کا قیام و قرار اولیاء کرام کی بدولت ہے"...... ان جملوں پر چیں بجبیں ہونے والے

حضرات کو مذکورہ روایات پر غور وفکر کرنا چاہئے اور اپنے اس فتوے سے دست بردار ہو جانا چاہئے کہ ایسا عقیدہ تو مشرکین کا تھا کہ ان کے بقول اللہ تعالیٰ نظام کائنات چلانے سے عاجز ہے اس نے ہمارے خداؤں (بتوں) کو اپنا معاون بنا رکھا ہے۔

مسلمانوں اور مشرکوں کے عقائد میں فرق

مسلمانوں کو مشرکوں سے تشبیہ دینا دو طرح سے غلط ہے۔

اولاً : اولیاء کرام کے اختیارات وتصرفات کے متعلق تو احادیث بالا میں تصریح موجود ہے جبکہ بتوں کے متعلق ایسی کوئی وضاحت نہیں ہے...... گویا مشرکین اپنے بتوں کو خدا کا معاون ثابت کر کے جہاں شرک کا ارتکاب کرتے تھے وہاں دروغ گوئی اور اہتام طرازی سے بھی کام لیتے تھے...... جبکہ مسلمانوں کا نظریہ احادیث بالا کے موافق ہے۔

ثانیاً: مسلمانوں اور مشرکوں کے قول میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

۱...... وہ بتوں کو خدا کے معاون قرار دیتے ہیں...... مسلمان اولیاء کرام کو خدا کے معاون نہیں تابع اور محکوم قرار دیتے ہیں۔

۲...... مشرکین اس بات کے قائل تھے کہ خدا کائنات بنا کر تھک چکا ہے اور اپنی اسی کمزوری کے باعث اب وہ اکیلا نظام چلا نہیں سکتا، اس لئے مجبوراً اس نے ہمارے خداؤں کو معاون بنا رکھا ہے۔ ان لوگوں کی اسی بات کا رد کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا تھا:

ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیراً (بنی اسرائیل ۱۱۱)

اور کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور اس کی بہت زیادہ بڑائی بیان کرو۔

معلوم ہوا کہ مشرکین خدا کو کمزور ثابت کر کے اپنے بتوں کو اس کا معاون و

مددگار بناتے تھے، جبکہ مسلمان نہ خدا کو کمزور کہتے ہیں اور نہ ہی اس کے تھکنے کا قول کر کے اسے نظام کائنات چلانے سے عاجز گردان کر اولیاء کرام کو اس کے معاون ومددگار ثابت کرتے ہیں، بلکہ مسلمان اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ جس نے بغیر تعاون وشراکت کے اتنا بڑا نظام بنایا ہے اب اسے اس نظام کو چلانے کیلئے کسی دوسرے سے مدد اور تعاون لینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے......اس نے محض اپنی شان بندہ نوازی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مقربین کو یہ عظمتیں اور رفعتیں عطا فرما رکھی ہیں تاکہ دنیا والوں کو اس کی شان کریمی کا اندازہ ہو سکے کہ وہ معبود برحق بندوں کو محض اپنی عبادت وریاضت اور محنت ومشقت کا حکم نہیں دیتا، بلکہ جنہیں وہ محبوب بنالیتا ہے ان پر لطف وکرم کی بارشیں بھی برساتا ہے......**والحمدللہ علی ذٰلک**

⊙ ...... مذکورہ روایات سے یہ بھی ظاہر وباہر ہے کہ بندگان خدا کو اللہ رب العزت کی طرف سے یہ اذن حاصل ہے کہ وہ مخلوق خدا کی دستگیری، مشکل کشائی اور حاجت روائی کریں ...... ان کی دعاؤں سے اجڑے جہان آباد ہو جاتے ہیں ......خزاں رسیدہ عالم میں بہار آجاتی ہے......قسمت نوع بشر تبدیل ہو جاتی ہے ......مرادیں بر آتی ہیں، مصیبتیں ٹل جاتی ہیں......تو جب بارگاہ رب العزت سے انہیں مشکل کشائی اور حاجت روائی کا منصب حاصل ہے تو ان سے دعا کرانا، مشکل میں انہیں پکارنا، دستگیری اور مدد کیلئے ان سے التجا کرنا شرک کیسے ہو سکتا ہے؟ جب خدا نے انہیں یہ عظیم مراتب سونپے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ان کے ان رفیع مقامات کی خبر دی ہے تو منکرین لاکھ فتوے جڑیں، خدا اور رسول کو ماننے والے در اولیاء سے نہیں ہٹ سکتے۔

⊙ ...... حدیث نمبر ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کی وجہ سے عذاب اور مصائب دور فرماتا ہے......جب مانگے ان کے اجسام مبارکہ کی برکت سے بلائیں

ٹلتی ہیں تو اگر یہ بارگاہ ربوبیت میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیں تو کیا ان کی دعا سے مردہ دلوں کو جلا، مریضوں کو شفا اور مصیبت زدوں کو دوا نہیں مل سکتی؟۔ یقیناً مل سکتی ہے...... اس پر قرآن وحدیث سے متعدد دلائل و براہین بھی موجود ہیں۔

حضور امام ربانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حقیقت میں اہل اللہ کا وجود ہی کرامات میں سے ایک کرامت ہے، اور مردہ قلوب کا زندہ کرنا حق جل وعلا کی آیتوں میں سے ایک آیت (نشانی) عظمیٰ ہے، وہ (اللہ والے) اس زمین کے باشندوں کیلئے امان ہیں اور غنیمت روزگار ہیں، **بهم يمطرون وبهم يرزقون** (ان کے طفیل بارش ہوتی ہے اور ان کے وسیلے سے (لوگوں کو) رزق دیا جاتا ہے) یہ ان ہی کی شان میں ہے۔ ان کا کلام دوا ہے روا ہے اور ان کی نظر شفا ہے، **هم جلساء الله وهم قوم لا يشقى جليسهم و لا يخيب انيسهم** (وہ اللہ تعالیٰ کے جلیس ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا اور ان سے دوستی رکھنے والا نامراد نہیں ہوتا۔ (دفتر دوم مکتوب ۹۲)

عبدالرحمان کیلانی کی بدگمانی، حقیقت کے آئینے میں

عبدالرحمان کیلانی، غیر مقلدین کے ایک پیشوا ہیں، جنہوں نے اولیاء کرام کے اختیارات، تصرفات اور کمالات پر دیگر وھابیوں کیلئے اپنی بدگمانیوں کا گمراہ کن اور اضداد کا مجموعہ ''شریعت وطریقت'' کے نام سے ایک فارمولا تیار کیا ہے...... جو کئی وھابی مقررین، مصنفین اور عوام الناس کیلئے راہ راست سے بھٹکنے اور عقائد ونظریات کے بگڑنے کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہو رہا ہے...... وھابی حضرات اپنی غیر مقلدانہ روش کے باوجود کیلانی صاحب کی خلاف اسلام اور خود ساختہ آراء وقیاس آرائیوں کے سامنے مقلدانہ سر تسلیم ختم کیئے ہوئے، علم وتحقیق سے بہت دور جا گرے ہیں۔

کہنے کو تو یہ کتاب، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کیلئے لکھی گئی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے طریقت، تصوف اور تزکیہ نفس کے خلاف اپنے چھپے ہوئے نفاق اور بغض وعداوت کا اظہار کرنے کے لئے بڑی بے دردی سے حقائق وواقعات کا بھی انکار کر دیا ہے۔ اپنے غلط نظریات کو پروان چڑھانے کیلئے انہوں نے محض صوفیہ کی مخالفت میں آیات وروایات کا مفہوم بدلا، احادیث کو موضوع تک کہہ دیا، حقائق کو اپنی ناقص عقل پر پرکھنے کی کوشش کی، اور تسکین قلبی کیلئے اولیاء کرام پر غیر مستند حضرات کی وجہ سے بہتان تک باندھنے سے بھی گریز نہ کیا...... بلکہ اولیاء کا شرعی مفہوم بگاڑ کر ان نفوس قدسیہ کی عظمت و ناموس پر ہی ہاتھ صاف کر دیا تا کہ بزعم شاں نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری...... اس کتاب کے تمام مندرجات کا تعارف تو یہاں ممکن نہیں ...... کیونکہ وہ ایک مستقل ''تصنیف'' کا متقاضی ہے تاہم اپنے موضوع سے متعلقہ ان کی پھیلائی ہوئی چند بدگمانیوں کا مختصراً تجزیہ درج ذیل ہے۔

⊙ ...... کیلانی صاحب ''احادیث ابدال'' کے خلاف اپنی بے کار تحقیقات کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ان میں سے کوئی ایک حدیث بھی صحاح ستہ میں مذکور نہیں، لہذا یہ حسن اور صحیح کا دعویٰ محل نظر ٹھہرا۔ (ص ۱۶۱)

گویا کہ وہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو ان کا صحاح ستہ میں ہونا ضروری تھا۔ حالانکہ وہ اہلحدیث کہلانے کے باوجود اصول حدیث سے بالکل نابلد ہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح کیلئے ''صحاح ستہ'' میں ہونا شرط نہیں ہے۔ اور نہ ہی صحاح ستہ کی تمام روایات صحیح ہیں۔ ''صحاح ستہ'' کی بعض مرویات کو ضعیف، منکر، بلکہ موضوع بھی قرار دیا گیا ہے۔ لہذا یہ روایات ''صحاح ستہ'' میں نہ ہونے کے باوجود صحیح ہیں اور ان کی صحت پر محدثین کی تصریحات گذر چکی ہیں۔ کیلانی صاحب کا انہیں

بالکل رد کردینا ان کی مرزائیت و پرویزیت کی کھلی دلیل ہے۔

⊙ ...... مزید لکھتے ہیں: ان تمام احادیث کے رواۃ مجروح ہیں۔ (ایضاً)

راویوں کا صرف مجروح ہونا کوئی جرم کی بات نہیں، بخاری، مسلم کے کئی راویوں پر زبردست جرحیں موجود ہیں، لیکن کیلانی صاحب اوران کی پارٹی انہیں کسی طرح بھی رد نہیں کرتی، اگر مجروح راوی کسی صورت بھی قابل قبول نہیں تو بخاری مسلم اور دیگر صحاح کے راویوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر مجروح راویوں کی توثیق کسی طریقے سے بھی نہ ہو سکے تو پھر انہیں رد کیا جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ جیسا کہ ''احادیث ابدال'' کے راویوں کی توثیق موجود ہے، اور اصول حدیث کے مطابق یہ احادیث صحت اور حسن کے درجے کو پہنچ چکی ہیں۔ لہٰذا ان پر جرح کرنا سوائے تعصب کے کچھ نہیں۔

⊙ ...... کیلانی صاحب ایک مقام پر پوچھتے ہیں کہ اگر ابدال کی وجہ سے شام سے عذاب دور ہوتا ہے تو آج کل مسلمان وہاں محکوم کیوں ہیں؟ کیا اب وہاں ابدال نہیں رہے؟۔ (ایضاً ص ۱۶۲)

شام میں ابدال موجود ہیں، اوران کی برکات بھی موجود ہیں...... اہل شام کا محکوم و مقہور ہونا ان کے اعمال کا نتیجہ ہے...... آپ ان کی بداعمالیوں کا نزلہ اولیاء پر کیوں گراتے ہیں؟ ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے انہیں یہ ایام بد دیکھنے نصیب ہوئے ہیں۔ قدرت کو یہی منظور ہے اور اولیاء کرام بھی اذن خداوندی کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر وہ آج بھی اپنی عظمت رفتہ کو بحال کرلیں تو ابدال کی وجہ سے عذاب بھی دور ہوگا اور ان کی برکات کا اثر بھی ظاہر ہوجائے گا۔ کیلانی صاحب! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان برحق نہیں۔ **حقا علینا نصرا لمومنین**

ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے، تو جن علاقوں (کشمیر، فلسطین، کسووا

وغیرہ) میں مسلمان محکوم ومقہور اور غیر مسلموں کے ہاتھوں عذاب شدید سے دوچار ہیں، کیا وہاں خدا کی مدد نہیں پہنچ سکتی؟ آیا ختم ہو چکی ہے (معاذ اللہ) کیا کوئی اور رکاوٹ آڑے آ چکی ہے، یا اللہ کی طاقت کمزور پڑ گئی ہے؟ معاذ اللہ!...... فـمـا هـو جوابكم فهو جو ابنا

⊙ ...... کیا انبیاء اسی طرح کے اختیار کے مناصب پر فائز تھے؟۔ (ایضاص ۱۶۴)

جی بالکل!...... جب ان کے پیروکاران مناصب پر فائز ہو سکتے ہیں تو انبیاء کرام کیلئے کیا رکاوٹ ہے؟...... وہ بالاولیٰ ایسے مناصب جلیلہ پر فائز ہوں گے۔ فافہم

اولیاء کرام کے تقسیم فیض کو ستارہ پرستوں سے ملاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یہ فیوض اسی قسم کے ہیں، جیسے نجوم پرست کسی مخصوص ستارہ کے اثرات بتلایا کرتے ہیں کہ رزق، پیدائش، مصائب وغیرہ فلاں فلاں ستارہ کی تاثیر ہے۔ (ص ۱۶۵)

کیلانی صاحب تعصب کے جوش میں ہوش بھی کھو بیٹھے ہیں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ فرشتے امور کی تدبیر کرتے ہیں، ان کی مختلف ڈیوٹیاں ہیں، پانی برسانا، رزق پہنچانا، موت دینا، زندگی بخشنا وغیرہ۔ اس طرح تو اس پر بھی یہ اعتراض وارد ہو گا کہ فرشتوں کی یہ تقسیم اسی قسم کی ہے، جیسے نجوم پرست کسی مخصوص ستارہ کے اثرات بتلایا کرتے ہیں کہ رزق، پیدائش وغیرہ فلاں فلاں ستارہ کی تاثیر ہے۔ اگر فرشتوں کی تقسیم درست ہے تو اولیاء کی تقسیم پر بھی کوئی شرعی استحالہ نہیں ہے۔

⊙ ...... اولیاء کے مساکن پر ٹھٹھہ بازی کرنے کے بعد "غوث" کے مسکن پر یوں قدغن لگاتے ہیں پیران پیر کو غوث الاعظم کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ مکہ میں نہیں رہے...... پھر وہ غوث اعظم کیسے بن گئے۔ (۱۶۶)

ان کے غوث اعظم بننے میں خدا کا فضل شامل حال تھا، آپ کا کوئی عمل دخل نہیں، ورنہ وہ اس مقام پر کیسے فائز ہو سکتے تھے...... اب بھی آپ کے بس کا روگ نہیں

ورنہ آپ ان کو اس مقام سے معزول کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھار کھتے ...... اصل بات یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں کسی نے یہ بات غلط ڈال دی ہے کہ ''غوث'' جسمانی طور پر مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے، اہل باطن کا سارا مدار روحانیت پر ہے، لہذا ''غوث'' کا روحانی مقام مکہ مکرمہ میں ہے۔

⊙ ...... اولیاء سے دعا کرانے پر یوں چیں بجبیں ہوتے ہیں کہ پھر وہ (اللہ) عام آدمیوں کی دعا کیونکر سن سکتا ہے؟۔ (ص۱۶۶)

اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے، اس کو عام آدمیوں کی بات سننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، البتہ اولیاء کا وسیلہ اور چیز ہے۔ بے بصیرت آدمی اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔

⊙ ...... کیلانی صاحب غصے سے لال پیلے ہوکر پوچھتے ہیں کہ غوث کی دعا کی مقبولیت کی کیا ضمانت ہے؟ یہ غوث بیچارے کس باغ کی مولی ہیں؟۔ (ص۱۶۶)

ولی کی دعا کی مقبولیت کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے ولئن سالنی لاعطینه (بخاری ۲/۹۶۳، مشکوٰۃ ص۱۹۷) اگر وہ مجھ سے کچھ مطالبہ کرے تو میں ضرور ضرور اسے عطا کرتا ہوں۔ اس ضمانت کے باوجود آپ اولیاء کی عظمت کا انکار کررہے ہیں، لہٰذا اب خود ہی سوچ لیں کہ آپ کس باغ کی مولی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ ''منصب قیومیت'' پر فائز تھے اس کے متعلق کیلانی صاحب اپنی ذہنی پستی کا یوں اظہار کرتے ہیں۔ دیکھا آپ نے حضور ﷺ کو کس گھٹیا مقام پر لاکھڑا کیا ہے۔ (۱۶۷)

شاید آپ المرء یقیس علی نفسه کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، ورنہ ''قیومیت'' گھٹیا نہیں، ایک بہت بلند مقام ہے۔ لیکن

ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

⊙ ...... کیلانی صاحب کے شوروغل، ٹھٹھہ ومذاق، ذہنی اختراعات اور باطل قیاس آرائیوں سے بھی، جب ان کا مقصد پورا نہ ہوا تو انہوں نے بے دریغ احادیث کو موضوع قرار دے کر منکرین حدیث کی یاد تازہ کردی۔ مثلاً: ص ۱۶۴، ۱۶۵ پر احادیث ابدال کو موضوع کہا۔ ص ۶۵۱ شان اہلبیت میں وارد حدیث مثل اهل بیتی کسفینة نوح الخ کو موضوع قرار دیا۔ صفحہ ۴۷۱ پر حدیث ردشمس کو بھی موضوع شمار کیا۔ گنبد خضراء کے متعلق تمام روایات کو موضوع کہا ص ۴۶۶ پر زیارت ص ۴۷۴ پر حضرت عمرو بن سالم کی مشہور روایت لبیک لبیک نصرت نصرت نصرت بھی موضوع قرار دیا اور ص ۴۶۹ پر تو اپنی حدیث دشمنی کا کمال ہی کر دیا......

لکھتے ہیں: یعنی اگر کوئی شخص جنگل میں ہو اور اس کی کوئی چیز گم جائے یا اسے کسی طرح کی مدد درکار ہو تو اسے چاہئے کہ پکارے اعینونی یاعباداللہ۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ تو رجال الغیب مدد کو پہنچتے ہیں، یہ حدیث بھی موضوع اور شرک صریح ہے۔

جبکہ گذشتہ صفحات میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور متعدد اکابرین ومحدثین کے معمول میں بھی رہی ہے۔ تو کیلانی صاحب کے بقول حضور اکرم ﷺ نے امت کو شرک صریح کی تعلیم دی ہے، اور امت اس پر عمل کر کے شرک صریح کی مرتکب ہے، کیلانی صاحب نے صوفیہ کو مشرک ثابت کرتے کرتے امت کے دیگر محدثین اور اکابرین کو بھی مشرک ثابت کر دیا ہے۔ اور حضور اکرم کی تعلیم کو بھی "شرک صریح" قرار دے دیا ہے۔ یہ انہیں صوفیہ کے خلاف ہرزہ سرائی کی سزا ملی ہے۔ جسے وہ اب تک قبر میں بھگت رہے ہوں گے۔

⊙ ...... حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بایزید بسطامی اسی بناء پر سنت رسول ﷺ سے بے نیاز تھے۔ (۴۶۶)

لاحول ولاقوۃ الاباللہ ...... بہتان بازی تو عام مسلمان کیلئے بھی سخت گناہ کا باعث ہے۔لیکن ایک مولوی، مصنف اور عالم کا بہتان لگانا، اور وہ بھی ''ولی اللہ'' پر، کس قدر ظلم وناانصافی کی بات ہے۔حضرت خواجہ بسطامی علیہ الرحمۃ کی ساری زندگی سنت و شریعت کی ترویج واشاعت سے عبارت تھی۔ بزرگوں پر الزام تراشی وھابی حضرات کے ہی دل گردے کا کام ہوسکتا ہے۔انہیں یہ چیز وارثت میں ملی ہے۔ یہ لوگ دوسروں کو قرآن وسنت کی دعوت دیتے ہیں، لیکن خود اتنا بھی شعور نہیں رکھتے کہ کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرنے سے قبل تحقیق کر لینا بھی تو قرآن وسنت کی ہی تعلیم ہے۔لیکن جب مقصد ہی بزرگوں کی آبروریزی، عصمت دری اور کردار کشی ہو تو اسلامی قوانین کو کون دیکھتا ہے۔

⊙ ...... ص ۴۲ پر لکھتے ہیں: معجزہ کی طرح کرامت بھی وھبی چیز ہے اکتسابی نہیں''۔

حالانکہ باب الکرامۃ میں ہم ائمہ حدیث سے یہ ثابت کریں گے کہ کرامات اکتسابی بھی ہوتی ہیں، یعنی اس میں ولی کا عمل دخل بھی ہوتا ہے، لیکن کیلانی صاحب نے اول تو یہ جھوٹ گھڑا کرامت اکتسابی نہیں ہوتی، اور ساتھ ہی فرماتے ہیں:

اسے (ولی کو) نہ تو کسی ایسے واقعہ کے صدور کا دعویٰ ہو اور نہ پہلے سے علم ہو، پھر جب کبھی ایسے واقعہ کا صدور ہو جائے تو اس بزرگ پر لازم ہے کہ اسے محض اللہ کی مہربانی اور تائید غیبی سمجھے اور اس واقعہ کی اپنی بزرگی بتانے کی خاطر تشہیر نہ کرے۔ (ص ۴۴)

اولیاء کرام کسبی کرامات کو بھی اللہ کی عطا ہی باور کراتے ہیں، ذاتی نمائش کو وہ پسند نہیں کرتے۔لیکن کیلانی میاں نے جو لکھا ہے کہ ''بزرگ پر لازم ہے'' اب اس کے لازم ہونے کی کیا دلیل ہے؟ آیا قرآن وحدیث کی طرف سے لازم ہے یا مولوی صاحب کی طرف سے؟۔ اگر اسلام نے لازم کیا ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟...... اور اگر یہ اپنی طرف سے فرما رہے ہیں تو ان کی قرآن وحدیث پر زیادتی ہے، جس سے

خدا اور سول سے آگے بڑھنا لازم آرہا ہے۔

باقی رہا کہ کرامت کا نہ تو دعویٰ ہونا چاہئے اور نہ ہی پہلے سے علم ہو، تو یہ بات بھی قرآن کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ حضرت آصف بن برخیا نے ملکہ بلقیس کا تخت لانے کا دعویٰ بھی کیا تھا، اور ظاہر ہے کہ انہیں تخت کے آجانے کا یقینی علم بھی حاصل تھا۔ لیکن داد دیجئے اس وھابی محقق کی چالاکی کی، کہ انہوں نے اپنے جھوٹ کا بھرم رکھنے کیلئے حضرت آصف کے اس واقعہ کا یوں انکار کر دیا ہے، لکھتے ہیں: "اس پر واضح دلائل بھی موجود ہیں کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو تدبیر کائنات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں"۔ (ص ۱۲۵)

وھابی مصنف کی اس عبارت میں تین جھوٹ واضح طور پر موجود ہیں:

ا...... اس سے "فرشتے" مراد نہیں۔ کیونکہ آیت میں "الذی" واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جس کا اطلاق جمع پر نہیں ہو سکتا ہے۔

۲...... ایک فرشتہ بھی مراد نہیں، کیونکہ اس پر قرآن وحدیث کی کوئی واضح اور صریح دلیل انہوں نے قائم نہیں کی۔

۳...... جمہور مفسرین نے حضرت آصف بن برخیا کو ہی مراد لیا ہے۔

⊙ ...... ص ۲۸۸، اور ۱۸۹ پر مولوی صاحب نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ قرآن مجید نے اولیاء اللہ ان لوگوں کو کہا ہے جو ایمان دار اور اللہ کی پیروی کرنے والے ہوتے ہیں، اس سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو چلہ کشی اور قبروں پر مراقبے کریں، خوارق عادات امور کا اظہار کرنے والے اور صاحب اختیار و تصرف ہیں۔ یہ قول سراسر نادانی، لاعلمی اور لاشعوری پر مبنی ہے، کیونکہ جو لوگ ایماندار، تقوی و پرہیزگاری کے ساتھ عبادت پر گامزن ہوتے ہیں، وہی لوگ صاحب تصرف اور صاحب کرامت ہوتے ہیں...... ان میں منافات ہرگز نہیں تفصیلات گزر چکی ہیں۔ البتہ خلاف شرح

حرکات بجالانے والوں کا ولایت، کرامت اور تصرف سے کوئی تعلق نہیں۔

⊙ ...... ص ۱۹۰ پر لکھتے ہیں کہ تمام کے تمام انسان ولی ضرور ہیں، کوئی اللہ کا ولی اور کوئی شیطان کا۔ قارئین کرام! ہم اس بات کا فیصلہ نہیں کر پائے کہ انہوں نے خود کو ولیوں کے کس گروہ میں شمار کیا ہے...... چونکہ وہ اولیاء اللہ کی عظمت سے تو وہ قطعاً نابلد ہیں تو ممکن ہے کہ شیطان کے دوستوں کو اولیاء سمجھ کر اپنا شمار انہیں میں کرتے ہوں۔

لیکن انہیں کم از کم اتنی بات ضرور سمجھ لینی چاہیئے کہ اولیاء کاملین کی عظمت کا جو اعلان اللہ تعالیٰ نے **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** کے الفاظ سے کیا ہے وہ نہ تو شیطان کے اولیاء کیلئے ہے اور نہ ہی عام مسلمانوں کیلئے۔ کیونکہ عام مسلمان (جن کو وھابی مصنف ولی شمار کرتے ہیں) تو گمراہ بھی ہیں، انہیں عذابوں کی وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، وہ جہنم میں بھی جائیں گے، جبکہ کامل اولیاء ہدایت یافتہ، بے خوف وخطر ہیں اور کئی لوگوں کی سفارش کر کے انہیں جنتی بھی بنا دیں گے۔

⊙ ...... ص ۱۹۰ پر ہی وھابی مصنف "ولی کا مفہوم کب بدلا؟" کا سوال قائم کر کے اس کے جواب میں لکھتے ہیں: یہ مفہوم کی تبدیلی تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئی دوسری صدی تک ایسے لوگوں کو زہاد، عباد صالحین تو کہا جاتا تھا مگر اولیاء اللہ کسی نے نہ کہا تھا۔ ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وھابی جماعت کے اکابر کی قرآن دانی کا یہ حال ہے ائمہ ہدیٰ کی تحقیقات کے مقابلہ میں اپنی "لغویات" کو ترجیح دینے والوں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ صالحین کو "اولیاء اللہ" تو خود خدا نے کہہ دیا تھا، مثلاً **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم** الخ......اور وہ کہتے ہیں یہ تیسری صدی میں ایجاد ہوا ہے۔ دونوں باتوں میں سے ایک ضرور ہے۔ یا تو وھابی محققین علم سے کورے ہوتے ہیں یا اولیاء دشمنی انہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ جس کی وجہ سے وہ جہالت کی اندھیر نگری میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

⊙ ...... ص ۱۹۱ پر انہوں نے اولیاء کرام کیلئے عطائی اختیارات کو ماننے کو اول تو مشرکین کے عقیدے سے ملایا، اور پھر کہا کہ اس سے انہیں خدا ماننا لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں۔ کیونکہ بے شمار دلائل اس بات پر موجود ہیں کہ اولیاء کرام کے پاس اختیارات وتصرفات موجود ہیں۔ اب انہیں ذاتی اختیارات تو نہیں کہا جاسکتا، ظاہر ہے اللہ کی عطا ہی کہیں گے، اگر ان کا اقرار کرنے سے شرک اور انہیں خدا ماننا لازم آتا ہے تو پھر خدا سے پوچھا جائے تو اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟۔ (دلائل پیچھے گذر چکے ہیں)۔

کیلانی صاحب کی یہ پوری کتاب ہی اس طرح کی خرافات اور تک بندیون سے بھرپور ہے۔ اپنی نارسائی، کم عقلی اور بے وقوفی کا رونا جگہ جگہ رویا ہے، اور قرآن وحدیث اور مسلمہ قوانین کا بھی مذاق اڑا کر اپنی عاقبت کو برباد کیا گیا ہے۔ کسی بھی چیز کے متعلق جب تعصب اور ضد درمیان میں آجاتی ہے تو آدمی اس کی خوبی کو بھی خامی بنانے کیلئے ہر طرح کے پاپڑ بیلتا ہے، یہی کچھ وھابی محقق مولوی عبدالرحمان کیلانی نے کیا ہے۔ ان کا یہ سیاہ کارنامہ سادہ لوح عوام الناس کیلئے گمراہی، بے راہ روی اور بزرگوں کے متعلق بدظنی کا سبب بن رہا ہے۔ کاش! وہ مسلمانوں کے عقیدت بھرے جذبات کے ساتھ یہ گھناونا کھیل نہ کھیلتے تو ہمیں ان کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

استمدادِ اولیاء قرآن وحدیث کی روشنی میں

اولیاء کرام مخلوق خدا کی مدد فرماتے ہیں، اس پر مذکورہ روایات کے علاوہ مزید چند دلائل پیش خدمت ہیں:

⊙ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون (المائدہ ۵۵)

تمہارا مددگار صرف اللہ ہے اور اسکا رسول ہے اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (اللہ کے سامنے عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے بعد ان ایمان والوں کو بھی مددگار کہا گیا ہے جو نماز قائم رکھنے والے، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور بارگاہ رب العزت میں عاجزی وانکساری کے ساتھ جھکنے والے ہیں ...... یہ اولیاء کرام کی صفت ہے...... تو گویا قرآن پاک نے اولیاء کرام کو بھی مددگار کہا ہے...... ظاہر ہے مددگار وہی ہوتا ہے جو مدد کر سکتا ہو اور جس سے مدد مانگی جا سکتی ہو۔

⊙ ...... دوسرے مقام پر فرمایا: فان اللہ ھو مولاہ و جبریل وصالح المومنین (التحریم ۴)

یعنی پس بے شک اللہ تعالیٰ اور جبریل اور نیک مومن مددگار ہیں۔

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

ان للہ تعالیٰ عبادا اختصھم لحوائج الناس یفزع الناس الیھم فی حوائجھم اولئک الامنون من عذاب اللہ

(طبرانی کبیر، عن ابن عمر بسند حسن، کنز العمال ۶/ ۳۵۰ رقم ۱۶۰۰۷)

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی حاجت روائی (مشکل کشائی) کیلئے خاص فرما رکھا ہے لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

اذا اراد اللہ لعبد خیرا استعملہ علی قضاء حوائج الناس

(شعب الایمان ۶/۱۱۷، اتحاف السادۃ المتقین ۸/۱۷۱)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

اذا اراد اللہ بعبد خیرا صیّر حوائج الناس الیہ

(الفردوس ۱/۲۴۳، کنز العمال ۶/۷ رقم ۱۴۵۹۴، اتحاف السادۃ المتقین ۸/۱۷۱)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کا مرجع حاجات بنا دیتا ہے (یعنی وہ لوگوں کی حاجات اور مشکلات کو دور کرتا ہے)۔

ان روایات سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے بھلائی، بہتری اور اچھائی کا ارادہ فرماتا ہے انہیں لوگوں کا مشکل کشا اور حاجت روا بنا دیتا ہے...... بھلا انبیاء کرام و مرسلین عظام کے بعد اولیاء فخام سے بڑھ کر اور کون ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرما سکتا ہے، تو معلوم ہوا کہ بندگان خدا اور مقربان بارگاہ الہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ اور ان سے مدد مانگی جا سکتی ہے...... بعض احادیث مبارکہ میں تو ان نفوس قدسیہ سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے...... مثلاً

⊙ ...... ارشاد نبوی ہے:

اطلبوا الخیر (والحوائج) من حسان الوجوہ

(طبرانی کبیر ۱۱/۶۷، التاریخ الکبیر للبخاری ۱/۱۵۷، طبرانی اوسط ۴/۲۷۴ رقم ۳۷۹۹، تاریخ بغداد ۷/۱۱، شعب الایمان ۳/۲۷۸، کنز العمال ۶/۵۲۰ رقم ۱۶۸۱۱، مسند ابی یعلیٰ ۴/۲۲۳ رقم الحدیث ۴۷۴۰، فیض القدیر ۱/۵۴۰)

بھلائی اور حاجتیں حسین چہرے (والوں) سے مانگو۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

اطلبوا الخير عند حسان الوجوه (مجمع الزوائد ۸/ ۱۹۷، المطالب العالیہ لابن حجر رقم الحدیث ۲۶۴۰، المقاصد الحسنہ ص ۸۳ رقم الحدیث ۱۴۴، ص ۱۰۰ رقم الحدیث ۱۶۱، حلیۃ الاولیاء ۳/ ۱۵۶، تاریخ کبیر، مسند ابویعلی، طبرانی کبیر ۱/ ۵۱، ۵۰، شعب الایمان ۳/ ۲۷۸، فیض القدیر ۱/ ۵۴۰)

خوبصورت چہرے (والوں) سے بھلائی مانگو۔

اب ظاہر ہے، اچھے اور حسین چہرے، اولیاء کرام کے ہی ہیں کہ حسن ازل بھی ان سے محبت فرماتا ہے حدیث نبوی ہے:

من کثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار (ابن ماجہ ص ۹۴ برقم ۱۳۳۳)

جس نے رات کو نماز کی کثرت کی صبح کو اس کا چہرہ حسین ہوگا۔

انبیاء کرام کے بعد اولیاء لہٰذا اعظام سے بڑھ کر کون حسین الوجہ، خوب رو اور خوشرو ہو سکتا ہے...... تو گویا اولیاء سے ہی حاجتیں اور بھلائی مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

⊙ مزید فرمایا:

اطلبوا الفضل عند الرحماء من امتى ترزقوا وتفلحوا (ابن حبان فی الضعفاء ۲/ ۳۶۳، کنز العمال ۶/ ۵۱۹ برقم ۱۶۸۰۶، المستدرک ۴/ ۳۲۱، طبرانی اوسط ۵/ ۳۲۱ رقم ۴۱۷۴ الی آمر فی التاریخ)

میری امت کے رحم کرنے والوں سے فضل (اور کرم) مانگو، تم رزق دیئے جاؤ گے اور فلاح پاؤ گے۔

⊙ ...... مزید فرمایا:

اطلبوا الحوائج الى ذوى الرحمة من امتى ترزقوا وتفلحوا

(العقیلی ۲ / ۳۲۱، ۲ / ۱۲۱ طبرانی اوسط)

اپنی حاجتیں میری امت کے رحمت والے افراد سے مانگو تم رزق پاؤ گے اور تمہیں کامیابی حاصل ہوگی۔

⊙ مزید فرمایا: اطلبوا حوائجکم عند حسان الوجوہ

(کنز العمال ۶/۵۲۰ برقم ۱۶۸۱۰)

اچھے چہرے والوں سے اپنی حاجتیں طلب کرو۔

⊙ بارگاہ نبوت میں ایک صحابی نے عرض کیا:

اسئال یارسول اللہ فقال النبی ﷺ لاوان کنت لابد فسل الصالحین (ابوداؤد ۱/۲۴۰، نسائی ۱/۲۹۶، مشکوۃ ص ۱۶۳)

میں (لوگوں سے بھیک) مانگنا چاہتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا نہ..... اور اگر تجھے مانگنے سے چھٹکارا نہ ہو تو پھر نیک لوگوں سے مانگا کر۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

لان الصالح لا یعطی الامن حلال ولا یکون الا کریما ورحیما ولا یھتک العرض ولانہ یدعولک فیستحاب (مرقات ۴/۱۸۲)

کیونکہ نیک لوگ حلال چیزیں عطا کرتے ہیں اور وہ کریم (کرم کرنے والے) اور رحیم (رحمت وشفقت والے) ہوتے ہیں کسی کی ہتک عزت نہیں کرتے اور اسلیئے بھی نیکوں سے مانگو کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول ہوگی۔

⊙ مزید فرمایا:

اذا انفلتت دابۃ احدکم بارض فلاۃ فلیناد یاعباد اللہ احبسوا یاعباد اللہ احبسوا فان للہ حاضرا فی الارض سیحبسہ (مسند ابو یعلی موصلی ۴/۲۳۹، رقم الحدیث ۵۲۴۷، الاذکار للنووی ص ۳۰۴، برقم ۵۵۷، طبرانی کبیر ۱۰/۲۶۷ برقم ۱۰۵۱۸، المعالب العالیہ لابن حجر برقم ۳۳۷۵، مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۵، واللفظ لہ، اخرجہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ برقم ۵۰۸)

یعنی جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل میں گم ہو جائے تو وہ پکارے، اے اللہ کے بندوا سے روکو! اے اللہ کے بندوا سے روکو! تو اللہ کے بندوں میں سے اس

زمین میں کوئی روکنے والا ہوگا جو اسے روک لے گا۔

یعنی جنگل میں جا کر بندگان خدا کو پکارو وہ تمہاری مدد کرتے ہوئے سواری کو روکیں گے۔

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا اضل احدکم شیئاً اواراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباد اللہ اعینونی (وفی نسخة اغیثونی) فان للہ عبادالانراھم وقد جرب ذلک (مجمع الزوائد ۱۰/۱۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/۳۹۰)

جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ مدد حاصل کرنا چاہے اور وہ ایسی زمین میں ہو جہاں اس کا کوئی پہچان والا نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ وہ کہے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو (ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میری فریاد کو پہنچو) کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو ہمیں دکھائی نہیں دیتے (وہ بندوں کی مدد کرتے ہیں)......اور یہ عمل تجربہ شدہ چیز ہے۔

یعنی یہ بات صرف کہنے کی حد تک نہیں، تجربہ بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو مدد اور فریاد کیلئے پکارا جائے تو وہ فریاد کو پہنچتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث کے متعلق فقہاء ومحدثین کی آراء

امام نووی علیہ الرحمۃ حدیث ''یاعباداللہ احسبوا ''نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت : حکی لی بعض شیوخنا کبائر فی العلم انه انفلتت له دابة اظنها بغلة وکان یعرف ھذاالحدیث فقاله فحبسها اللہ علیھم فی الحال ،وکنت انا مرة مع جماعة فانفلتت منھا بھیمة وعجزوا عنھا فقلته

فوقفت فی الحال بغیر سبب سوی ھذا الکلام (الاذکار ص۳۰۵ زیر رقم ۵۵۷)

میں کہتا ہوں کہ مجھ سے میرے بعض اساتذہ نے بیان کیا جو بہت بڑے عالم تھے کہ ایک مرتبہ ریگستان میں ان کی سواری بھاگ گئی غالبا وہ خچر تھی ان کو اس حدیث کا علم تھا، انہوں نے یہ کلمات کہے (اے اللہ کے بندو اسے روک لو) تو اللہ تعالیٰ نے اس سواری کو اسی وقت روک لیا...... اور میں (خود) ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھا، اس جماعت کی ایک سواری بھاگ گئی، وہ اس کو روکنے سے عاجز آ گئے میں نے یہ کلمات کہے تو بغیر کسی اور سبب کے صرف ان کلمات کی وجہ سے وہ سواری اسی وقت رک گئی۔

⊙ ...... ملا علی قاری علیہ الرحمۃ بھی امام نووی کی اس عبارت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قال بعض العلماء الثقات ھذا حدیث حسن یحتاج الیه المسافرون و روی عن المشائخ انه مجرب محقق (الحرز الثمین)

بعض پختہ اور قابل اعتماد علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، مسافروں کو اس کی بہت ضرورت ہے اور مشائخ کرام سے مروی ہے کہ یہ مجرب اور محقق ہے (اس کو بار بار آزمایا گیا ہے اور واقعی اس سے حاجت روائی ہوتی ہے)۔

⊙ ...... مزید فرماتے ہیں:

المراد بھم الملئکة او المسلمون من الجن اورجال الغیب المسمون بالابدال

"عباداللہ" سے مراد فرشتے ہیں یا مسلمان جن یا اس سے مردان غیب (اولیاء) مراد ہیں جن کو ابدال کہا جاتا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(الحرز الثمین المنزل الرابع ورد یوم الاحد ص۱۲۷، وعلی ہامش الدر الغالی ص۳۷۸)

استمداد اولیاء کے متعلق مخالفین کی تائیدات

نواب قطب الدین خاں لکھتے ہیں:

مراد بندگان خدا سے رجال الغیب ہیں یعنی ابدال یا ملائکہ یا مسلمان جنات اور طبرانی کی روایت کے تحت لکھتے ہیں: یہ قول راوی کا ہے میرک شاہ نے بعض ثقہ علماء سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور تمام مسافر اس کی طرف محتاج ہیں اور مشائخ سے روایت کی گئی ہے کہ یہ مجرب ہے، اس کام میں (جانور بھاگنے میں) اور ہوسکتا ہے کہ مقصود پر فتحیاب ہونا بھی ہو۔ (ظفر الجلیل مطبوعہ ۱۲۵۴ھ)

⊙ ...... حصن حصین مترجم کے حاشیہ میں مولوی ادریس دیوبندی لکھتے ہیں: مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہ عمل آزمودہ ہے۔

⊙ ...... غیر مقلدین کے پیشوا قاضی شوکانی نے بھی امام نووی کی تائید کی ہے...... اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:

مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے جو نظر نہ آتے ہوں، جیسے فرشتے اور صالح جن اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ جب سواری کھسک جائے یا بھاگ جائے تو انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۱۵۶، ۱۵۵)

⊙ ...... غیر مقلدین کے دوسرے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالی شارع ''عدۃ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی جواز الاستعانة بمن لایراهم الانسان من عباد الله سبحانه من الملا ئكة وصالحی الجن ولیس فی ذلک باس كما یجوز للانسان ان یستعین ببنی آدم اذا عثرت دابته

او انفلتت انتھی (نزل الابرار ص ۳۳۵)

اس حدیث (روایت ابن عباس) میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ اس مخلوق سے بھی مدد مانگنا جائز ہے جس کو انسان دیکھ نہیں پاتا یعنی اللہ سبحانہ کے نیک بندوں سے خواہ وہ فرشتے ہوں یا نیک جن اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے سواری کے کھسک جانے یا پھسل جانے پر (عام) انسانوں سے مدد مانگنا جائز ہے۔

⊙ ...... مزید اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کنت مرة فی سفر من بلدة مرزا پورا الی جبلپور من بلاد الهند فوقع المرکب الذی کنت علیه فی الجدول والجدول فی طغیان وکدت اغرق فیه مع المرکب وکان هذا الحدیث علی ذکر منی فقلت هذا الکلام فوقف المرکب فی الحال علی مجارة عظمیة کانت فی ذالک الجدول بعد ان سال علی موج الماء ونجوت من الغرق ولله الحمد (نزل الابرار ص ۳۳۵)

میں (نواب صدیق حسن خان) ایک مرتبہ ہندوستان کے شہر مرزا پور سے جبلپور کی طرف سفر کر رہا تھا کہ میری سواری ندی میں گر گئی اور اس وقت وہ ندی طغیان کی زد میں تھی، قریب تھا کہ میں سواری سمیت غرق ہو جاتا، یہ حدیث مجھے یاد تھی میں نے فوراً یہ کلمات کہے (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو) میری سواری فوراً ایک بہت بڑے پتھر پر ٹھر گئی جو اس ندی میں پانی کی موجوں میں بہتا ہوا آ رہا تھا اور میں غرق ہونے سے نجات پا گیا۔ الحمد للہ

⊙ ...... غیر مقلدین کے پیشوا نواب وحید الزماں حیدر آبادی نے ”ھدیة المھدی“ کے نام سے عقائد پر مشتمل ایک کتاب لکھی......اس صفحہ نمبر ۵ میں لکھتے ہیں ”بینت فیها العقائد الصحیحة لاهل الحدیث والجماعة

یعنی میں نے اس کتاب میں اہل حدیث و جماعت (وھابی حضرات) کے صحیح عقائد بیان کیے ہیں...... اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

اللھم ایدنی فی تالیف ھذا الکتاب واتمامه بالا رواح المقدسة من الانبیاء والصالحین والملائکة المقربین سیماروح امامنا الحسن بن علی وروح شیخنا عبد القادر الجیلانی وروح شیخنا ابن تیمیه الحرانی وروح شیخنا احمد المجدد للالف الثانی (ہدیۃ المہدی ص ۳۱۴)

اے اللہ اس کتاب کو لکھنے اور اسے مکمل کرنے میں انبیاء کرام، نیکوں اور مقرب فرشتوں کی مقدس روحوں سے میری مدد فرما: خصوصاً ہمارے امام حسن بن علی ہمارے بزرگ عبدالقادر جیلانی، ہمارے بزرگ ابن تیمیہ حرانی، ہمارے بزرگ احمد مجدد الف ثانی کی ارواح سے۔

یعنی ان کی ارواح کو میری طرف متوجہ فرما! تاکہ ان کی روحانی مدد سے میری کتاب پایہ تکمیل کو پہنچے...... گویا وھابی حضرات کے اس بزرگ نے تسلیم کرلیا کہ بزرگوں کی روحیں واپس آتی بھی ہیں اور مدد فرماتی بھی ہیں۔

⦿ ...... غیر مقلدین کے یہی امام لکھتے ہیں:

قال السید فی بعض توالیفه قبله دین مددی کعبه ایمان مددی ابن قیم مددی قاضی شوکان مددی (ہدیۃ المہدی ص ۲۳)

سید (نواب صدیق) نے اپنی بعض کتابوں میں کہا ہے:

دین کے قبلہ مدد کر، ایمان کے کعبہ مدد کر
ابن قیم مدد کر، قاضی شوکانی مدد کر

اس عبارت میں نواب صدیق نے اپنے بزرگ ابن قیم اور قاضی شوکانی سے ان کی وفات کے بعد مدد طلب کی ہے اور نواب وحید الزماں نے اس کی تائید کی ہے۔

⊙ ...... غیر مقلدین حضرات کے استاذ پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے سوانح نگار منیر احمد سلفی نے حضور غوث پاک کی دستگیری اور مشکل کشائی کا واقعہ یوں لکھا ہے:

''حافظ صاحب عازم بھوپال ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر اٹھار سال تھی، بھوپال پہنچ کر آپ شہر کے باہر ایک سرائے میں پڑے رہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ شہر میں داخلہ کیلئے اجازت لینا پڑتی تھی جو قلعہ کا منشی عبدالکریم دیتا تھا۔ اب حافظ صاحب کیلئے اجازت کون لے؟ (کیونکہ نابینا بھی تھے اور) کوئی معتبر اور معزز آدمی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا، شہر کے باہر پڑے پڑے آپ کا دل گھبرانے لگا تھا، اسی پریشانی میں آپ کو نیند آ گئی، خواب میں حضرت عبدالقادر جیلانی کی زیارت نصیب ہوئی، پیر جیلاں آپ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے رہے اور فرمایا کہ آپ بے دھڑک شہر کے اندر داخل ہو جائیں آپ سے کوئی داخلہ کا اجازت نامہ نہیں پوچھے گا، آپ کو دیر تک تسلی دیتے رہے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو طبیعت خاصی ہشاش بشاش تھی اور گھبراہٹ بالکل دور ہو چکی تھی۔ آپ اسی وقت تیار ہوئے اور شہر کے دروازے میں داخل ہو گئے مسافرانہ ہیئت کے ساتھ آپ چلے جا رہے تھے دربان ڈیوٹی پر موجود تھے مگر کسی نے اس نابینا جوان رعنا سے نہ اجازت نامے کا پوچھا نہ کوئی اور سوال جواب کیا۔ (عبدالمنان ص ۶۵، ۶۶)

آخر اجازت نامہ کے متعلق سوال و جواب کیوں کرتے، حضرت غوث پاک نے ان کے دلوں پر تصرف جو کر دیا تھا، ادھر حافظ عبدالمنان کی دستگیری فرمائی، اسکی طبیعت کو ہشاش بشاش کیا، گھبراہٹ کو دور کیا اور پوری پوری تسلی دے کر اپنی روحانی طاقت اور وصال کے بعد مدد کا خوب خوب مظاہرہ فرمایا...... ممکن ہے حافظ صاحب نے حضور غوث پاک کو پکارا بھی ہو...... اگر ندا نہ بھی کی ہو تب بھی یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ بغداد شریف میں ہی تشریف فرما ہو کر حافظ عبدالمنان کے تمام

احوال و معاملات کو ملاحظہ فرما رہے تھے، جبھی تو پریشانی کے عالم میں فوراً مدد کو پہنچ کر اپنے غوث اور مددگار ہونے کا ثبوت فراہم کیا اور وھابی حضرات نے خوش فہمی میں آ کر فقط اپنے بزرگ کی عظمت اور رفعت کو بیان کرنے کیلئے اس واقعہ کو اس کی سوانح حیات میں پورے اہتمام کے ساتھ شامل کیا ...... اسے غوث پاک کی کرامت اور روحانی تصرف ہی کہتے کہ دن رات مسلمانوں پر فتوے لگانے والے وھابی حضرات نے بھی شرح صدر کے ساتھ تسلیم کرلیا ہے کہ واقعی آپ حاجت روا، مشکل کشا، دستگیر، فریادرس اور غوث ہیں ...... اگر انہیں حضور غوث پاک کی مشکل کشائی، حاجت روائی اور دستگیری پر یقین نہ ہوتا تو بجائے آپ کی ہدایت پر اجازت نامہ ڈھونڈتے یا کوئی واقف آدمی تلاش کرتے، معلوم ہوا حافظ صاحب نے آپ کو مشکل کشا مان کر اس پریشانی کے عالم میں آپکی دی ہوئی تسلی پر پختہ یقین رکھا اور سوانح نگار نے محض خوش عقیدگی میں آ کر اپنے مسلک و مذہب کے برخلاف یہ واقعہ حافظ صاحب کی سوانح میں نقل کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی ...... اب پوچھنے والی بات تو یہ ہے کہ اگر غوث پاک، اولیاء کرام کی طاقت، قوت اور روحانی تصرف کے منکرین کی مدد فرما سکتے ہیں تو کیا اپنے محبین، مریدین اور معتقدین کی دستگیری نہیں فرما سکتے؟

خدا کرے کہ وھابی حضرات نے جس طرح اپنے بزرگ کی شان و عظمت کے ضمن میں اولیاء کی دستگیری اور مشکل کشائی کا مسئلہ تسلیم کرلیا ہے اسی طرح انہیں دیگر اختلافی مسائل کو بھی تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ مسلمان روز روز کے شرک و بدعت کے فتووں سے خلاصی پاسکیں ...... اللھم آمین

⊙ ...... دیوبندی اور وہابی حضرات کے متفقہ بزرگ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان، عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون و مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کو

پہنچتا ہے کہ تمام کلمات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔ (صراط مستقیم مترجم ۱۳۹،۱۳۸ مطبوعہ ادارہ نشریات اسلام)

⊙ ...... مزید ذکر کی وجہ سے حاصل ہونے والی قوت واختیار اور تصرف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آہستہ آہستہ اس ذکر کو زیادہ کرے تا کہ اس کے آثار ظاہر ہوں منجملہ اس کے آثار کے ذاکر کی روح کی نورانیت ہے اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت ودوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا ہے جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات کا منکشف ہونا اور انہیں امور کی خاطر روح کو آسمان پر ٹھہرا کر وہاں دور وسیر کرانا مناسب ہے، اور وہاں کے عجائبات کا دیکھنا مختلف طور پر واقع ہوتا ہے ہر کوئی اپنی قوت ادراک اور اپنی استعداد اور اپنے حال کے مناسب دیکھتا ہے اور ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہم کلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے اور کبھی کسی نیک صالح پر جو سالک کی راہ کے مفید ہوتی ہے یا اور کسی امر پر اس کو اطلاع دیتے ہیں اور اس کی بدولت سالک کو ایک قسم کی لطافت اور ذات پاک الٰہی کے ساتھ قرب اور انس میسر ہو جاتا ہے اور اپنے جسم سے بیگانگی سی حاصل ہو جاتی ہے اور ایک قسم کی نورانیت بہم پہنچتی ہے جو کہ شغل نفی میں اعانت وامداد کرتی ہے اور ہر چند روح بشری عالم قدس اور سموات میں عروج کرنے کے قابل نہیں لیکن ذکر الٰہی اس کا بدرقہ ہو گیا ہے پس جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ کی معاونت سے پہنچ جاتی ہے۔ (صراط مستقیم ص ۱۴۶ مترجم)

دیکھئے! ذکر الٰہی کی برکت سے ایک عام انسان کو جو روحانی قوت اور باطنی تصرف حاصل ہوتا ہے اس کے بسبب وہ ارواح طیبہ سے ملاقات اور جنت، دوزخ،

سدرۃ المنتہیٰ، عرش اور بیت المعمور کی سیر کرسکتا ہے اور جسمانی طاقت کی وجہ سے جہاں پہنچنے سے قاصر تھا روحانی طاقت کے بل بوتے پر وہاں پہنچ سکتا ہے...... اور پھر یہ بھی نہیں کہ صرف ایک آدھ بار ہی ایسا ہو، نہیں بلکہ دہلوی صاحب کے گمان کے مطابق ایسے ذاکر کو یہ ملکہ مستقل مل جاتا ہے اب اسے تصرف، دور اور سیر کیلئے کسی نئے ''اجازت نامے'' کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی بس ذکر کی ایک دو ضربیں لگائیں اور جہاں چاہا پہنچ گئے۔

یاد رہے یہ تصرف اور طاقت ایک عام ذاکر کو ملتی ہے تو اولیاء کرام کہ جن کا اوڑھنا، بچھونا ذکر الٰہی ہوتا ہے، جن کا ایک ایک لحہ یاد خداوندی میں گزرتا ہے ان کے روحانی تصرف اور باطنی طاقت کا کیا عالم ہوگا...... اگر کوئی کسی خطہ ارضی میں کراہتا ہو، مشکل میں مبتلا، اور مصیبت میں گھرا ہوا انہیں پکارے تو کیا وہ ذکر الٰہی کی برکت سے اس کی امداد و اعانت کو نہیں پہنچ سکتے؟

⊙ ...... مزید لکھتے ہیں:

نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں اور احدیت کے دریا ونکی گہری تہہ میں کھینچ لے جاتی ہیں...... تو پھر اشرف موجودات (انسان) سے جو ذات (سبحانہ وتعالیٰ) کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا مظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے لئن سالنی لاعطینه و لئن استعاذنی لاعیذنه یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔ (صراط مستقیم ص ۱۷۰ مترجم)

یعنی رحمانی کشش اور خدائی جذبہ جب انسان کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے تو

دیگر خوارق عادات و کرامات کے علاوہ اسے یہ مقام بھی نصیب ہوتا ہے کہ اسکی دعاؤں کو قبول کیا جاتا ہے، جو مانگے اسے دیا جاتا ہے اور لوگوں کی آفتوں اور مصیبتوں کو دور بھی کر دیتا ہے......اور یہ بات کسی کا اختراع شدہ نہیں بلکہ بخاری شریف کی مندرجہ بالا حدیث قدسی سے ثابت ہے......اولیاء کرام کے تصرف اور دستگیری کی اس سے زیادہ اور کیا صراحت ہوگی؟۔

⊙ ...... دیوبندی حضرات کے امام ربانی، رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

اور بعض روایات میں جو آیا ہے اعینونی یاعباداللہ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۴۱ مبوب)

اس عبارت میں اللہ کے بندوں سے بحالت حیات مدد مانگنے کے جواز پر تصریح موجود ہے۔ بعد از وصال مدد مانگنے کا مسئلہ بھی دیوبندی سپوتوں نے خود ہی حل کر دیا ہے، درج ذیل سطور میں دلائل آرہے ہیں۔ مزید کچھ آگے بھی پیش ہوں گے۔

⊙ ...... دیوبندی پیشواؤں کے متفقہ پیر و مرشد، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں:

البتہ وہ پکار جو حدیث میں آئی ہے۔ مثلاً

یاعباداللہ اعینونی (اے بندگان خدا میری مدد کرو)

وہ سب کے نزدیک جائز ہے، یہ تفصیل جو اوپر گزری ہے عوام کیلئے ہے، اہل خصوصیت کا حال بھی جدا اور حکم بھی جدا، ان کے حق میں یہ فعل عبادت ہو جاتا ہے۔ جو خواص میں سے ہوگا وہ خود سمجھ جائے گا۔ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ اس سے "یاشیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کے وظیفے کا حکم معلوم ہو گیا اگر شیخ کو متصرف حقیقی سمجھے تو یہ شرک کی طرف لے جانے والی بات ہے۔ ہاں اگر وسیلہ یا ذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ

کر خالی الذین ہو کر پڑھے تو کچھ حرج نہیں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۳۴،۳۳)

یعنی مذکورہ الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذین ہو کر صرف محبت وشوق میں پڑھے یا یہ خیال ہو کہ حضرت غوث پاک تو صرف اللہ کی عطا کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اصل دینے والا تو خود خالق کائنات ہے تو پھر یہ کلمات کہنے میں کچھ حرج نہیں کہ "اے شیخ عبدالقادر جیلانی اللہ کیلئے کچھ عطا کرو!" معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا عقیدے سے حضرت شیخ جیلانی سے بعد از وصال کچھ طلب کرنا شرک نہیں، درست ہے۔

⊙ ...... دیوبندی حضرات کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے:

کہ (یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ پڑھنے کی) صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لئے جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ (فتاوی اشرفیہ ۱/۶، امداد الفتاوی ۱/۹۴، یا حرف محبت اور باعث رحمت ہے ص ۹۹)

⊙ ...... سینکڑوں دیوبندی علماء کے استاد اور دیوبندی محدث مولوی سرفراز گکھڑوی کے پیر و مرشد، حسین علی واں بھچھروی لکھتے ہیں:

وحل مشکلے ازحق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگاں بجااست وعین رضا است ......بداں اے برادر گفتن یارسول اللہ بطریق تعشق وتوسل خارج از مبحث است ...... قال نواب صدیق حسن خان گفتہ ع شیخ سنت مددی قاضی شوکاں مددی بمعنی دعاباشد چنانچہ درہندی گویند شالا مدد ہووے پیر جیلانی (بلغۃ الحیران ص ۳۶۴)

اور بزرگوں کی توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا بجا اور عین رضا ہے۔

اے بھائی جان لے! عشق اور توسل کے طور پر یارسول اللہ کہنا (اختلافی) بحث سے خارج ہے نواب صدیق حسن خان نے کہا ہے کہ اے سنت کے شیخ مدد کر اے قاضی شوکانی مدد کر، جس طرح پنجابی میں کہتے ہیں شالا مدد ہووے پیر جیلانی۔

یعنی بزرگوں کو پکارنا، ان سے مدد مانگنا اور ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا کے اللہ تعالیٰ سے کچھ طلب کرنا درست بلکہ عین رضا و خوشنودی ہے...... جیسا کہ نواب صدیق نے ابن قیم اور قاضی شوکانی سے مدد مانگی ہے یا جس طرح پنجابی لوگ حضرت شیخ جیلانی سے مدد مانگتے ہیں۔

⊙ ...... دیوبندی مسلک کے چوٹی کے مفسر، مفتی محمد شفیع آف کراچی لکھتے ہیں:

اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعے (ظاہری اسباب کے علاوہ) کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایات حدیث اور اشارات قرآن سے اس کا بھی جواز ثابت ہے وہ بھی اس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ کیلئے مخصوص اور غیر اللہ کیلئے حرام و شرک ہے۔

(معارف القرآن ۱/۲۲)

گکھڑوی صاحب کی شاطرانہ چال

مذکورہ دونوں عبارتوں کو دیوبندی محدث مولوی سرفراز گکھڑوی نے تسکین الصدور ص ۴۱۳ اور ص ۴۱۵ پر بھی نقل کیا ہے۔ دونوں عبارتوں میں مدد کی نسبت واضح لفظوں میں بزرگوں کی طرف موجود ہے، لیکن گکھڑوی صاحب اپنے مصنوعی دیوبندی مسلک کی لاج رکھنے کیلئے ان میں تحریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی سمجھ دار قسم کا کوئی مسلمان اس سے یہ مراد نہیں لیتا کہ ان الفاظ سے شیخ عبدالقادر جیلانی سے مدد طلب کیجا رہی ہے، بلکہ یہی سمجھے گا کہ ان کے وسیلہ اور طفیل سے دعا کی جاتی ہے۔ (تسکین الصدور ص ۴۱۳)

ایسے سمجھ دار آدمی تو شاید صرف دیوبندی دھرم میں ہی بستے ہوں جو "مدد کر" "مدد ہووے" اور "مدد مانگنا" کے الفاظ سے یہ سمجھیں کہ ان لفظوں سے بزرگوں سے

مدد نہیں مانگی جارہی ورنہ دنیا کا ہر دانشمند، اہل عقل اور سمجھدار آدمی گکھڑوی صاحب کے کشید کردہ مذکورہ مطلب کی بجائے یہی سمجھتا ہے کہ ان الفاظ سے اولیاء کرام سے ہی مدد مانگی جارہی ہے۔ لیکن اگر گکھڑوی صاحب کو اس حقیقت کی سمجھ نہ آئے تو انہیں محدث اعظم کہلانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

؎ دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

⊙ ...... بلکہ تھانوی صاحب دیگر اولیاء کرام تو رہے ایک طرف اپنے دیوبندی مسلک امام ربانی، رشید احمد گنگوہی کی بارگاہ میں یوں استغاثہ اور فریاد کیا کرتے تھے:

یاسیدی للّٰہ شیئا انہ انتم لی المجدی وانی جاری

(تذکرۃ الرشید ص۱۱۴،۱۱۵)

اے میرے آقا اللہ کیلئے کچھ تو دیجئے! آپ کرم فرمانے والے ہیں اور میں سوالی ہوں۔

دیکھیے! اگر دیوبندی بزرگ کو فریاد سنانا اور ان سے طلب کرنا شرک، حرام اور ناجائز نہیں تو اولیاء کرام اور محبوبان خدا کو پکارنا، ان سے مدد طلب کرنا اور انہیں اپنی فریاد سنانا کس طرح ناجائز اور شرک ہوسکتا ہے؟

⊙ ...... تھانوی صاحب اپنا موقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جو استعانت واستمداد بالمخلوق ...... باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو، جائز ہے، خواہ وہ مستمد منہ حی ہو یا میت۔

(بوادر النوادر ص۸۲،۸۳، فتاوی امدادیہ ۴: ۹۹،۱۰۰)

تھانوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر مخلوق سے عطائی علم وقدرت کا اعتقاد رکھ کر مدد طلب کی جائے تو جائز ہے، جس سے مدد طلب کی جائے خواہ وہ زندہ ہو یا فوت

شدہ، اوران کا یہ شرط عائد کرنا کہ اس علم وقدرت پر دلیل بھی موجود ہے، تو بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے اس باب میں اس پر متعدد دلائل پیش کر دیئے ہیں۔

⊙ مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔ (حاشیہ قرآن ص۲ زیر آیت ایاک نعبد وایاک نستعین)

⊙ قاسم نانوتوی کہتے ہیں:

وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلہ میں علماء دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہل سنت و جماعت کا ہے۔ (سوانح قاسمی ۱/۳۳۲)

⊙ حاجی امداد اللہ کہتے ہیں: ایک بار مجھے ایک مشکل پیش تھی اور حل نہ ہوتی تھی میں نے حطیم میں کھڑے ہو کر کہا کہ تم لوگ تین سو ساٹھ ہو، یا کم زیادہ اولیاء اللہ کہ یہاں رہتے ہو، اور تم سے کسی غریب کی مشکل حل نہیں ہوتی تو پھر تم کس مرض کی دوا ہو؟ یہ کہہ کر میں نے نماز نفل شروع کر دی میرے نماز شروع کرتے ہی ایک آدمی کالا سا آیا اور وہ بھی پاس ہی نماز میں مصروف ہو گیا۔ اس کے آنے سے میری مشکل حل ہو گئی جب میں نے نماز ختم کی تو وہ بھی سلام پھیر کر چلا گیا۔ (امداد المشتاق ص ۱۲۱)

ملاحظہ فرمائیں! دیوبندی بزرگ کعبہ میں بھی جا کر اللہ کی بجائے اولیاء کو ہی پکارتے رہے، لیکن پھر بھی دیوبندی مذہب سے ان پر شرک وکفر کا کوئی فتویٰ صادر نہیں ہوا کیونکہ یہ سارے فتوے سنی مسلمانوں کیلئے سنبھال رکھے ہیں۔

⊙ اسی طرح دیوبندی مسلک کے ایک دوسرے معتبر عالم مولوی ذوالفقار علی اپنے پیشوا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی بارگاہ میں یوں فریاد کرتے ہیں:

یا مرشدی و یا مولٰئی یا مفزعی

یا ملجائی فی مبدئی و معادی

یاسیدی للّٰہ شیئا انہ

انتم لی المجد لی وانی جاری

(کرامات امدادیہ ص ۳)

اے میرے مرشد، اے میری پناہ گناہ، اے میری پریشانی کے سہارے، اور دنیاوآخرت میں میری پناہ گاہ!۔

اے میرے سردار! خدا کے واسطے کچھ عطا کرو، آپ سخاوت کرنے والے ہیں اور میں منگتا ہوں۔

⊙ ...... دیوبندی حضرات کے شیخ الہند، مولوی محمود الحسن اپنے بزرگ رشید احمد گنگوہی کی وفات کے بعد ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کا یوں اعلان کرتے ہیں:

جوائج دین ودنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب

گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

یعنی خداوندا! پہلے تو ہم اپنی تمام جسمانی وروحانی حاجات اور مشکلات کوحل کرانے کیلئے بجائے تیرے پاس لانے کے اپنے بزرگ مولوی رشید احمد گنگوہی کے پاس لے جاتے تھے، اب ہمارا وہ حاجت روااور مشکل کشا دنیا سے چل بسا ہے، اپنی حاجات مشکلات اور ضروریات کواب بھی ہم تیری بارگاہ میں پیش نہیں کرنا چاہتے، ہمارا ایک حاجت روااور مشکل کشا کوچ کر چکا ہے اب کوئی دوسرا ایسا فرد بتلا جو ہماری حاجات پوری کردے، مشکلیں آسان کردے اور ضروریات عطا کردے......شاید دیوبندی حضرات کے یہ معتبر بزرگ اور مستند عالم اللہ رب العالمین کوتدبیر وتصرف اور حاجت روائی ومشکل کشائی سے معزول سمجھتے ہوں، جبھی تو بارگاہ رب العزت سے

دوسرے حاجت روا اور مشکل کشا کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا عبارات میں غیر مقلدین اور دیو بندی حضرات نے پورے شرح صدر اور خوش دلی کے ساتھ اپنے بزرگوں سے حاجت روائی، مشکل کشائی اور فریاد رسی کیلئے ندا و پکار کی ہے...... اگر یہی کام سنی مسلمان سر انجام دیں تو ان بے گناہوں پر شرک کی مشین گن کھول دی جاتی ہے...... اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں مشرک، بے ایمان، گمراہ اور جہنمی ہونے سے نہیں بچا سکتی...... دراصل مذکورہ گروہوں کا وجود ہی ایسے خمیر سے تیار کیا گیا ہے کہ انہیں اپنے دامن کی سیاہی تو دکھائی نہیں دیتی لیکن وہ دوسروں کے بے داغ جسم پر شرک و بدعت کے بدنما دھبے تلاش کرتے رہتے ہیں، ان سے اپنی آنکھ کا شہتیر بھی اوجھل ہو جاتا ہے اور دوسروں کی آنکھ کا تنکا پہاڑ سے بھی دراز دکھائی دیتا ہے...... گویا اپنے اور بیگانے کا فرق ان لوگوں کی گھٹی میں شامل ہے جو اسلام لوگوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں اندرون خانہ اس کا عشر عشیر بھی نافذ نہیں ہو سکتا، انہوں نے دو اسلام ایجاد کر رکھے ہیں عوام الناس کیلئے الگ اور اپنے لئے الگ۔
اور ستم بالائے ستم یہ کہ آج تک اس دوغلہ پالیسی کا احساس تک نہیں ہوا۔ بقول شاعر

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہے
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بہر حال کچھ بھی ہو، حقیقت اپنا وجود منوا لیتی ہے اگرچہ اسے لاکھ پردوں کے نیچے ہی کیوں نہ دبا دیا گیا ہو وہ ایک دن نمایاں ہو کے رہتی ہے، یہی حال کچھ یہاں پر ہے کہ آج تک تصرفات و استمداد اولیاء کو شرک و کفر کہنے والوں کو بالآخر اقرار کرنا ہی پڑا کہ اولیاء کرام کو بارگاہ خداوندی سے وسیع اختیارات اور تصرفات حاصل ہوتے ہیں۔

؎ چہرۂ تاریخ پہ تھے گو نقابوں پر نقاب
حقیقت پھر حقیقت تھی نمایاں ہو گئی

استمداد اولیاء پر حرف آخر

انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد کے متعلق جو ہم نے احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات نقل کی ہیں اس سے ہمارا صرف یہ منشاء ہے کہ عام مسلمان جو شدائد اور ابتلاء میں یا رسول اللہ یا علی اور یا غوث اعظم وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں، ان کا یہ پکارنا شرک نہیں ہے اور اس نداء کو شرک کہنا شدید ظلم اور زیادتی ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور اولیاء کو بہر حال اللہ کی مخلوق اور اس کے مقرب بندے گردانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا ہر فعل اور ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے اذن اس کی مشیت اور اس کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہے، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہوں یا عام انسان، اس کائنات میں جس سے بھی جو فعل صادر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صادر ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی انسان کو کسی شے پر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں ہے۔

اس اعتقاد کے ساتھ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد اور استغاثہ کرنا ہر چند کہ جائز ہے لیکن افضل، احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استغاث کی جائے، امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن ایک سواری پر نبی اکرم ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کو یاد رکھو، تم اللہ کو سامنے پاؤ گے جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لئے جمع

ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ، امام ابن سنی، اور امام ابن عبد البر نے بھی روایت کیا ہے

(ماخوذ از تبیان القرآن ۱/۲۱۶)

⊙ استمداد اولیاء کا مسئلہ آج کل متنازعہ فیہ بنا ہوا ہے لیکن یہ امر یاد رہے کہ باذن اللہ کے عقیدے کے ساتھ یہ کمالات اولیاء کے لئے ماننا شرک کے زمرے میں نہیں آتا۔ ہاں اگر استقلال ذاتی اور بلا اذن اولیاء کیلئے یہ تصرفات مانے جائیں تو یقیناً شرک ہے لیکن ایسا عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں ہے۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/۵۶۹)

اولیاء کرام خدائی طاقت کے مظہر ہیں

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قال من عادیٰ لی ولیًا فقد اذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیئ احب الی مما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا وان سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ وما ترددت عن شئی انا فاعلہ ترددی عن نفس المومن یکرہ الموت وانا اکرہ مساء تہ

(بخاری ۲/۹۶۳ واللفظ لہ، مشکوٰۃ ص ۱۹۷، مسند احمد ۶/۲۵۶، حلیۃ الاولیاء ۱/۵، ۴، صحیح ابن حبان ۱/۲۸۰ رقم الحدیث ۳۴۸، السنن الکبریٰ ۳/۳۴۶، کنز العمال ۷/۷۷۰ رقم ۲۱۳۲۷)

یعنی رسول خدا ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جس شخص نے میرے ولی سے دشمنی رکھی میں سے اعلان جنگ کرتا ہوں جس چیز سے بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے اس میں سب سے زیادہ مجھے وہ عبادت محبوب ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، حتی کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں (اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں) تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسکو ضرور پناہ دیتا ہوں اور میں جس کام کو بھی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کسی کام میں بھی اتنا تردد (اتنی تاخیر) نہیں کرتا جتنا تردد (جتنی تاخیر) میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

⊙ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

وفواده الذی یعقل به ولسانه الذی یتکلم به

(فتح الباری ۱۱ ۲۸۸، عمدۃ القاری ۲۳ ۹۰)

یعنی میں اس کا دل اور دماغ بن جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا ہے اور اسکی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

⊙ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

فبی یسمع وبی یبصروبی ویبطش وبی یمشی (حاشیہ بخاری ۲ ۹۶۳)

پس وہ میرے ساتھ ہی سنتا ہے اور میرے ساتھ ہی دیکھتا ہے اور میرے ساتھ ہی پکڑتا ہے اور میرے ساتھ ہی چلتا ہے۔

حدیث مذکور کی غلط توجیہ

بعض شارحین اور مدعیان علم و دانش حدیث مذکور کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کے کان اور آنکھیں ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ اس مقام محبوبیت پر پہنچ کر اپنی آنکھوں سے وہی دیکھتا ہے جس کے دیکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہی کچھ سنتا، پکڑتا اور اسی کی طرف چلتا ہے جن امور کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یعنی غلط، ناجائز اور گناہ والی چیزیں دیکھنے، سننے اور پکڑنے سے اجتناب کرتا ہے۔ یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ کوئی بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا محبوب نہیں بنتا جب تک اس کا دیکھنا، اس کا سننا، اس کا پکڑنا اور اس کا چلنا احکام خداوندی کے مطابق نہ ہو جائے...... اگر محبوب خدا بن جانے کے بعد بھی وہ صرف غلط اور اور ناجائز امور سے احتراز کرتا ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے، جو کہ محال ہے...... بقول امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ حدیث مذکور کا یہ معنی بالکل غلط بلکہ حدیث پاک میں تحریف کے مترادف ہے...... کیونکہ اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا بندہ، محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا حصہ سے گناہ نہیں کرتا، اور وہ اپنے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن محبوب ہونے کی حالت میں مسلسل گناہ کرتا رہتا ہے۔ (معاذ اللہ)

حالانکہ اس معنیٰ کو جب الفاظ حدیث پر پیش کیا جاتا ہے تو حدیث شریف کا کوئی بھی لفظ اس کی تائید نہیں کرتا، کیونکہ ایک معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے تو وہ محبوب بنا ہے...... اگر گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی محبوبیت کا مقام حاصل ہوتا ہے تو تقویٰ و پرہیزگاری کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟۔ (ماخوذ از مقالات کاظمی حصہ سوم)

حدیث مذکور کی صحیح توجیہ

حدیث مذکور کی صحیح توجیہہ یہ ہے کہ بندہ تقویٰ و پرہیزگاری اور اتباع سنت سے مقام محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے...... جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ۳۱)

فرما دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

یعنی بندہ پہلے برے کام ترک کرتا ہے، سچی توبہ کرنے کے بعد فرائض اور نوافل پر پابندی اختیار کرتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کا معبود حقیقی اور محبوب ازلی، خداوند قدوس اپنی نوازشوں، عنائتوں اور کرم نوازیوں کے ساتھ اس کا استقبال فرماتا ہے، پہلے بندہ اسے اپنا محبوب بنانا چاہتا تھا اب وہ اس خاکی انسان کو اپنا محبوب بنالیتا ہے، بندہ مقام محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے، اس پر انوار الٰہی کی برسات ہونے لگتی ہے، انوار قدسیہ اسکے حواس، اعضاء و جوارح اور آلات بن جاتے ہیں، نور خداوندی اس کے رگ و ریشہ میں اثر انداز ہوتا ہے، اس طرح یہ مقرب بندہ صفات الٰہیہ کا مرکز و مظہر بن جاتا ہے، وہ اللہ کے نور سے سنتا، اسی کے نور سے دیکھتا، اسی کے نور سے چلتا، اسی کے نور سے پکڑتا، اسی کے نور سے سوچتا، اسی کے نور سے بولتا اور اسی کے نور سے تصرف کرتا ہے اس کی طاقت اور تصرف کے سامنے مسافت کا قرب و بعد حائل نہیں ہوتا ایک مقام پر بیٹھ کر وہ پوری دنیا میں تصرف کرسکتا ہے..... کیونکہ وہ انوار قدسیہ کا مہبط اور صفات الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔

مذکورہ توجیہ پر چند اکابرین کے اقوال

مذکورہ توجیہ پر چند اکابرین کی تصریحات پیش خدمت ہیں:

⊙ امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وکذلک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت لہ سمعاً وبصرا فاذا صار نور جلال اللہ سمعالہ سمع القریب والبعیدواذا صار ذلک النور بصرالہ رأ ی القریب والبعید واذا صار ذلک النور یدالہ قدر علی التصرف فی الصعب والسہل والبعید والقریب (تفسیر کبیر ۹۱/۲۱)

یعنی ایسے ہی بندہ جب اطاعت وفرمانبرداری پر ہمیشگی اختیار کرے تو وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں، پس جب جلال خداوندی کا نور بندۂ محبوب کے کان ہوجاتا ہے تو وہ قریب اوردور کی آوازیں سنتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا نور جلال اسکی آنکھ بن جاتا ہے تو وہ قریب اور دور کو دیکھ لیتا ہے اور جب جلال الٰہی کا نور اسکے ہاتھ بن جاتا ہے تو وہ مشکلات اور آسانیوں میں، دور اور نزدیک میں تصرف (قبضہ واختیار) پر قادر ہوجاتا ہے۔

⊙ علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

والاولیاء نفعنا اللہ بھم الحظ الاوفرمنہ ومن ھنا قیل الغیب مشاھدۃ الکل بعین الحق فقد یمنح العبد قرب النوافل فیکون الحق سبحنہ وتعالیٰ بصرہ الذی یبصربہ وسمعہ الذی یسمع بہ ویرقی من ذلک الی قرب الفرائض فیکون نوراً فھناک یکون الغیب لہ شھوداً والمفقود لدینا عندہ موجوداً (تفسیر روح المعانی ۱۱۴/۱)

اور اولیاء کرام (اللہ ان کی وجہ سے ہمیں نفع دے) کیلئے اس علم غیب سے بہت وافر حصہ ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ غیب (کا علم) اللہ کے نور والی آنکھ سے ہر چیز کا مشاہدہ کر لینے کا نام ہے، کیونکہ کبھی بندے کو نوافل کی وجہ سے خدا کا قرب عطا کیا جاتا ہے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور کبھی اس سے ترقی کر کے فرائض کے قرب پر رسائی حاصل کرتا ہے تو سراپا نور بن جاتا ہے، تو اس مقام پر پہنچ کر اس کیلئے غیب (چھپی چیزیں) شہود (ظاہر) ہو جاتا ہے اور جو چیزیں ہم سے مفقود (نامعلوم) ہوتی ہیں وہ اس کے لئے موجود (حاضر اور معلوم) ہوتی ہیں۔

⊙ علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

اذا تنور الروح القدسية واز داد نور يتها و اشراقها بالاعراض عن ظلمة عالم الحس وتحلية مرأت القلب عن صداء الطبيعة والمواظبة على العلم والعمل وفيضان الانوار الالهية حتى يقوى النور وينبسط فى فضاء القلب فتنعكس فيه النقوش المرتسمة فى اللوح المحفوظ ويطلع على المغيبات وتبصرف فى اجسام العالم السفلى بل يتجلى حينئذٍ الفياض الاقدس بمعرفه التى هى اشرف العطايا فكيف بغيره (مرقاۃ ۱/۶۲)

جب روح مقدس منور ہو جاتی ہے اور اسکی نورانیت اور چمک بڑھ جاتی ہے، عالم محسوسات کی تاریکی سے روگردانی اور دل کے آئینہ کو طبیعت کے زنگ سے دور کرنے کی وجہ سے اور علم وعمل پر ہمیشگی اور انوار الٰہیہ کے فیضان کے طفیل جب وہ نور قوی ہو جاتا ہے اور قلب کی فضا میں پھیل جاتا ہے تب اس پر لوح محفوظ میں لکھے ہوئے نقوش کا عکس پڑنے لگتا ہے اور وہ امور غیبیہ پر مطلع ہو جاتا ہے اور عالم اجسام

(نچلے جہان) میں تصرف کرتا ہے بلکہ خود فیاض اقدس، اللہ رب العزت اپنی معرفت تامہ کاملہ کے ساتھ اس پر جلوہ گر ہوتا ہے جو کہ تمام انعامات اور عطیات سے بلند مرتبت ہے، تو دوسری نوازشات اور انعامات کا کیا کہنا؟۔

⊙ حضرت ملا علی قاری مزید فرماتے ہیں:

قال الشیخ الکبیر ابو عبداللہ فی معتقدہ و نعتقدان العبد ینتقل فی الاحوال حتی یصیر الی نعت الروحانیۃ فیعلم الغیب وتطوی لہ الارض ویمشی علی الماء ویغیب عن الابصار (مرقاۃ ۱/۶۲)

شیخ کبیر امام ابو عبد اللہ اپنی عقائد کتاب کی میں فرماتے ہیں:

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندہ روحانی کیفیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو اسے غیب کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور اس کیلئے زمین سمٹ جاتی ہے اور وہ پانی پر چلتا ہے اور نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

⊙ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وذلک ان النفوس الزکیۃ القدسیۃ اذ تجردت عن العلائق البدنیۃ عرجت واتصلت بالملاء الاعلیٰ ولم یبق لھا حجاب فتری لکل کالمشاھد بنفسھا اوباخبار الملئکۃ وفیہ سر یطلع علیہ من تیسر لہ ذلک (مرقاۃ)

اور یہ اس لئے ہے کہ پاکیزہ اور مقدس نفوس جب بدنی علائقوں سے پاک ہو جاتے ہیں تو ملاء اعلیٰ کی طرف عروج کرتے ہیں اور ان سے جا ملتے ہیں، ان کے لئے کوئی حجاب نہیں رہتا، وہ ہر چیز کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اپنی ذات کا مشاہدہ کرنے والا دیکھتا ہے یا فرشتوں کی خبر دینے سے (معلوم کرتے ہیں)، اور اس میں ایک راز ہے جس پر وہی مطلع ہو سکتا ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ اس تک رسائی کا سامان کرے۔

⊙ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ان التضیيق والا نحصار لا یتصور فی الروح وانما یکون فی الجسد، والروح اذا کانت لطیفة یتبعها الجسد فی اللطافة فتصیر بجسدها حیث شاءت وتتمتع بماشآءت وتأوی الی ماشآء الله لها کما وقع لنبینا علیه الصلوٰة والسلام فی المعراج ولاتباعه من الاولیاء حیث طویت لهم الارض وحصل لهم الابدان المکتسبة المتعددة وجدوها فی اماکن مختلفة فی اٰنٍ واحد والله علی کل شئی قدیر وهذا فی العالم المبنی علی الامر العادی غالباً فکیف وامر الروح والاخرة کلها مبنیة علی خوارق العادات (مرقاۃ ۴/۳۱)

محل اور مقام میں قید روح کے لحاظ سے تصور نہیں کی جا سکتی یہ قید فقط جسم میں ہوتی ہے بلکہ روح جب لطیف اور پاکیزہ تر ہو جائے تو بدن بھی نورانیت اور لطافت میں اس کے تابع ہو جاتا ہے اور وہ جسم کو جہاں چاہتی ہے لے جاتی ہے، اور جہاں سے چاہتی ہے فائدہ اٹھاتی ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ اسے پہنچانا چاہے پہنچاتا ہے جیسے نبی مکرم ﷺ کو شب معراج یہ مقام اعلیٰ نصیب ہوا اور آپ کے پیروکار اولیاء کرام کیلئے بھی۔ کہ زمین ان کیلئے سمیٹ دی جاتی ہے اور انہیں بہت سارے مثالی بدن حاصل ہو جاتے ہیں جنہیں وہ آن واحد میں مختلف مکانوں میں موجود پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چاہت پر قادر ہے اور روح کیلئے یہ لطافت اور نورانیت اس عالم میں سے جو غالباً امور عادیہ (عالم اسباب یعنی دنیا) پر مبنی ہے اور جب یہاں ان امور میں کوئی رکاوٹ نہیں تو عالم آخرت میں (مرنے کے بعد) کونسی رکاوٹ ہوگی؟ کیونکہ روح اور آخرت کے تمام معاملات خرق عادت پر مبنی ہیں۔

⊙ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

جب تو کثرت عبادت وریاضت کے ذریعے روحانیوں کے زمرے میں داخل ہو جائے گا

فحینئذ تومن علی الاسرار والعلوم اللدنیة وغرائبها ویرد علیک التکوین وخرق العادات التی هی من قبیل القدرة التی تکون للمومنین فی الجنة فتکون فی هذه الحالة کانک احییت بعدالموت فی الاخرة فتکون کلیتک قدره تسمع باللّٰه وتبصر باللّٰه وتنطق باللّٰه وتبطش باللّٰه وتسعی باللّٰه وتعقل باللّٰه وتطمئن وتسکن باللّٰه (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۴۰)

تو پھر اس وقت تجھے اسرار علوم لدنیہ اور ان کے عجائبات پر امین بنایا جائے گا اور تجھ پر تکوین (کہ تو جو کہے وہ ہو جائے) اور خوارق عادات و کرامات کو لوٹایا جائے گا جو کہ اس قدرت کے قبیل سے ہیں جو مومنین کو جنت میں حاصل ہوگی، پس تو اس حالت میں اس طرح ہوگا کہ گویا تجھے مرنے کے بعد عالم آخرت میں دوبارہ زندہ کر دیا گیا ہے، پس تو کلی طور پر مجسمہ قدرت اور سراپا قوت بن جائے گا پھر تو سنے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، دیکھے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، کلام کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، پکڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، چلے گا اللہ تعالیٰ کیساتھ، سوچے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور تجھے سکون اور اطمینان بھی حاصل ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔

⦿ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

جب جنوں کو قدرت الٰہی سے یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر عجیب و غریب کام سرانجام دیتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو یہ طاقت عنایت فرما دے تو کونسی تعجب کی بات ہے اور ان کو دوسرے مثالی بدنوں کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح بعض اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ وہ آیا واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہوتے ہیں اور ان سے مختلف اقسام کے کام وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

(دفتر دوم مکتوب نمبر ۱۱)

خلاصۃ الکلام

مندرجہ بالا گفتگو سے واضح ہوگیا کہ نور خداوندی جب بندے کے اعضاء وجوارح میں اثر انداز ہوتا ہے، تو:

⊙ ...... وہ قریب اور دور سے دیکھ لیتا ہے، لوح محفوظ کے نقوش بھی اسکے لئے عیاں ہوجاتے ہیں، چھپی چیزیں ملاحظہ کرتا ہے اور اسے غیب کا علم حاصل ہوجاتا ہے۔

⊙ ...... وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سنتا ہے۔

⊙ ...... اس کے ہاتھ اور پاؤں میں یہ طاقت آجاتی ہے کہ وہ مشکل، آسانی، قرب اور دوری میں تصرف کرتا ہے، سب اس کے قبضہ واختیار میں ہوتے ہیں۔

⊙ ...... اس کی روح اتنی لطیف اور پاکیزہ ہوجاتی ہے کہ جسم بھی روح کے تابع ہوجاتا ہے، پھر وہ جہاں چاہتی ہے اسے لے جاتی ہے......وہ عروج کرتی ہوئی فرشتوں سے جا ملتی ہے، اس کے لئے کوئی حجاب نہیں رہتا اور تمام اشیاء کو سامنے موجود چیزوں کی طرح دیکھتا ہے۔

⊙ ...... اس کے لئے زمین سمٹ جاتی ہے، اور بندہ پانی پہ خشک راستے کی طرح چلتا ہے اور نظروں سے اوجھل بھی ہوجاتا ہے۔

⊙ ...... اسے مثالی اجسام مل جاتے ہیں وہ آن واحد میں مختلف مقامات پر جاسکتا ہے۔

⊙ اسے قدرت وقوت کا مجسمہ بنادیا جاتا ہے اور عجائبات وکرامات کے علاوہ اشیاء کو بنانے اور مٹانے پر امین بھی بنادیا جاتا ہے......پھر جو وہ کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

مذکورہ توجیہ پر مخالفین کی تصریحات

مذکورہ توجیہ پر مخالفین کے اکابر کی چند تصریحات پیش خدمت ہیں:

⊙ دیوبندی اور غیر مقلدین کے متفقہ پیشوا، اسماعیل دہلوی ''فنا و بقا'' کے بیان میں لکھتے ہیں:

پھر جب توفیق کا راہبر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اسے احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاءِ لطیفہ اس لوہے کے ٹکڑے کے نفس جوہر میں دخل کر جاتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنے جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہا کا ٹکڑا آگ کے انگاروں کے شمار میں ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے کیونکہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شمعہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مرتب ہوتے تھے وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہو سکتے ہیں، یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مترتب ہیں جس نے لوہے کے ٹکڑے کو احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کیطرف نسبت کیئے جا سکتے ہیں...... الغرض اگر اس حال میں اس آہن پارہ کو بولنے کی طاقت ہوتی تو سوزبان کے ساتھ اپنی اور آگ کی عینیت اور یکجان ہونے کا شور اور غل مچاتا اور ضرور خواہ مخواہ ایک ساعت کیلئے اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلمہ بول اٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور

سناروں بلکہ پیشہ وروں، کاریگروں کے کاروبار میرے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں اور احدیت کے دریا ونگی گہری تہہ کھینچ لے جاتی ہیں تو اناالحق اور لیس فی جبتی سوی اللہ کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش اور ایک روایت کی رو سے ولسانہ الذی یتکلم بہ اسی مثال کی حکایت ہے اور حدیث اذقال اللہ علی لسان نبیہ سمع اللہ لمن حمدہ اور حدیث یقضی اللہ علی لسان نبیہ ماشاء اسی سے کنایت ہے..... کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے انی انا اللہ رب العالمین صادر ہوئی تو پھر اشرف موجودات سے جو حضرت ذات (سبحانہ وتعالیٰ) کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا مظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے: لئن سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا، اور منجملہ لوازم اس مقام کے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن و بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی من عادیٰ لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے۔ (صراط مستقیم ۱۶،۱۷ امترجم)

⊙ دیوبندی علماء ومشائخ کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں:

اور فنا در فنا کے یہی معنی ہیں اس حالت کے حاصل ہو جانے پر وہ سراپا نور ہو جائیگا اور مرتبہ بی یسمع وبی یبصر (یعنی اس کو خدا کے ساتھ ایسا تعلق خاص

ہو جاتا ہے کہ وہ خدا ہی کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور خدا ہی کے کان سے سنتا ہے) حاصل ہو جائے گا۔ (کلیات امدادیہ ص ۱۸)

⊙ مزید فرماتے ہیں:

جب مذکورہ بالا اذکار جہریہ اور سریہ سے مرید ترقی کر جاتا ہے اور درجہء کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس پر معنوی و حقیقی (جس کو ذکر روحی اور سری اور ذکر مشاہدہ و معائنہ کہتے ہیں) منکشف ہو جائے تو وہ اس مقام میں غلبہء نور اور خدا کی عظمت سے بیہوش ہو جائے گا، ہوش میں آنے پر سالک کو اپنے کو عاجز اور کم حیثیت سمجھنا چاہئے اور ترقی کا آرزومند ہونا چاہئے۔ اس کے بعد نور جمالی ظہور فرمائیگا اس نور کا غلبہ اس کے حواس خمسہ کو بیکار اور مضمحل کردے گا، اور باطنی آنکھ کے غلبہ کی وجہ سے اس نور کو ظاہری آنکھ سے دیکھے گا، اگر یہ اسکے دل میں ٹھہر جائیگا اور قرار پکڑے گا، تو اس کا ارادہ اور کام خدا کا ارادہ اور کام ہو جائیگا، وھو علی کل شئی محیط وھو معکم اینما کنتم دیکھنا سننا غرض اس کے تمام افعال خدا ہی سے ہوں گے اور تمام چیزوں میں خدا کے وجود کو پائے گا اور اس کی توجہ خدا ہی کی طرف ہوگی یہ مرتبہ قرب نوافل و مقام مشاہدہ کا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں اسمیں سالک بنی ہوئی چیزوں سے بنانے والے یعنی خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جب سالک اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس میں کمال حاصل کر لیتا ہے اس کو مجذوب کہنے لگتے ہیں۔ اور وبی یسمع وبی یبصر وبی ینطق وبی یبطش وبی یمشی وبی یعقل ماراْئت شیئاً الاوراْئت اللّٰہ فیہ۔

علم حق در علم صوفی گم شود
ایں سخن کے باور مردم شود

یعنی یہ وہی مقام ہے جس کے متعلق فرمایا یہ میرے ذریعے سے سنتا، دیکھتا،

بولتا، پکڑتا، چلتا اور سمجھتا ہے اور (وہ کہتا ہے) میں کوئی چیز نہیں دیکھتا جس میں خدا کا جلوہ دکھائی نہ دے۔

خدا کا علم صوفی کے علم میں غائب ہو جاتا ہے لیکن اس بات کو ہر شخص یقین نہیں کرسکتا۔ (کلیات امدادیہ ص ۳۲،۳۳)

دیکھیں! بندے میں خدائی طاقت اور الٰہی تصرف کو کس طرح کھلے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے علم کو صوفی (ولی) کے علم میں گم کر کے دونوں علموں کو خلط ملط کر دیا ہے لیکن حرام ہے کہ دیوبندی حضرات کی طرف سے اس پر کوئی فتویٰ جاری ہو۔ کیونکہ یہ گھر کا معاملہ ہے۔

⊙ دیوبندی محدث انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

اما علماء الشريعة فقالوا معناه ان جوارح العبد تصير تابعة للمرضاة الالهية حتى لا تتحرك الابما يرضىٰ به ربه فاذا كانت غاية سمعه وبصره وجوراحه كلها هوالله سبحانه فهي حينئذ صح ان يقال انه لا يسمع الا له ولا يتكلم الا له وكان الله سبحانه صارسمعه وبصره قلت وهذا عدول عن حق الفاظ لان قوله كنت سمعه بصيغة المتكلم يدل على انه لم يبق من المتقرب بالنوافل الاجده وسبحه وصار المتصرف فيه الحضرة الالهية فحسب (فیض الباری ج ۴ ۴۲۸)

علماء شریعت نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے کے جوارح اور اعضاء اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں کے تابع ہو جاتے ہیں حتی کہ وہ حرکت نہیں کرتے مگر اسی حکم کے ساتھ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، پس جس وقت اس کے کان، آنکھ اور تمام اعضاء کی غایت اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو تو اس وقت ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ نہیں سنتا مگر اللہ کیلئے، وہ نہیں کلام کرتا مگر اللہ کیلئے اور گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے

کان اور آنکھ ہو گیا ہے...... میں کہتا ہوں کہ اس معنی میں الفاظ کے حق سے عدول ہے، (اس سے) الفاظ کا تقاضہ (اور مطلب) پورا نہیں ہوتا کیونکہ کنت سمعہ وبصرہ متکلم کے صیغہ کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نوافل کے ذریعے قرب حاصل کرنے والے کا صرف ظاہری جسم اور ظاہری ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے اور اس میں مدبر و متصرف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

یعنی اول تو یہ بات غلط ہے کہ نوافل کے ذریعے جو قرب حاصل ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے اعضاء و جوارح کو اطاعت خداوندی میں استعمال کرتا ہے، کیونکہ یہ کام تو پہلے سے موجود ہے...... اور دوم یہ کہ نوافل کے ذریعے جب بندے کو قرب ملتا ہے تو وہ محض آلہ ہوتا ہے، اس کا جسم تو دکھائی دیتا ہے جبکہ اصل کام کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، یعنی اشارے اس کے ہوتے ہیں کام اللہ کرتا ہے۔

⊙ ...... مزید لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت کی وجہ سے آگ میں تجلی فرمائی تھی اور جب تم نے تجلی کا معنیٰ سمجھ لیا تو سنو! جب درخت کیلئے یہ جائز ہے کہ اسمیں یہ ندا کی جائے کہ بیشک میں اللہ ہوں، تو جو نوافل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے وہ اللہ کی سمع اور بصر کیوں نہیں ہوسکتا۔ وہ ابن آدم جو صورت رحمٰن پر پیدا کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے کم تو نہیں ہے (یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کا درخت اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا مظہر ہوسکتا ہے تو سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کا ولی جو اللہ کا محبوب ہو جائے وہ اللہ کی صفت سمع اور بصر کا مظہر کیوں نہیں ہوسکتا! اگر درخت سے اللہ تعالیٰ کلام فرما سکتا ہے تو اولیاء کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ کانوں سے سن سکتا ہے ہاتھ سے پکڑ سکتا ہے اور زبان سے بول سکتا ہے)۔ (فیض الباری ۴/۴۲۹)

گکھڑوی صاحب کا تعصب

سطور بالا میں اولیاء کے تصرفات اوران کے مظہر انوار الٰہیہ ہونے کے متعلق اسماعیل دہلوی صاحب نے آگ اور لوہے کی مثال دے کر وضاحت کی اور انور شاہ کشمیری صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کی مثال بیان کی کہ اللہ تعالیٰ بندہ محبوب کی سماعت اور بصارت بن جاتا ہے۔ جبکہ دیو بندی محدث مولوی سرفراز گکھڑوی صاحب ایک طرف تو خود کو علماء دیو بند کا نمائندہ باور کراتے ہیں اور دوسری طرف ان کی تصریحات کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے ...... مذکورہ دونوں باتوں کے متعلق گکھڑوی صاحب نے انکار کر کے اسے فریق مخالف (اہلسنت و جماعت) کا مسلک اور اس کا آخری حربہ قرار دیا ہے ملاحظہ ہو! (دل کا سرور ص ۲۰۹،۲۱۰)

اب گکھڑوی صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ اگر مذکورہ دو افراد کا شمار فریق مخالف میں ہوتا ہے تو ان کا فریق موافق کونسا ہے؟...... کیا فقط اہلسنت کے ساتھ تسابہ اختیار کرنیکی وجہ سے اپنے بزرگوں کو فریق مخالف میں داخل کیا ہے، یا اپنی کوتاہ علمی کے باعث ان کی تعلیمات سے لاعلمی اور بے خبری کے باعث؟ دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہو بہر حال قابل تحسین نہیں ...... جبکہ گکھڑوی صاحب کا آلہ ء کار یہی ہے کہ اپنا الو سیدھا کیا جائے خواہ اپنے اکابر کو اپنے مصنوعی دیو بندی دھرم سے نکال باہر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ لیکن:

ع جو ہو بے درد اسے درد کا احساس ہو کیوں کر
ستمگر کی بلا جانے ستم سے ہم پہ کیا گزری

ع دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

غیر مقلد علماء کے تصرفات

دیوبندی علماء کی اپنے ''مشائخ'' کے متعلق اختیارات وتصرفات پر سیر حاصل گفتگو دیکھنے کیلئے کتاب ''زلزلہ'' (مصنف علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ) ملاحظہ فرمائیں۔ جبکہ

غیر مقلد علماء کی اپنے ''مشائخ'' کے اختیارات وتصرفات پر چند حکایات مختصر تبصرے کے ساتھ درج ذیل ہے:

⊙ عبدالمجید خادم سوہدروی (شاگرد ابراہیم میر سیالکوٹی) اپنے بزرگ عبد الرحمٰن لکھوی کے متعلق لکھتے ہیں:

ایک بھنگی چرسی فقیر آیا، جس کی داڑھی توصفا چٹ تھی اور مونچھیں لمبی لمبی تھیں، ہاتھ میں چمٹا، بدن پر کملی، شکل صورت خلاف شرع، گاتا تھا اور کہتا تھا، مولوی صاحب نشہ ٹوٹا ہوا ہے، کچھ دلواؤ، مولوی صاحب نے ایک طالب علم سے کہا کہ اسے پیسہ دیدو، وہ بولا ایک پیسہ سے کیا بنتا ہے، اگر دینا ہے تو کچھ آپ دو، فقیر کا عمل ٹوٹا ہوا ہے، نہ بھنگ ملی ہے نہ چرس، مولانا نے ایک نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا، مجھ سے کچھ لینا ہے، جونہی اس کی نظر سے نظر ملی، وہ لڑکھڑا کر گرا اور ایسا گرا کہ بے ہوش ہوگیا، طالب علم اسے سنبھالنے کیلئے بڑھے، مگر وہ ایسا بے حس پڑا تھا، جیسے مردہ، تین گھنٹے وہ بے ہوش پڑا رہا، جب ہوش سنبھالا، تو اٹھا، مولانا نے پوچھا، کیوں بھائی کیا لینا ہے، وہ بولا جو لینا تھا وہ لے لیا، بس مجھے مسلمان بنا دیجئے، مولانا نے حجام کو بلوایا، اس کی مونچھیں اور لٹیں کٹوا دیں، بھنگ چرس سے توبہ کرائی اور پڑھانا شروع کر دیا، مولوی قائم الدین صاحب کا بیان ہے، کہ وہ فقیر ۱۸ برس تک مولوی صاحب کی خدمت میں رہا، اور اچھا خاصا عالم اور صوفی بن گیا۔ (کرامات اہلحدیث ص۹)

دیکھا کتنے یقین کے ساتھ اس فقیر سے کہا کہ "مجھ سے کچھ لینا ہے" اور پھر ایک ہی نظر میں اسے بے ہوش کر دیا اور ساتھ ہی اس کے دل پر ایسا تصرف کیا کہ اس کے دلی خیالات اور تصورات کو بدل کے رکھ دیا...... یہی بات اگر ہم کہیں کہ ہمارے فلاں بزرگ نے اتنے لاکھ ہندوؤں کو ایک نظر میں مسلمان کر دیا...... تو آسمان سر پہ اٹھا لیا جاتا ہے چونکہ اب بات اپنے بزرگ کی ہے تو کھلے دل قبول ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ دلوں پر قبضہ تو خدا کا ہے وھابی بزرگوں نے خدا کو معزول کر کے اپنا قبضہ کب سے جما رکھا ہے...... اور پھر ہمارے بزرگوں اور وھابی بزرگوں میں یہ بھی فرق ہے کہ یہ مسلمانوں کو "مسلمان" بناتے ہیں جبکہ ہمارے بزرگوں نے ہندوؤں، سکھوں اور غیر مسلموں کو مسلمان بنایا ہے۔

⊙ مزید ایک چودھری کا واقعہ لکھتے ہیں کہ وہ مولوی عبدالرحمٰن کا سخت مخالف تھا بلکہ ان کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دے رکھی تھی، اچانک ایک دن ادھر آ نکلا، طالب علموں نے اس کے متعلق بتلایا تو کہنے لگے اسے بلاؤ!...... جب بلایا تو اگلی بات مصنف کی زبانی سنئے!......

"محمود آیا، گھوڑی سے اترا، ابھی مولانا کے سامنے ہی آیا تھا اور آنکھ سے آنکھ ملی تھی، کہ اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا اور ہائے ہائے کرنے لگا، مولانا نے پوچھا، کیوں بھائی کیا ہے! مجھ سے کیوں ناراض رہتے ہو، وہ بولا حضرت مجھے معاف کیجئے میری غلطی تھی، میں نے آپ کے برخلاف بہت کچھ کیا۔ مگر اب اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں، اور معافی چاہتا ہوں، مولانا نے کہا دل صاف کرلو، اور جاؤ اللہ تمہیں خوش رکھے، وہ کہنے لگا حضور اب کہاں جاؤں، ہاتھ بڑھایئے اور مجھے اپنا مرید بنایئے۔ (کرامات اہلحدیث ص ۱۰)

دیکھا! اپنی ولایت چمکانے کیلئے پہلے تو اس کے پیٹ میں تصرف کر کے اسے پیٹ کے درد میں مبتلا کر دیا پھر اسے دل صاف کرنے کا حکم فرما کر دل پر اپنے تصرف کا

رعب جمایا، اور آخر میں اسے شفا بھی دے دی اور مرید بھی کرلیا...... دیکھ لیا آپ نے! ایسے ہوتے ہیں رسمی پیر، ورنہ اصلی بزرگ تو کسی کو تکلیف دینے کا تصور بھی نہیں کرتے، انہیں اپنی ولایت چمکانے کیلئے اس طرح کے اوچھے ہتکنڈے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی...... ان کی عظمت و رفعت کے پھریرے ان کا خدا لہراتا ہے۔

⊙ ...... غلام نبی ربانی سوہدروی کا بیان ہے کہ مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک بار اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں مرزا قادیانی کو چیلنج دیا، کہ وہ ہمارے ایک صوفی کے ساتھ روحانی مقابلہ کرے اگر وہ کامیاب ہوا، تو ہم اس کا ساتھ دینگے، اور اگر وہ ناکام ہوا، تو اپنے دعوے سے تائب ہوجائے، یہ روحانی مقابلہ دونوں کو الگ مکان میں بیٹھا کر سات دن تک رہے گا، مرزا جی نے اسؒ سے انکار کردیا، کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، مولانا غلام نبی صاحب کا بیان ہے، کہ میں نے مولانا محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ وہ کون صوفی تھے، جن پر آپ کو اتنا اعتماد ہے کہ مرزا جی کو ایسا اہم اور ذمہ دارانہ الٹیمیٹم دے دیا، مولانا محمد حسین صاحب نے فرمایا کہ وہ صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھوی ہیں، مجھے ان کی روحانی طاقت پر اتنا اعتماد اور وثوق ہے کہ اگر مرزا مان جاتا تو یقیناً اس مقابلہ میں زندہ نہ بچتا۔ (کرامات اہلحدیث ص ۱۱،۱۲)

ٹھیک ہے آپ کے اپنے بزرگ جو ہوئے، آپ کو ان کی روحانی طاقت پر اعتماد اور وثوق کرنا بھی چاہیۓ، لیکن صرف اتنا بتادیا جائے کہ بقول آپ کے اگر مرزا مقابلے کیلئے آجاتا تو آپ کے بزرگ الگ مکان میں بیٹھ کر اپنی ''روحانی طاقت'' کی وجہ سے مرزا کو دوسرے مکان میں زندہ بچ کر نکلنے نہ دیتے، اگر وہ اپنی ''روحانی طاقت'' سے دوسرے مکان میں تصرف کرکے زندہ کو مردہ بنا سکتے ہیں تو ہمارے بزرگ جن کی روحانی طاقت کو ساری دنیا سلام کرتی ہے، اپنی روحانی طاقت سے مردہ کو زندہ کیوں نہیں کرسکتے؟...... وھابی حضرات تو امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کیلئے مردہ کو

زندہ کرنے کی طاقت نہیں مانتے، انبیاء اور اولیاء کو کسی چیز کے مالک ومختار نہیں مانتے، یہ "روحانی طاقت" جو نہ امام الانبیاء کو ملی، نہ دیگر نبیوں اور ولیوں کو نصیب ہوئی، صرف ایک وھابی بزرگ پر یہ نوازش اور عنائت کیسے ہوگئی؟۔

⊙ ...... مولوی غلام رسول آف قلعہ میاں سنگھ سے ایک حجام نے دوران حجامت شکایت کی کہ کئی سال سے میرا بیٹا لاپتہ ہے، زندہ ہے یا مر گیا ہے، ہم تو اس کی فکر میں مرے جارہے ہیں، ایک بیٹا تھا...... مولوی صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر گویا ہوئے "میاں وہ تو گھر بیٹھا ہے، اور روٹی کھارہا ہے، جاؤ بے شک جا کر دیکھ لو، حجام گھر گیا، تو سچ مچ بیٹا آیا ہوا تھا، اور کھانا کھارہا تھا، بیٹے سے ماجرا پوچھا، تو اس نے کہا، کہ ابھی ابھی میں سکھر سندھ میں تھا، معلوم نہیں مجھے کیا ہوا، اور کیونکر طرفۃ العین میں یہاں پہنچ گیا۔ (کرامات اہلحدیث ص ۱۴)

ہونا کیا تھا، ایک وھابی بزرگ نے تصرف کیا اور آنکھ جھپکنے میں اسے سندھ سے گھر بھی پہنچادیا اور روٹی بھی کھلادی...... چونکہ یہ وھابی بزرگ کا کمال اور تصرف ہے اس پر کوئی فتویٰ نہیں آئے گا...... لیکن جب ہم کہیں گے کہ حضرت داتا صاحب نے لوگوں کو لاہور سے مدینہ پہنچادیا تو آگ بگولہ ہو کر شرک کے فتوے سنائیں گے۔

⊙ مولوی غلام رسول کے ایک نیاز مند چوکیدار گلاب کا کسی عورت سے معاشقہ ہوگیا، عورت کسی طرح بھی ہاتھ نہ آئی، وہ بار بار مولوی صاحب سے اس بات کی شکایت کرتا، آخر ایک دن وہ مولوی صاحب کے ایک خادم بڈھا کشمیری کو ساتھ لایا، مولوی صاحب کو دباتے ہوئے پھر عرض گزار ہوا اور بڈھا کشمیری نے بھی سفارش کی کہ اس کا کام کردیجئے، عورت بیوہ ہے نکاح ہوجائیگا، کار ثواب ہی ہے، مولوی صاحب نے اسے عورت کو گھر لانے کا وظیفہ بتلایا کہ "بعد از نماز عشاء گھر کے چھت پر کھڑے ہو کر" مرالی والا" کی طرف منہ کرکے تین دفعہ یہ لفظ کہنا، آجا، آجا، آجا، تین روز ایسا ہی کر کے

پھر مجھے بتانا، تیسرے روز عصر کے قریب عورت مذکورہ گلاب کے گھر آ گئی، اور کہنے لگی کہ پرسوں عشاء سے لیکر اب تک میرے تن بدن مین آگ لگی ہوئی تھی، تمہارے گھر میں داخل ہوتے ہی آرام ہو گیا، گلاب اس عورت کو پکڑ کر اندر لے گیا اور متواتر تین روز اندر ہی رہا، تیسرے روز قیلولہ کے وقت مولوی صاحب نے بڈھا کشمیری کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اور اس موذی کو پکڑ لاؤ وہ اب وقت زنا کر رہا ہے بڈھا فوراً گیا اور گلاب کو پکڑ لایا، مولوی صاحب نے کہا کہ جا میری آنکھوں کے سامنے سے دور ہو جا وہ لوٹ کر گھر گیا وہ عورت جیسے آئی تھی ویسے ہی خفا ہو کر چلی گئی۔ (سوانح حیات غلام رسول ص ۹۹، ۱۰۰)

تین دن اندر رہنے کے باوجود بھی یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ ''جیسے آئی تھی ویسے ہی خفا ہو کر چلی گئی'' تین دن تک وہ ''ویسے ہی'' کیسے رہ گئی تھی...... اصل میں اس کے تن بدن میں جو آگ لگی ہوئی تھی وہ ابھی تک سرد نہیں ہوئی تھی...... اسکا خیال تھا کہ تین دن تک بدکاری کو گوارا کر لیا ہے تو کم از کم اتنی مہلت تو اور مل جاتی کہ ہماری عشق و محبت کی آگ تو سرد ہو جاتی...... ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ وھابی بزرگ نے اپنی قدرت، تصرف اور اختیار کا کس سرعت اور تیزی کے ساتھ مظاہرہ فرمایا کہ ''آ جا، آ جا، آ جا'' کلمات میں اتنی تاثیر پیدا کر دی کہ تیسرا دن پورا ہونے سے قبل ہی وہ عورت کھنچی چلی آئی اور علم غیب کا یہ عالم ہے کہ تمام تر دیواروں کے حائل ہونے کے باوجود جان لیا کہ گلاب زنا کر رہا ہے...... اس کرامت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ ''اعلیٰ کرامت'' ایک وھابی بزرگ کی عظمت و رفعت کا پتہ دیتی ہے، لیکن اتنا تو پوچھا جا سکتا ہے کہ اتنی قدرت، تصرف اور اس قدر علم غیب رکھنے کے باوجود گلاب کو اتنی کھلی چھٹی کیوں دے رکھی تھی کہ وہ اس عورت کے ساتھ تین دن تک اندر ہی رہا اور اپنی حسرتیں نکالتا رہا، جبکہ زنا کاری کا آغاز اس نے پہلے دن سے ہی کر دیا تھا...... اور اگر اس نے تیسرے دن بھی زنا کا آغاز کیا ہو تو بھی اسے اس حرام

کاری میں پڑنے سے قبل ہی کیوں نہ روک دیا گیا، جب کہ زنا کاری کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی تو قبل ازیں اس پر یہ مہربانی کیوں فرمائی گئی؟...... ایسی کرامات اور تصرفات کے باوجود وھابی بزرگوں کی عظمت وشان میں کمی آنے کی بجائے ان کی بزرگی، کرامت اور ولایت کو مزید چار چاند لگتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے اپنے جو ہوئے۔

⊙ مولوی غلام رسول صاحب کے ایک مرید نے کہا کہ میری بیوی مسلمان نہیں ہوتی، میں اسے بہت چاہتا ہوں، کچھ کیجئے...... باقی بات سوہدروی صاحب کی زبانی سنئے!

آپ نے فرمایا، کہ وہ آ رہی ہے اور مسلمان بھی ہوگئی ہے، چنانچہ اسی دن اس کا پیغام آیا کہ مجھے آ کر لے جاؤ، میں مسلمان ہو جاؤنگی۔ (کرامات ص ۱۴)

کیسا تصرف اور قبضہ ہے وھابی بزرگوں کا مخلوق کے دلوں پر، کہ خدا سے دعا نہیں کی، اتنی دور سے اس عورت کے دل پر تصرف کر کے تمام تصورات اور تخیلات کو بدل کے رکھ دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ آ رہی ہے اور مسلمان بھی ہوگئی ہے...... معلوم ہوا وھابی بزرگ نے ایک جگہ پر بیٹھ کر دوسری جگہ تصرف بھی کیا، اس کے دل کی حالت کو بھی دیکھا اور پیش گوئی بھی کی کہ وہ آ رہی ہے...... اب وھابی علماء سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسا تصرف، مشاہدہ اور علم غیب کسی اور کو بھی حاصل ہے یا صرف وھابی بزرگوں کے ساتھ ہی مختص ہے؟۔

⊙ ایک مرتبہ مولوی غلام رسول صاحب ایک درخت کا ایندھن بنا کر اپنے گاؤں لا رہے تھے کہ جس گڈے پر وہ ایندھن تھا وہ الٹ گیا، چالیس پچاس آدمی مل کر اس گڈے کو سیدھا کر سکتے تھے لیکن مولوی صاحب نے اپنے خادم بوٹے سے کہا کہ ہم مل کر اسے سیدھا کر لیتے ہیں، اس نے کہا ہم سے سیدھا نہیں ہو سکتا، لیکن مولوی صاحب نے زور دیا، چنانچہ بوٹا کہتا ہے کہ میں نے تو یونہی مذاق کے طور پر ہاتھ لگا رکھا

اور مولوی صاحب نے تھوڑا سازور لگایا اور گڈا سیدھا ہو گیا اور ہم جلدی ہی گھر پہنچ گئے مولوی صاحب نے کہا، میاں بوٹا دیکھو یہ واقعہ کسی سے بیان نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ لوگ اسے ولایت سمجھ لیں۔ (کرامات اہلحدیث ص ۱۶)

کیا شان تصرف ہے وھابی بزرگ کی...... کہ اول تو چالیس پچاس آدمیوں کا کام تھوڑے سے زور سے خود ہی تمام کردیا اور دوسرے جلدی ہی گھر بھی پہنچا دیا۔ مولوی صاحب نے تو کہا تھا کہ اسے بیان نہ کرنا تا کہ لوگ اس واقعہ کی وجہ سے وھابیوں پر گرفت نہ کرسکیں کہ اگر ہمارے اولیاء کی طاقت، قوت اور قدرت کو نہیں مانتے تو تمہارے بزرگوں کے پاس یہ تصرف اور اختیار کہاں سے آ گیا۔ لیکن آخر وھابی حضرات نے بھی تو لوگوں کے سامنے اپنی "ناک" رکھنی تھی، ناں! اس لئے بتانا تو تھا ہی کہ ہماری پارٹی میں بھی ولی ہوئے ہیں ...... وھابی بزرگ نے جس خدشے کا اظہار کیا تھا، وھابی مصنفین نے اسے واقعہ بنا دیا...... بتایا جائے کہ اپنے علماء کیلئے اس قدر سینہ زوری کے ساتھ تصرف واختیار ثابت کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟

⊙ قاضی سلیمان منصور پوری کا کسی ایسے پیر سے مقابلہ ہو گیا جو خود کو سجدہ کرواتا تھا، انہوں نے روکا لیکن وہ نہ رکا، آخر اس نے کہا کچھ دیکھو یا دکھاؤ!...... اس پیر نے اپنا کرتب یہ دکھایا کہ مریدوں سے سجدہ کروایا۔ اب باری تھی قاضی صاحب کی...... قاضی صاحب نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، بس ہاتھوں کا اٹھانا تھا، کہ پیر صاحب زاروزار رونے لگے، اور کہنے لگے، کہ بس کیجئے میں توبہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی سجدہ نہ کراؤں گا۔ (کرامات اہلحدیث ص ۲۱)

دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے لیکن ابھی زبان سے کوئی لفظ ادا نہیں کیا کہ ان کے روحانی تصرف اور غیبی طاقت نے اس پیر کے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی، اور دل پر اس

قدر قبضہ جمایا کہ وہ زاروزار رونے لگا، جیسے کسی نے اس کی شہہ رگ کو دبا رکھا ہو یا جان نکلنے لگی ہو کہ قاضی صاحب کو اس کی حالت زار پر رحم آ گیا ورنہ کیا پتہ ان کی روحانی طاقت اسے جان سے ہی مار ڈالتی......ظاہر ہے کسی طرح سے اپنی ولایت کو تو چمکانا تھا۔

⊙ ..... قاضی صاحب کے مریدین فرماتے ہیں:

بار ہا ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، جب کسی مسئلہ کے متعلق ہمارے دل میں شک وشبہ پیدا ہوتا، اور ہم اعتراض کرنا چاہتے، تو آپ پہلے ہی سے اسکا جواب دے دیتے، جس سے ہماری تسلی ہو جاتی۔ (کرامات ص۲۲)

یعنی قاضی صاحب کی نظر ہر وقت اپنے مریدوں کے دلوں پر رہتی تھی، وہ ان کی ایک ایک دھڑکن کو جانتے تھے، جونہی کسی مرید کے دل میں کوئی شک، شبہ پیدا ہوتا، انہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی، کیونکہ بتایا تو اسے جائے جو بے خبر ہو یہ تو ہر وقت مریدوں کی دلی کیفیات سے آگاہ رہتے ہیں، چنانچہ ہر اعتراض کا خود ہی جواب دے دیتے اور جواب بھی ایسا ہوتا کہ جن سے ان کے دلوں کو تسلی ہو جاتی......گویا اللہ کی طرح قاضی صاحب بھی علیم بذات الصدور (دلوں کے راز جاننے والے) تھے لیکن حرام ہے کہ کسی وھابی مفتی صاحب کے طرف سے اس پر کوئی کسی قسم کا فتویٰ صادر ہو کیونکہ یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے، فتوے تو صرف سنی مسلمانوں کیلئے بچا رکھے ہیں۔

⊙ قاضی صاحب کے ایک دوست تھے، وہ سخت بیمار ہو گئے، عیادت کے دوران قاضی صاحب نے کہا:

دواؤں پر روپیہ ضائع نہ کرو، سب دوائیں چھوڑ دو، اور صرف پلاؤ کھایا کرو، چنانچہ اس نے تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا علاج چھوڑ دیا، انہوں نے کہا کہ پلاؤ تمہارے لئے مفید نہیں، مگر اس نے کہا کہ کچھ بھی ہو قاضی صاحب کا ارشاد بلا وجہ نہیں، چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ روبصحت ہونے لگا اور پھر اچھا ہو گیا۔ (کرامات ص۲۴)

اچھا بھلا کیوں نہ ہوتا، قاضی صاحب نے جو فرما دیا تھا، زمانے کی نبض تو ان کے ہاتھ میں ہے، حکیم، طبیب اور ڈاکٹر لاکھ پلاؤ سے روکیں، اب انہیں سوائے پلاؤ کے کسی اور دوا سے شفا نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ قاضی صاحب نے تمام اشیاء کو اس کے حق میں بے تاثیر کر دیا ہے، اور ڈاکٹروں کی تجویز کو بے اثر کر دیا، اور اپنی تدبیر اور روحانی تصرف کے بل بوتے پر صحت وتندرسی کی تاثیر صرف پلاؤ میں رکھی تھی۔ ان کا تصرف اور اختیار کوئی معمولی چیز تو نہیں، دنیا کی کونسی طاقت ہے جو ان کا مقابلہ کر سکے۔ اسی لئے تو اس بیمار نے بھی کہہ سنایا کہ کچھ بھی ہو قاضی صاحب کا ارشاد بلاوجہ نہیں، یعنی گو ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق پلاؤ میرے لئے مفید نہیں مضر ہے لیکن دیکھو قاضی صاحب کا کہا نہیں بدل سکتا، بس اک توجہ سے پلاؤ کا ضرر شفا میں بدل کر رکھ دیا۔

دیکھ رہے ہیں حضرات! بیمار کا بھی اعتقاد ہے اور قاضی صاحب بھی یقین رکھتے ہیں کرامات اہلحدیث کا مصنف بھی سکون سے ہے کہ قاضی صاحب کا کہا بدل نہیں سکتا، کوئی مسلمان اگر اپنے کسی بزرگ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا تو وہابی دارالافتاء سے فوراً یہ فتویٰ صادر ہو جاتا کہ دیکھو اس نے بزرگ کو خدا سے ملا دیا ہے، مشرک ہو گئے۔ لیکن خود سارا نظام بھی بدل دینے کا دعویٰ کر دیں تو شرک نہیں ہوتا، کیونکہ معاملہ گھر کا ہے...... آخر اپنے بیگانے میں کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔

⊙ ...... عبداللہ غزنوی کے کسی مرید نے کہا کہ میری ایک چٹھی پکڑی گئی ہے اگر وہ افسروں کے پاس پہنچ گئی تو مجھ پر مقدمہ چلے گا، نوکری کا خطرہ ہے کچھ کیجئے" روای کا بیان ہے کہ میرے سامنے عبداللہ صاحب نے مراقبہ کیا اور کچھ عرصہ کے بعد سر اٹھایا اور اپنی بغل سے وہ چٹھی نکال کر اس شخص کو دی اور پوچھا کہ کیا یہی ہے؟ اس نے کہا، ہاں حضور یہی ہے، جس کی بنا پر مقدمہ چل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسے جلا دو، اب

مقدمہ نہیں چل سکے گا، چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا اور وہ افسر میری چٹھی پیش نہ کر سکا تو مجھے بری کر دیا گیا۔ (کرامات اہلحدیث ص ۲۷)

جی! بالکل بری ہی ہونا تھا، مقدمہ کیسے چل سکتا تھا، ایک وھابی بزرگ کا تصرف تھا کوئی مذاق تھوڑا تھا کہ اثر انداز نہ ہوتا، لیکن پوچھنے والی بات تو یہ ہے کہ غزنوی صاحب کے پاس ایسا ''کلی علم غیب'' کہاں سے آ گیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے یکلخت زمین کا گوشہ گوشہ دیکھ لیا، پھر افسر کے مکان کو دیکھا، دفتر کو جانا، پھر یہ بھی معلوم کر لیا کہ کس میز کے کونسے خانے میں اور کس فائل کے اندر اس کی چٹھی پڑی ہے، اس کی تحریر سے ناواقف ہونے کے باوجود صرف وہی چھٹی نکالی جوان کے معتقد کی تھی...... ایسا تصرف تو وہی کر سکتا ہے جو ذرے، ذرے کا علم رکھتا ہو اور پوری طرح بااختیار ہو...... گویا غزنوی صاحب غیب کا علم بھی رکھتے تھے اور مختار کل بھی تھے، کہ قطعاً اس عمل کیلئے اللہ سے اجازت طلب نہیں کی، بس سر جھکایا اور اس کی چھٹی بغل سے نکال کر اسے تھما دی۔

⊙ ...... وھابی مذہب کے شیخ الکل فی الکل مولوی میاں نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار لکھتے ہیں

ایک شخص کو میاں صاحب سے دشمنی تھی، ایک دن اس نے میاں صاحب کو قتل کرنے کی سازش بنائی اور مسجد کے راستے میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا کہ جب آپ نماز کیلئے نکلیں گے تو قتل کر دوں گا، چنانچہ جب میاں صاحب نماز کیلئے چلے تو وہ شخص تلوار لے کر سامنے آ کھڑا ہوا، میاں صاحب نے اس سے کہا اگر میں فاطمہ کی اولاد ہوں تو تو اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، آپ کا یہ جملہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور وہ ایسا مبہوت ہو گیا کہ اس کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی، بھاگا ہوا اپنے گھر پہنچا، پہنچتے ہی اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا جو

موت پر ہی منتج ہوا۔ (الحیات بعد الممات ص ۱۲۸)

اللہ اکبر!...... غیر مقلد مولوی کا غضب تھا یا نوشتہ تقدیر؟...... جونہی وہ سامنے آیا تو مولوی صاحب نے ایسا تصرف کیا، پہلے تو اس کے پیٹ پر درد مسلط کیا، اور بعد میں جوش انتقام کو سرد کرنے کیلئے اس پر موت وارد کردی، ان کا یہ بھی احسان ہی جانیں کہ اس "بے چارے" کو راستے میں ہی نہیں دبوچ لیا، اسے اتنی مہلت تو دے دی کہ وہ گھر پہنچ گیا...... اگر وہ چاہتے تو اسے اسی وقت ہی لقمہ اجل بنا سکتے تھے۔ چونکہ موت وحیات ان کے قبضے میں تھی، ایسے تصرفات اور اختیارات وھابی مولویوں کے نام الاٹ ہو چکے ہیں۔ کسی نبی، ولی کیلئے معمولی تصرف بھی ثابت کیا گیا تو ایسے آدمی کو کافر، مشرک اور جہنمی ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

⊙ ...... اسی طرح ایک وھابی بزرگ حافظ محمد عظیم محمدی ایک مرتبہ اپنے استاذ کے پاس جانے کیلئے "ریلوے اسٹیشن" کی طرف بڑھ رہے تھے، کہ گاڑی نکل گئی، لیکن ان کی قوت تصرف کا کیا کہنا کہ گاڑی تھوڑی دور جا کر پھر واپس اسٹیشن پر آکر رک گئی، اور اس وقت وھابی بزرگ بھی وہاں پہنچ گئے، اور ٹکٹ لے کر گاڑی میں بیٹھ گئے تب گاڑی روانہ ہوئی۔ (تذکرہ علما بھوجیاں ص ۲۵۴)

دیکھ رہے ہیں آپ؟...... وھابی لوگ انکار کرنے پر آجائیں تو ولیوں کا انسانوں پر تصرف نہیں مانتے اور اگر ماننے پہ آئیں تو اپنے بزرگ کا "گاڑیوں" پر تصرف مان جاتے ہیں۔ کیونکہ "محبت" انہونی چیز کو بھی منوالیتی ہے۔ اور یہ بھی وھابی بزرگ کا "عزم" ہی سمجھیں کہ وہ ٹکٹ لے کر گاڑی میں بیٹھے تھے، ورنہ اگر وہ بغیر ٹکٹ کے بھی بیٹھ جاتے تو ان کیلئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اگر کوئی ٹکٹ کا پوچھتا تو چیلنج کردیتے کہ جاؤ میرے بغیر گاڑی کو چلا کے تو دکھاؤ۔ مقام شکر ہے کہ "حضرت" نے انہیں اس "مشکل" میں نہیں ڈالا۔

⊙ ...... وھابیوں کے انہی بزرگ صاحب کی بھینس چوری ہوگئی، چور جونہی بھینس لے کر گھر پہنچا تو اسے خون کے پیچس اور قے آنے لگیں، لوگوں نے اسے سمجھایا کہ یہ ایک بزرگ کی بھینس ہے، یہ ان کی بددعا کا اثر ہے۔ (ایضاص ۲۵۵)

واہ!...... بہت خوب...... کیسے "حسین انداز" میں تصرف فرمایا ہے۔

⊙ ...... وھابی بزرگ حافظ دوست محمد میں اس قدر تصرف اور طاقت تھی کہ وہ لوگوں کو اندھے بھی کر دیا کرتے تھے۔ (ایضاص ۲۵۶)

وھابیوں کے بزرگ تو رہے ایک طرف، ان کی قبروں کی مٹی کی تاثیرات وتصرفات کا حال بھی ملاحظہ ہو!

ابوالعباس احمد بن علاؤالدین بیان کرتے ہیں کہ علی بن عبدالکریم بغدادی کی لڑکی کو مرض رمد (فتور نظر کا مرض) لاحق ہوگیا، اسے خیال آیا کہ ابن تیمیہ کی خاک تربت لڑکی کی آنکھوں میں ڈالے چنانچہ وہ قبر پر گیا، وہاں ایک اور بغدادی اسی مقصد کیلئے خاک جمع کر رہا تھا، علی بن عبدالکریم کی عقیدت اور بڑھ گئی، اس نے خاک لی، بچی کی آنکھ میں ڈالی اور لڑکی دوسری صبح کو تندرست ہو کر اٹھی۔

(امام ابن تیمیہ ص ۱۹۹ از ڈاکٹر برق مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور)

یہ واقعہ الفاظ کے تھوڑے ساتھ (الرد الوافر للناصر الدین الدمشقی ص ۱۳۵، ۱۳۶) میں بھی موجود ہے۔

⊙ مولوی ظفر احمد دیوبندی اپنے تھانوی صاحب کی قبر کے متعلق رقمطراز ہیں:
جس کی زیارت ہر قلب کی حیات ہے۔ اور جس کی مٹی مریض قلب کی شفاء ہے۔ (اشرف السوانح ۴/ ۱۵۷)

ملاحظہ ہو! دوسروں کی توحید درست کرنے والوں کا اپنا کیا حال ہے۔

دیکھا لیا آپ نے؟...... کہ

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے اجسام مقدسہ میں شفا، تاثیر اور تسکین ماننے والوں پر شرک وکفر کا فتویٰ لگانے والوں کی اپنی عقیدت کا اندھا پن کہاں تک پہنچ چکا ہے...... معلوم ہوتا ہے وہابی مولویوں کو "چھپٹر پھاڑ" کر عطا کیا گیا ہے اور یہ انہیں کا خاصہ ہے۔ اس لئے ان کا تصرف واختیار ماننا ایمان ہے...... جبکہ ان کے نزدیک انبیاء واولیاء کے متعلق ایسا نظریہ رکھنے والا کافر، مشرک، بے ایمان، جہنمی اور نجانے کیا کچھ ہے۔ (استغفر اللہ العظیم)

قارئین کرام!...... اپنے بزرگوں کے تصرفات، تاثیرات، مشکل کشائی، حاجت روائی، غیب دانی، قوت وطاقت پر دیوبندی اور غیر مقلد حضرات کو تصدیق قلبی اور شرح صدر حاصل ہے۔ محض اپنے ان عقائد پر پردہ پوشی کیلئے اہلسنت پر طعنہ زنی کی جاتی ہے، اور انہیں "پیر پرست" اور "قبر پرست" جیسے نازیبا الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے...... درحقیقت یہ سب کچھ ان کے گھر کی چیزیں ہیں اور

ع ہم اہل جنوں مفت میں بدنام ہوئے

ان عبارات سے دوٹوک فیصلہ ہوگیا کہ اولیاء کرام کیلئے تصرفات اور اختیارات کا ہونا لازمی امر ہے...... مخالفین نے بھی اپنے خودساختہ بزرگوں کیلئے قدرت واختیار کا اظہار کر کے مان لیا ہے کہ اولیاء کرام مجبور اور بے اختیار نہیں ہوتے بلکہ وسیع اختیارات وتصرفات کے مالک ہوتے ہیں۔

؎ وہ باتیں ان کی نگاہیں بتا دیتی ہیں
جنہیں وہ اپنی زباں سے ادا نہیں کرتے

ولی خدا کے نور سے دیکھتا ہے

جب بندے کو قرب نوافل کے ذریعے درجہ محبوبیت پر فائز کردیا جاتا ہے

تو نور جلال خداوندی اس کی آنکھوں میں آ جاتا ہے۔

⊙ جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وبصره الذی یبصر به (بخاری ۲/۹۶۳، مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

اور میں اسکی بصارت بن جاتا ہوں وہ اس سے دیکھتا ہے۔

⊙ اسی طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللّٰه

(ترمذی ۲/۱۴۰، المقاصد الحسنہ ص ۴۲ تفسیر جامع البیان للطبری جز ۱۴، ۷/۳۱ تاریخ بغداد ۳/۱۹۱، حلیۃ الاولیاء ۱۰/۲۸۱، المعجم الاوسط رقم ۷۸۳۹، مسند ابی حنیفہ ص ۲۲۵)

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

⊙ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مرفوعاً مروی ہے:

المومن ینظر بنور اللّٰه الذی خلق منه

(الفردوس ۴/۸۷ رقم الحدیث ۶۵۵۴، مجمع الزوائد ۱۰/۲۱۷ کنز العمال ۱/۱۶۵ برقم ۸۲۳، مقاصد حسنہ ص ۴۲ برقم ۲۳، تاریخ کبیر لامام بخاری ۴/۳۵۴)

مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، جس سے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

⊙ حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے:

اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللّٰه

(المقاصد الحسنہ ص ۴۲، تفسیر جامع البیان جز ۱۴ جلد ۷/۳۱، المعجم الکبیر ۸/۱۰۲ رقم ۷۴۹۷، حلیۃ الاولیاء ۴/۹۴)

امام ہیثمی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۲۷۱)

مومن کی فراست سے بچو بیشک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

⊙ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور اللہ

(تفسیر جامع البیان ۷/۳۲ جز ۱۴، تفسیر ابن کثیر ۲/ ۸۶۱، الدر المنثور ۴/ ۱۰۳، المقاصد الحسنہ ص ۴۲)

مومن کی فراست سے بچتے رہو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

⊙ ...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور اللہ وينطق بتوفيق اللہ

(جامع البیان ۳۲ جلد ۷ جز ۱۴ رقم الحدیث ۱۶۰۶۴، تفسیر ابن کثیر ۲/ ۸۶۱، الدر المنثور ۴/ ۱۰۳)

⊙ ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان للہ عبادا يعرفون الناس بالتوسم**

بیشک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کو توسم (فراست) سے پہچان لیتے ہیں۔ (جامع البیان ۳۲ جز ۱۴ جلد ۷ رقم الحدیث ۱۶۰۶۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث ۲۱۶۰، مسند البزار ۱، رقم الحدیث ۳۶۳۲، تفسیر ابن کثیر ۲/ ۸۶۱، تفسیر الدر المنثور ۴/ ۱۰۳، کنز العمال رقم ۳۰۷۳۲)

حافظ ہیثمی نے اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰/ ۲۶۸)

نگاہ ولی میں جب نور خداوندی آجاتا ہے، تو وہ اسی نور سے دیکھتا ہے، تو پھر اسکی نگاہ میں کونسی چیز حائل ہو سکتی ہے؟ امام رازی نے اسی لئے فرمایا تھا:

رأى القريب والبعيد (التفسیر الکبیر)

وہ نور خداوندی کی وجہ سے دور اور نزدیک سب کو دیکھ لیتا ہے۔

نگاہ ولی کی وسعت اور اکابرین کی صراحت

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

ونحن لاننكر ان اللہ يكرم عبده بزيادة نور منه يزداد به نظره ويقوى به رايه و انما هو نور يختص اللہ به من يشاء من عباده (فتح الباری ۱۲/ ۳۴۳)

اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے (محبوب) بندے کو ایسا نور زائد عطا فرما کر عزت بخشتا ہے، جس سے اس کی نظر میں ترقی ہوتی ہے اور اسکی بصیرت قوی ہو جاتی ہے۔ اور یہ ایسا نور ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مخصوص ٹھرالیتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔

⊙ شارح شفا علامہ شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمۃ ،علامہ ابن عطاء اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اطلاع العبد علیٰ غیب من غیوب اللہ بنور منه بدلیل ،اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ تعالیٰ،لا یستغرب وھو معنی قوله کنت بصره الذی یبصربه فمن کان الحق بصره فاطلاعه علی غیبه غیر مستغرب (نسیم الریاض ۳/۱۵۰)

بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر اطلاع پالینا اسی کے نور سے ہے، جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے......اور یہ (بندے کا غیب پر اطلاع پالینا) کوئی انوکھی بات نہیں، اور یہی مطلب ہے فرمان خداوندی کا کہ میں اس محبوب بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے لہذا حق تعالیٰ جس کی آنکھ بن جائے اس کا غیب کو پالینا کوئی انوکھی اور اچھنبے کی بات نہیں۔

⊙ امام ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں:

وقول ﷺ اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ وسئل بعضهم عن الفراسة فقال ارواح تتقلب فی الملکوت فتشرف علی معان الغیوب فتنطق عن اسرار الخلق نطق مشاهدة وعیان لانطق ظن وحسبان (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۸)

اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان مقدس ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔اور بعض (اکابر) سے فراست کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: کچھ روحیں ملکوت میں گردش کرتی رہتی ہیں اور وہ غیبی امور پر مطلع ہوتی ہیں اور وہ مخلوق کے اسرار کا مشاہدہ اور معائنہ کر کے خبر دیتی ہیں صرف خیال یا گمان سے نہیں۔

⊙ ...... علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

والفراسة علم ينكشف من الغيب بسبب تفرس اثار الصور اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله فالفرق بين الهام والفراسة انها كشف الامور الغيبية بواسطة تفرس آثار الصور والالهام كشفها بلاواسطة (مرقات ۱/۲۶۴)

فراست وہ علم ہے کہ جس کا غیب سے انکشاف ہوتا ہے،صورتوں کے آثار میں غور وفکر کرنے سے،مومن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے......فراست اور الہام میں فرق یہ ہے کہ فراست امور غیبیہ کا انکشاف ہے، صور واشکال کے آثار میں غور اور تامل کے واسطے سے اور ان کے بلا واسطہ منکشف ہونے کو الہام کہتے ہیں۔

مخالفین کی صراحت

مخالفین (دیوبندی اور غیر مقلدین) کے پیشوا ابن القیم نے فراست مومن پر طویل گفتگو کی ہے،اپنے اس موقف پر بیسیوں روایات اور حکایات نقل کیں کہ "بندۂ مومن کیلئے نور حق روشن ہوتا ہے،وہ اس نور کی روشنی میں بہت کچھ دیکھ لیتا ہے آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں:

فهذا شان الفراسة وهی نور یقذفه اللّٰہ فی القلب فیخطر له شیئی فیکون کما خطر له وینفذ الی العین فیری مالا یراہ غیرھا

(کتاب الرجع ص ۲۴۰)

پس یہ فراست کی شان ہے اور یہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ (اپنے محبوب بندہ کے) دل میں ڈالتا ہے پس اس میں ایک چیز کھٹکتی ہے اور ویسے ہی ہو جاتی ہے جیسا کہ کھٹکے اور وہی نور آنکھ کی طرف نفوذ وسرایت کرتا ہے پس وہ (نور فراست والی) آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے دوسری آنکھیں اسے دیکھنے سے قاصر ہیں۔

⊙ ...... علماء دیوبند کے متفقہ پیرومرشد حاجی امداداللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں علم غیب انبیاء واولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اہل حق، جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت اور ادراک غیبات کا ان کو ہوتا ہے، اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت ﷺ کو حدیبیہ وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملات سے خبر نہ تھی اس کو دلیل اپنے دعوے کی بناتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔ (شمائم امدادیہ ص ۶۱)

⊙ ...... علماء دیوبند کے استاد خصوصاً سرفراز گکھڑوی صاحب کے پیر محترم حسین علی واں بھچروی کے دل میں خیال آیا کہ اولیاء کو بعض چیزوں کا علم ہوتا ہے یا اکثر کا وہ یہی خیال لے کر اپنے پیرومرشد خواجہ محمد عثمان نقشبندی کی مجلس میں آئے۔ اس وقت خواجہ صاحب پٹھانوں سے پشتو میں گفتگو فرمارہے تھے...... واں بھچروی صاحب یہی خیال اپنے دل میں لیئے ان پٹھانوں کے پیچھے بیٹھ گئے، وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ خواجہ صاحب نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"مولوی صاحب !اولیاء ہمہ میدانند ولا کن مامور باظہار نیستند (مجموعہ فوائد عثمانیہ ص ۹۸)

مولوی صاحب اولیاء سب کچھ جانتے ہیں، لیکن انہیں ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

⊙ ..... دیوبندی اور غیر مقلدین کے متفقہ بزرگ، اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

درنفس سالک راہ نبوت نورے قدسی حادث می شود کہ نسبت آں نور ادراک نسبت ہر صاحب نسبت گو کہ افضل واعلیٰ باشد بمی تواں کرد چنانچہ درمجمع النور قوت باصرہ نہادہ اند کہ بسبب آں قوت وضعف خود میکند (صراط مستقیم ص ۱۹۷)

یعنی طریق سنت پر چلنے والے شخص کے اندر ایک ایسا نور قدسی پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ کسی بھی باطنی (اندرونی) کیفیت کا مشاہدہ کر سکتا ہے، گو بزرگی میں وہ اس سے اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو، باطنی کیفیت کا مشاہدہ کرنے کیلئے وہ نور قدسی بالکل ایسا ہی ہے جیسے محسوسات کا مشاہدہ کرنے کیلئے آنکھوں میں دیکھنے کی قوت۔

یعنی سنت کی پیروی کرنے والوں کو ایک ایسا نور قدسی مل جاتا ہے جس سے اسے غیبی علم اور ادراک کی ایک اختیاری قوت نصیب ہو جاتی ہے، جس کے ذریعے وہ باطنی اور چھپی باتوں کو ایسے ہی دیکھ لیتا ہے جیسے کہ آنکھوں سے ظاہر کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔

⊙ ..... گذشتہ سطور میں بھی دہلوی صاحب کی عبارات گزر چکی ہیں جن میں انہوں نے کھلے لفظوں سے اقرار کیا ہے کہ مراقبے کی مدد سے آدمی جہاں چاہے زمین و آسمان، جنت و دوزخ میں سیر کرے اور وہاں کے لوگوں سے بات چیت بھی کر سکتا ہے اور پیش آمدہ امور میں ان سے صلاح و مشورہ بھی کر سکتا ہے۔

قارئین کرام! دیکھا آپ نے، مخالفین کے بزرگوں نے دوٹوک فیصلہ فرمایا ہے کہ ولی سب کچھ جانتا ہے، جہاں چاہے آتا جاتا ہے، علم غیب کا بھی حامل

ہوتا ہے، جب چاہے چھپی باتوں کو جان لے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔

ولی جو کہہ دے وہ ہو جاتا ہے

بندۂ مومن جب محبوبیت خداوندی کی خلعت فاخرہ زیب تن کرتا ہے، تو عوام الناس گو اسے اپنے جیسا یا اپنے سے کمتر خیال کریں یا اس کی خستہ حالی کے پیش نظر اسے نظر انداز کر دیں لیکن بارگاہ رب العالمین میں اسے یہ رتبہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ جو مانگتا ہے اسے ملتا ہے، جو کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، اور اگر کبھی ایسا موقعہ بھی آ جائے کہ وہ محبت الٰہی اور قرب خداوندی پہ ناز کرتے ہوئے ذات خدا پر قسم اٹھا دے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو رائیگاں نہیں جانے دیتا بلکہ اس کیساتھ قرب ومحبت کا پاس کرتے ہوئے اس کی قسم کو پورا فرما کر جیسے وہ کہتا ہے ویسے ہی کر دیتا ہے...... چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں!

⊙ حدیث قدسی ہے:

وان سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه

(بخاری ۲، ۹۶۳، مشکوۃ ص ۱۹۷)

اور اگر (میرا بندہ) مجھ سے کچھ مانگ لے تو میں ضرور بضرور اسے عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور بضرور اسے پناہ مہیا کرتا ہوں۔

⊙ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو یہ واقعہ بتایا کہ حضرت ربیع (حضرت انس بن مالک کی پھوپھی) نے کسی جوان عورت کے دانت توڑ دیئے تو اس عورت کی قوم نے بدلہ لینے کا مطالبہ کیا...... تو انہوں (حضرت انس کے عزیزوں) نے کہا کچھ رقم لے لو اور معاف کر دو...... وہ کہنے لگے نہیں (ہم بدلہ لیں گے) پس وہ

حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ (آپ کو سارا ماجرا کہہ سنایا) تو آپ نے مدعیوں سے فرمایا بدلہ لے لو!...... حضرت انس بن نضر (حضرت انس بن مالک کے چچا) نے کہا:

اتكسر ثنية الربيع يارسول الله لا والذى بعثك بالحق لاتكسر ثنيتها

کیا ربیع کے سامنے والے دانت توڑے جائیں گے؟ یا رسول اللہ! نہیں، مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے:۔ آپ نے فرمایا:

یاانس کتاب الله القصاص ، اے انس کتاب اللہ کا حکم یہی ہے کہ بدلہ لیا جائے (اور تو کہہ رہا ہے کہ بدلے میں اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے) کیا تو اللہ کے حکم کو بدلنا چاہتا ہے؟ بس اتنی دیر تھی **فرضی القوم وعفوا** کہ وہ دعویٰ کرنے والے راضی ہو گئے اور انہوں نے معاف کر دیا۔

فقال النبی ﷺ ان من عباداللہ من لواقسم علی اللہ لابرہ

(بخاری ۱/۳۷۲، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدیۃ ابوداؤد ۲/۲۷۵، کتاب الدیات باب القصاص من السن، سنن النسائی جلد دوم رقم ۴۷۵۹ کتاب القسامۃ والقود والدیات باب القصاص من السن ابن ماجہ ص ۱۹۴ ابواب الدیات باب القصاص من السن)

تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے ہی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم اٹھا دیں تو خدا اسے ضرور پورا فرما دیتا ہے۔

اب دیکھیں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فیصلہ سنایا کہ تم بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن حضرت انس بن نضر نے عرض کیا خدا کی قسم ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے...... یعنی گو قرآنی فیصلہ یہی ہے کہ دانت کے بدلے دانت توڑے

جائیں لیکن میں قسم بخدا کہتا ہوں کہ یہ ربیع کے دانت نہیں توڑیں گے، بلکہ معاف کردیں گے...... حاشیہ بخاری میں ہے:

قوله لاتکسر لیس هورد للحکم بل اخبار عن عدم الوقوع وذلک بما کان له عندالله من الثقة والقرب بفضل الله ولذلک قال ﷺ ان من عبادالله ......الخ (بخاری ۱/۳۷۲ حاشیہ ۷)

صحابی رسول کا یہ کہنا کہ اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، اس سے ان کا مقصد حضور اکرم کے حکم مبارک کی تردید کرنا نہیں تھا بلکہ وہ خبر دے رہے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا اور یہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں اپنی بزرگی اور قرب کی وجہ سے کہا تھا جو انہیں اللہ کے فضل سے حاصل تھی، اسی لئے حضور اکرم نے فرمایا کہ بے شک اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم اٹھادیں تو خدا ان کی قسم پوری کردیتا ہے۔

⊙ ...... اس روایت کے تحت نجدی محقق مولوی عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے لکھا ہے کہ حضرت انس بن نضر نے ذات خداوندی پر یہ توکل کرتے ہوئے قسم اٹھائی تھی کہ وہ ان کی قسم کو پورا فرمائے گا۔ اور جس چیز پر قسم اٹھائی ہے وہ ضرور حاصل ہوگی۔ امام نووی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت انس کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو میری عزت وکرامت ہے اس کی وجہ سے وہ مجھے حانث (قسم توڑنے والا) نہیں بنائے گا۔ اور انہوں نے صرف اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی پر بھروسہ کرتے ہوئے قسم اٹھائی تھی۔ کہ وہ ان کی قسم کو نہیں توڑے گا بلکہ بدلے کا مطالبہ کرنے والوں کے دلوں میں معافی کا جذبہ پیدا کردیگا۔ اور مزید لکھا ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ متعدد بار اس طرح ہوا ہے۔ (التعلیقات السلفیہ علی النسائی جلد دوم زیر رقم الحدیث ۴۷۵۹)

⊙ ...... حضرت حارثہ بن وھب فرماتے ہیں:

عن النبی ﷺ قال الا اخبرکم باهل الجنة کل ضعیف

متضعف لو یقسم علی اللّٰہ لابرہ (بخاری ۲/ ۸۹۷، مسلم ۲/ ۳۸۴،۳۸۳، ترمذی ۲/ ۸۴)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں جنتی لوگوں کی خبر نہ دوں؟ ہر (مالی اعتبار سے) کمزور، جنہیں لوگ حقیر خیال کرتے ہیں، (ان کی تواضع اور اخلاص کا یہ مقام ہے کہ) اگر وہ اللہ کی ذات پر قسم اٹھاتے ہیں تو اللہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

⊙ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ ﷺ قال رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ (مسلم ۲/ ۳۸۳، مشکوٰۃ ص ۴۴۶، حلیۃ الاولیاء ۱/ ۷)

بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے بکھرے بالوں والے جنہیں دروازوں سے دھتکار دیا جاتا ہے (خدا کے ہاں ان کا مقام یہ ہے کہ) اگر وہ اللہ پر قسم اٹھا دیں تو اللہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

⊙ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ کم من اشعث اغبر ذی طمرین لا یوبہ لہ لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ منھم البراء بن مالک (ترمذی ۲/ ۲۲۶، مشکوٰۃ ۵۷۹، حلیۃ الاولیاء ۱/ ۷)

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کتنے ہی بکھرے بالوں والے، غبار آلود چہروں والے، پھٹے پرانے دو کپڑوں والے، جنہیں حقیر سمجھ کر کچھ حیثیت نہیں دی جاتی (بارگاہ خداوندی میں وہ اس مقام پر فائز ہیں کہ) اگر وہ ذات خداوندی پر قسم اٹھا دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے، براء بن مالک انہیں سے ہیں۔

⊙ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ الا اخبرک عن ملوک الجنۃ قلت بلیٰ قال رجل ضعیف مستضعف ذو طمرین لا یوبہ لہ لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ (ابن ماجہ ص ۳۱۳)

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا میں تمہیں جنت کے بادشاہوں کی خبر نہ دوں، میں نے عرض کیا، کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ آدمی جو کمزور ہو اور لوگ اسے حقیر جانیں، اس کے پاس دو پھٹے پرانے کپڑے ہوں، انہیں کچھ اہمیت نہ دی جاتی ہو، اگر وہ اللہ پر قسم اٹھادیں تو وہ ان کی قسم کو ضرور پورا فرمادیتا ہے۔

مخالفین کی تصریحات

دریں باب بھی مخالفین نے مسلمانوں پر شرک کے فتوے کے باوجود اقرار کرہی لیا ہے کہ اولیاء کرام جو کہہ دیں وہ ہو جاتا ہے...... چند شواہد ملاحظہ ہوں!

- دور حاضر میں علماء دیوبند کے متفقہ نمائندے، سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں:

  ولی کے منہ سے جو نکلی تھی بات ہو کے رہی۔ (مقام ابی حنیفہ ص ۱۴۸)

- نیز حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

  حضرت پیران پیر کی بات جو ولی مسلم ہیں کیونکہ غلط اور خطا ہو سکتی ہے؟

(مقام ابی حنیفہ ص ۹ ۲۷)

گکھڑوی صاحب کی کتب پر عموماً اکابر دیوبند وغیرہ کی تقریظات ہوتی ہیں، جس کا واضح مطلب ہے کہ سرفراز صاحب کی کہی اور لکھی ہوئی بات ان کی انفرادی رائے یا ذاتی تحقیق نہیں موجودہ یا ماضی قریب کے گذشتہ علماء کی تصدیق یافتہ اور اجماعی ہے۔ یہ بھی انقلاب زمانہ کا اثر ہے کہ انبیاء کرام اور خصوصاً سید المرسلین ﷺ کو مجبور اور لاچار باور کرانے والوں نے آج کس ترنگ میں آ کر اولیاء کرام کے تصرف واختیار کا اقرار کیا ہے۔

ع کس ادا سے کیا اقرار گنہگاروں نے

- قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں:

شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خان تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا، اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ (ارواح ثلثہ ص ۱۶۷، حکایات ۱۴۷)

یعنی اگر بالفرض رحم میں ان کے فرمان کے مخالف بھی ہوتا تو اسے بالآخر دیوبندی بزرگ کے حکم کے مطابق ہونا پڑتا۔ اور جو فرماتے وہی ہوتا۔

⊙ ...... عاشق الٰہی میرٹھی اپنے بزرگ رشید احمد گنگوہی کے متعلق لکھتے ہیں:

مولوی نظر محمد خاں (گنگوہی صاحب کے خادم) نے ایک مرتبہ پریشان ہو کر عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص جو والد صاحب سے عداوت رکھتا تھا ان کے انتقال کے بعد اب مجھ سے ناحق عداوت رکھتا ہے، بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا: وہ کب تک رہے گا" چند روز گزرے تھے کہ وہ شخص انتقال کر گیا۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۲۱۴)

گویا گنگوہی صاحب نے کیا کہا، خدا کی تقدیر بھی وہی بن گئی اور چار و ناچار اسے مرنا ہی پڑا۔

⊙ ...... دیوبندی مسلک کے حکیم الامت اشرفعلی تھانوی بیان کرتے ہیں: کہ میری نانی نے ایک مجذوب سے شکایت کی کہ میری لڑکی کی اولاد زندہ نہیں رہتی، انہوں نے فرمایا: اس کے ہاں دو لڑکے ہوں گے، دونوں زندہ رہیں گے، ایک کا نام اشرف علی خاں اور دوسرے کا نام اکبر علی خاں رکھنا، ایک میرا ہوگا اور وہ مولوی اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے جو فرمایا وہ ہو کے رہا...... اشرف علی تھانوی مولوی بنے اور ان کے بھائی اکبر علی دنیا دار۔ (اشرف السوانح ۱/۱۷)

⊙ ...... غیر مقلدین کے بزرگ داؤد غزنوی نے ایک طالب علم (جس نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا تھا کہ ابو حنیفہ سے تو مجھے زیادہ حدیثیں آتی

ہیں) کے بارے میں کہا کہ یہ مرتد ہو جائے گا...... چنانچہ جوانہوں نے کہا وہ ہو کے رہا......اور وہ مرتد ہو گیا۔ (داؤد غزنوی ص ۱۹۱)

⊙ ...... ایک اور وھابی بزرگ مولوی سلیمان روڑوی کو ان کے ایک مرید نواب نے اپنی بیمار بیٹی کو دم کرنے کیلئے بلایا، چنانچہ آدمی بھیجا، سواری منگائی گئی کہ معاً آپ نے فرمایا: اب جانا فضول ہے، لڑکی کا تو انتقال ہو گیا ہے، چنانچہ آدمی جب واپس گیا، تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت جب مولوی صاحب نے فرمایا تھا، اس کا روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تھا۔ (کرامات اہلحدیث ص ۲۸)

یعنی بس ان کے منہ سے الفاظ نکلنے کی دیر تھی، جونہی انہوں نے وہ کلمات بولے کہ "لڑکی کا تو انتقال ہو گیا ہے" فوراً اس کی روح پرواز کر گئی گویا جوانہوں نے کہا وہ ہو کے رہا۔

⊙ ...... مولوی غلام رسول آف قلعہ دیدار سنگھ کے ایک مرید نے شکایت کی کہ میرا ہمسایہ چور ہے، ہر وقت خطرہ رہتا ہے، انہوں نے کچھ پڑھنے کو کہا، ساتھ ہی فرمایا بے فکر رہو وہ کتا بھونک بھونک کر خود ہی چلا جایا کرے گا، سو ایسا ہی ہوتا رہا۔ چور خود بیان کرتا ہے کہ میں نے مولوی سلطان احمد کے گھر چار دفعہ نقب لگائی جب اندر جاتا تو کتے کی شکل ہو جاتی اور کتے ہی کی طرح بھونکتا ہوا باہر نکل آتا، ایک دفعہ میں نقب لگا کر اندر گیا، بیوی صاحبہ جاگ رہے تھے، میری صورت مسخ ہوتی دیکھ کر کہا، بھائی تیری صورت مسخ ہونے سے تعجب بھی آتا ہے لیکن جس کی زبان سے یہ کلمات نکلے ہوئے ہیں اس کی زبان بھی سیف الرحمٰن تھی، جو کچھ انہوں نے کہا وہ ضرور ہوا اور آئندہ بھی انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ (سوانح حیات ص ۱۳۸)

اس طرح کے مزید سینکڑوں واقعات اور متعدد عبارات پیش کی جا سکتی ہے کہ غیر مقلدین اور دیوبندی علماء نے بھی محض اپنی خفت مٹانے کیلئے، اپنے خود ساختہ

''ولیوں'' کے لئے اقرار کر کے اس موقف کی تائید وتوثیق کر ہی دی ہے کہ اولیاء کرام جو کہہ دیں وہ ہو جاتا ہے۔

وصال کے بعد اولیاء کے تصرفات

ظاہری زندگی میں اولیاء کرام کے اختیارات وتصرفات پر مدلل گفتگو ملاحظہ فرمالینے کے بعد ''وصال کے بعد روحانی اختیارات وتصرفات'' پر چند حقائق ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... سطور بالا میں حدیث مبارک اور اکابرین ومخالفین کی تصریحات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ اولیاء کرام کو صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بنا دیا جاتا ہے، ان کے اعضاء وجوارح میں نور خداوندی کی تاثیرات ہوتی ہیں، ان کا سننا، دیکھنا، چلنا، پکڑنا، اور بولنا، نور خداوندی کی روشنی میں ہوتا ہے، ان کیلئے دور ونزدیک کا فرق ختم ہو جاتا ہے، تو ظاہر ہے جس طرح ذات خدا کو فنا نہیں، ایسے ہی صفات خداوندی اور عطائے ربانی بھی کبھی فنا نہیں ہو سکتی...... خدا بھی حیی وقیوم ہے اسکی صفات وعطا بھی ثابت وبرقرار رہتی ہے۔ لہٰذا اولیاء کرام کے انتقال کرنے سے ان کی قدرت واختیار اور قوت وتصرف میں کمی نہیں ہوتی بلکہ لمحہ بہ لمحہ اضافہ اور ترقی ہوتی رہتی ہے...... انہیں جو روحانی طاقت نصیب ہوتی ہے وہ بعد از وصال مزید بڑھ جاتی ہے، چونکہ مرنے سے قبل روح جسم میں مقید ہوتی ہے تو اس قدر وسیع تصرفات کی مجاز ہوتی ہے تو جب وصال کے بعد اسے آزاد کر دیا جاتا ہے تو بدیہی بات ہے کہ اس کی طاقت وقوت میں وسعت ضرور آئے گی۔

وصال کے بعد روح آزاد ہو جاتی ہے

بعد از وصال روح کے آزاد ہونے اور اس کے تصرف میں وسعت آنے پر چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

⊙ ...... ارشادِ نبوی ہے:

ان الدنیا جنة الکافر وسجن المومن وانما مثل المومن حین تخرج نفسه کمثل رجل کان فی سجن فاخرج منه فجعل یتقلب فی الارض ویتفسح

(کتاب الزہد لابن مبارک ص ۲۱۱ واللفظ لہ، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۳۳۵، مجمع الزوائد ۱۰/۲۹۱، ۲۹۲، الفردوس ۲/۳۵۳، شعب الایمان ۵/۲۷ رقم الحدیث ۵۶۴۵، ۷/۱۴۸ رقم الحدیث ۹۷۹۷، ۷/۳۳۳ رقم الحدیث ۱۰۴۶۱، ۷/۳۴۵، ۳۴۵۷ رقم الحدیث ۱۰۴۶۳، مسند ابی یعلی جلد ۶ رقم الحدیث ۶۴، ۸۰، مقاصد حسنہ ص ۲۲۶، المعجم الکبیر ۶/۳۶۹، ۲۳۶، ابن حبان ۲/۴۸ رقم الحدیث ۶۸۷، ۶۸۶، مسند احمد ۲/۱۹۷، ۳۲۳، ۳۸۹، حلیۃ الاولیاء ۱۔۱۹۹، ۸/۱۷۷، ۱۸۵، مستدرک ۳/۶۰۴، ۴/۳۱۵)

بے شک دنیا کافر کیلئے جنت اور مومن کیلئے قید خانہ ہے جب مومن کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قید میں تھا اب اس کو آزاد کر دیا گیا ہو پس وہ زمین میں گشت کرنے اور آزادی کے ساتھ چلنے پھرنے لگا ہو۔

دیکھیں کس عمدہ اور دلنشین انداز میں مثال دے کر واضح فرمایا کہ ایک آدمی قید خانہ میں ہو جب قید خانے کا دروازہ کھول کر اسے آزاد کر دیا جائے تو وہ جہاں چاہے جائے ...... اسی طرح بندۂ مومن بھی وصال کے بعد قید سے چھوٹ جاتا ہے، اور اسکے راستے کھول دیئے جاتے ہیں۔

⊙ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں: **انما مثل المؤمن حین تخرج نفسه اوروحه مثل رجل بات فی سجن فأخرج منه فهو یتفسح فی الارض ویتقلب فیها** (احیاء العلوم ۴/۵۲۷)

جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی قید خانے میں رات گذارے اور پھر اس سے نکل کر چلنے پھرنے اور آنے جانے لگے

(ایسے ہی مومن وفات کے بعد آزاد ہو جاتا ہے)

⊙ ...... حدیث پاک ہے:

فاذامات المومن یخلی سربه یسرح حیث شاء (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۳۳۵)

جب مومن فوت ہوتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔

⊙ ...... اسی طرح حضرت سلیمان فارسی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نے ایک ملاقات میں ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے وفات گئے تو مجھے برزخ کے معاملات کی خبر دینا۔ تو پہلے نے پوچھا کیا زندے اور مردے باہم مل سکتے ہیں؟ تو دوسرے نے جواب دیا:

نعم ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاء ت (کتاب الزہد لابن مبارک ص ۱۴۴ واللفظ لہ، کتاب الروح مطبوعہ دمشق ص ۸۹، حلیۃ الاولیاء ۱/۲۰۵)

ہاں! بے شک مومنوں کی روحیں زمین سے برزخ میں ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔

⊙ ...... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاء ت ونفس الکافر فی سجین (کتاب الزہد لابن مبارک ص ۱۴۴)

بے شک مومنوں کی روحیں زمین سے برزخ میں ہوتی ہیں وہ جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافر کی روح کو سجین میں بند رکھا جاتا ہے۔

⊙ ...... امام مالک فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت پہنچی ہے **ان ارواح المومنین مرسلة تذهب حیث شآء ت** (احیاء العلوم ۴/۵۲۹)

بے شک مومنوں کی روحیں آزاد ہوتی ہیں، اور جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

اگر بعد از وصال عام مومنوں کی ارواح کو کائنات میں آنے جانے کا اذن

واختیار مل جاتا ہے تو اولیاء کرام کے تصرف وقدرت کا عالم کیا ہوگا؟

وصال کے بعد اعضاء کی قوت بڑھ جاتی ہے

مذکورہ بالا موقف پر چند دلائل ملاحظہ ہوں:

⊙ ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن النبی ﷺ قال العبد اذا وضع فی قبره وتولی و ذهب اصحابه حتی انه لیسمع قرع نعالهم (بخاری ۱/ ۱۷۸ واللفظ لہ ابوداؤد ۲/ ۱۰۴)

⊙ ...... امام مسلم نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متعدد اسناد سے یہی حدیث پاک نقل کی ہے۔ (مسلم ۲/ ۳۸۶)

⊙ ...... علاوہ ازیں درج ذیل مقامات پر بھی یہ روایت موجود ہے۔

(سنن النسائی جلد اول رقم الحدیث ۲۰۵۱، مسند احمد ۲/ ۳۴۷، ۴۴۵، ۳/ ۱۲۶، ۲۳۳، مشکوۃ ص ۲۴)

یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں تو وہ ضرور ان کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے۔ دنیوی زندگی میں عام طور پر آدمی کو اس کے اپنے جوتے کی بھی آواز سنائی نہیں دیتی، لیکن قبر میں جا کر، منوں مٹی میں دفن ہو کر قوت سماعت میں اتنی تیزی اور طاقت آجاتی ہے کہ زمین پر چلنے والوں کے جوتوں کی آہٹ کو بھی سن لیتا ہے۔

⊙ ...... حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں:

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مامن مسلم یمر بقبر اخیه کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه اسلام

(کتاب الروح ص ۵۳ مطبوعہ بیروت، احیاء العلوم ۴/ ۵۲۲، فیض القدیر ۵/ ۴۸۷، شرح الصدور ص ۲۰۲، واللفظ لہ)

جو مسلمان اپنے (مسلمان) بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ (صاحب قبر) دنیا میں پہچانتا تھا، پس وہ (صاحب قبر کو) سلام کہتا ہے، تو اللہ اس پر روح کو لوٹاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اسے جواب دے دیتا ہے۔

اس روایت کے متعلق مخالفین کے امام حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

فهذا نص فی أنه یعرفه بعینه ویرد علیه السلام (کتاب الروح ص ۵۳)

یہ روایت اس بارے میں نص (واضح دلیل) ہے کہ صاحب قبر، قبر پر آنے والے کو اپنی آنکھوں سے پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

⊙ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مامن احد یمر بقبر اخیه المومن کان یعرفه فی الدنیا، فیسلم علیه، الاعرفه ورد علیه السلام (صححه عبدالحق) شرح الصدور ص ۲۰۲ الاستذکار ۲/۱۶۵ رقم ۱۸۵۸، فیض القدیر ۵/۴۸۷، اتحاف السادہ المتقین ۱۰/۳۶۵، الحاوی للفتاویٰ ۲/۳۰۲، تفسیر ابن کثیر ۲/۳۴۰، احیاء العلوم ۶/۱۲۷، کتاب الروح ص ۶۸ مطبوعہ بیروت)

جو مومن اپنے ایسے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کہتا ہے تو (صاحب قبر) اسے پہچانتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے، اگر (صاحب قبر) اسے دنیا میں پہچانتا نہ تھا تو صرف اسے سلام کا جواب دیتا ہے...... (اس حدیث کو امام عبدالحق نے صحیح کہا ہے)

اس روایت کے متعلق کتاب الروح کے محشی یوسف علی بدیوی لکھتے ہیں:

علامہ ابن عبدالبر نے اس حدیث کی تخریج حضرت ابن عباس کی حدیث سے التمہید اور الاستذکار میں صحیح اسناد کے ساتھ کی ہے۔ اور یہ ان احادیث میں سے ہے، جنہیں امام عبدالحق نے صحیح کہا ہے۔ یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے "مامن احد یمر بقبر اخیه" ملاحظہ ہو فیض القدیر ۵/۴۸۷، وشرح الصدور ص ۲۷۳ اور ابادی نے

عون المعبود ۳/۲۷۲ میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس سے مرفوعاً صحیح حدیث ہے، آگے حدیث مذکور بیان کی ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۳ حاشیہ نمبر ۱)

⊙ ...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استأنس به ورد علیه حتی یقوم (کتاب الروح ص ۵۵، شرح الصدور ص ۲۰۲، کنز العمال ۱۵/ ۶۵۶، اتحاف السادۃ المتقین ۱۰/ ۳۶۵، کتاب الروح ص ۶۸)

جو آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس سے مانوس (خوش) ہوتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے، جب تک وہ وہاں سے نہیں اٹھتا۔

⊙ اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ شرح الصدور ص ۲۰۲، الفردوس رقم حدیث ۶۰۵۵، اتحاف السادہ المتقین ۱۰/ ۳۶۵، کتاب الروح ص ۶۸، الجامع الصغیر جلد ۲ رقم ۸۰۶۲، کنز العمال جلد ۱۵ رقم ۴۲۵۵۶، شعب الایمان رقم ۹۲۹۶۔

علاوہ ازیں متعدد و متکثر روایات ان کی مؤید ہیں جس کے لئے شرح الصدور للسیوطی اور کتاب الروح لابن قیم کا مطالعہ مفید ہے۔

اب دیکھئے! عام طور پر دنیا میں اگر کسی انسان کی آنکھوں کے سامنے دیوار یا مکان کا حائل ہونا تو کجا اگر صرف کوئی کپڑا درمیان میں رکاوٹ بن جائے تو اس سے دوسری طرف کھڑے آدمی کو پہچاننا دشوار ہو جاتا ہے گو وہ اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، لیکن قبر میں پہنچنے کے بعد قبر کی منوں مٹی بھی اس کی پہچان میں رکاوٹ نہیں بن رہی، کیونکہ اعضاء پہلے سے زیادہ مضبوط اور قوی ہو چکے ہیں۔

⊙ ...... حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رانی رسول اللّٰہ ﷺ وانا متکئی علی قبر فقال لاتوذصاحب القبر (فتح الباری ۳/۲۲۴ واللفظ لہ، مشکوٰۃ ص ۱۴۹، مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے تھا، تو آپ نے فرمایا: صاحب قبر کو ایذا نہ دو۔

⊙ ...... حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رانی رسول اللّٰہ ﷺ جالساً علیٰ قبر فقال یاصاحب القبر انزل من علی القبر لاتوذی صاحب القبر ولا یؤذیک (مجمع الزوائد ۳/۶۴)

مجھے حضور ﷺ نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر چڑھنے والے! قبر کے اوپر سے اتر جاؤ، قبر والے کو تکلیف مت دو جبکہ وہ تجھے تکلیف نہیں دیتا۔

دنیوی زندگی میں انسان کمرے میں بند ہو اور کوئی شخص چھت پر چڑھے تو اسے قطعاً کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، لیکن بعد از وفات قبر کے اوپر چڑھنے والے کی بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے، کیونکہ قوت ادراک اور حسی طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

⊙ ...... سابقہ صفحات میں احادیث مبارکہ کے حوالہ سے گزرا ہے کہ مومن کی روح وفات کے بعد بالکل آزاد ہو جاتی ہے، وہ جہاں چاہتی ہے، جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ وصال کے بعد روحانی طاقت میں کمی کی بجائے کئی گنا اضافہ ہوتا ہے۔

اکابرین کی تصریحات

بعد از وصال روح بالکل آزاد ہو جاتی ہے اور مومن کو پس مرگ مزید روحانی

قوت وطاقت اور تصرف واختیار نصیب ہو جاتے ہیں، احادیث مبارکہ کے بعد چند اکابرین کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں!

⊙ ...... علامہ شیخ علی بن احمد العزیزی فرماتے ہیں:

فاذا فارق الدنیا فارق السجن وانتقل الی الانفساخ ودیار السرور والافراح (السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ۳/۱۶۲)

جب (مومن) دنیا سے جدا ہوا تو قید سے آزاد ہو گیا اور کشادگی' سرور اور فرحت کی طرف منتقل ہو گیا۔

⊙ ...... امام عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من هذا الهیکل وانفقت من القیود بالموت تعول الی حیث شاء ت (التیسیر شرح الجامع الصغیر)

بے شک روح جب اس قالب (جسم) سے جدا ہوئی اور موت کے سبب باقی قیود اور پابندیوں سے آزاد ہو گئی تو اس مقام پر فائز ہو جاتی ہے کہ جہاں چاہے جا سکتی ہے۔

⊙ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حیات شہداء پر لب کشائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول مراد شاید آں باشد کہ حق تعالیٰ ارواح شان راقوت اجساد میدہد ہرجا کہ خواہند سیر کنند وایں حکم مخصوص بشہداء نیست انبیاء و صدیقین از شہداء افضل اندو اولیاء ہم در حکم شہداء اند کہ جہاد بالنفس کردہ اند کہ جہاد اکبر است **رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر**) ازاں کنایت است **ولهذا** اولیاء اللہ گفتہ اند (**ارواحنا اجسادنا**

واجسادنا ارواحنا) یعنی ارواح ما کار اجساد می کنند وگاہی اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می بر آید ومی گویند کہ رسول خدارا سایہ نبود ﷺ ارواح ایشاں وزمین وآسمان وبہشت ہرجا کہ خواہند میروند ودوستاں ومعتقدان رادردنیا وآخرت مددگاری میفرمایندودشمناں را، ہلاك میمایند وازارواح شاں بطریق اویسیہ فیض باطنی میرسد وبسبب ہمیں حیات اجساد آنہار ادرقبر خاك نمی خورد بلکہ کفن ہم میماند (تذکرۃ الموتی والقبور ص ۴۱، ۴۲)

میں کہتا ہوں کہ اس (شہداء کے زندہ ہونے) سے شائد یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی روحوں کو جسموں کی سی طاقت عطا فرماتا ہے، وہ جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں، اور یہ حکم شہداء کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ انبیاء کرام اور صدیقین عظام، شہداء سے افضل ہیں اور اولیاء کرام بھی شہداء کے حکم میں ہیں، کیونکہ انہوں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے جو کہ جہاد اکبر ہے، فرمان نبوی کہ (ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہیں) اس پر دلیل ہے، بایں وجہ اولیاء اللہ نے فرمایا کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں، یعنی ہماری روحیں جسموں کا کام کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم نہایت لطافت کی وجہ سے ارواح کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کے جسم مقدس کا سایہ نہ تھا۔ ان کی روحیں زمین وآسمان اور جنت میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتی ہیں، اور دنیا وآخرت میں اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں (اور مریدوں) کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں (اور مخالفوں) کو ہلاک کرتی ہیں اور ان سے بطریق اویسی (براہ راست) باطنی فیض پہنچتا ہے اور یہی سبب ہے کہ ان کے جسم زندہ ہوتے ہیں،

خاک ان کو نہیں کھاتی بلکہ ان کے کفن بھی اسی طرح تروتازہ اور محفوظ رہتے ہیں۔

⊙ ...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (جن پر دیوبندی اور غیر مقلدین بھی اعتماد کرتے ہیں) فرماتے ہیں:

فاذا مات انقطعت العلاقات ورجع الی مزاجه فلحق بالملائکة وصار منهم والهم کالهامهم وسعیٰ فیما یسعون فیه

(حجۃ اللہ البالغۃ جز اول ص ۳۵ باب اختلاف احوال الناس)

جب (انسان) وفات پا جاتا ہے تو تمام جسمانی تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصل طبیعت (روحانیت) کی طرف لوٹ آتا ہے، اور فرشتوں سے مل کر انہیں کا ہو جاتا ہے اور ان کی طرح اس کی طرف بھی الہامات ہوتے ہیں اور ان کی طرح وہ بھی تصرف کرتا ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں: جب کوئی کامل اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ دنیا سے نابود ہو گئے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ اسکے برعکس موت کے بعد اس کامل کا وجود عرض و جوہر کے مرکب سے نکل کر سرتا پا جوہر ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ اپنے کمال میں اور قوی تر ہو جاتا ہے۔ (فیوض الحرمین ص ۱۴۴ مترجم)

⊙ ...... حضرت ملا علی قاری امام عسقلانی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ولکل روح بجسدها اتصال معنوی...... فهی مأذون لها فی التصرت وتاوی الی محلها من علیین وسجیین ...... واذا نقل المیت من قبر الی قبر فالاتصال المذکور مستمر وکذالو تفرقت الاجزاء

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ۴/۲۵)

اور ہر روح کو اپنے جسم کے ساتھ ایک معنوی (دکھائی نہ دینے والا) تعلق حاصل ہے...... ارواح کو علیین یا سجین میں ہونے کے باوجود (کائنات ارضی میں)

تصرف کی اجازت ہے، اور اپنے ٹھکانوں میں چلے جانے کی بھی، اور جب میت کو ایک قبر سے دوسری قبر کی طرف منتقل کیا جائے اور اگر اس کے اجزاء بکھر بھی جائیں تب بھی یہ تعلق اور تصرف کا اختیار برقرار رہتا ہے۔

⦿ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (جو مخالفین کے بھی معتمد ہیں) لکھتے ہیں:

وبالجملہ بعدازاں کہ ثابت شد کہ روح باقی است واورا تعلقے خاص باجزاء بدن بعد مفارقت ازوی وتغیر کیفیت ری نیز باقیست کہ بداں علم وشعور بزائر ان قبر واحوال ایشاں داردو ارواح کمل کہ درحین حیات ایشاں بسبب قرب مکانت ومنزلت ازرب العزت کرامات وتصرفات وامداد داشتند بعداز ممات چوں بہماں قرب باقی اندنیز تصرفات دارند چنانچہ درحین تعلق کلی بجسد داشتند یابیشترازاں انکار استمدادرا وجہی صحیح نمی نماید مگر آنکہ از اول امر منکر شوندای تعلق روح رابدن بالکلیہ وجمیع وجوہ بعد مفارقت وزوال علاقہ حیاتی وآں خلاف منصوص است وبرایں بتقدیر زیارت ورفتن بقبور ہمہ لغووبے معنیٰ گردد (فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۰۷،۱۰۸ ادارالاشاعت کوئٹہ)

اور خلاصہ یہ ہے کہ جب ثابت ہو گیا کہ روح باقی ہے اور اسکا ایک خاص تعلق بدن کے ساتھ روح کی مفارقت (جدائی) اور کیفیت کے بدل جانے کے بعد بھی قائم رہتا ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے ان میں علم اور شعور پیدا ہوتا ہے، جس سے (صاحب قبر کو) زیارت کرنے والوں اور ان کے احوال سے آگاہی ہوتی ہے، اور کامل لوگوں کی روحیں، جنہیں اللہ کے ہاں انکی زندگی میں قرب ومنزلت حاصل تھی اور کرامات و تصرفات اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں، انہیں بعداز وفات بھی یہ قدرت اور تصرف حاصل

رہتا ہے، اور اسی طرح اب بھی تصرف کرتے ہیں جس طرح اس وقت کرتے تھے جب ان کے بدنوں کے ساتھ روحوں کو کلی طور پر تعلق حاصل تھا (یعنی مرنے سے قبل) بلکہ (وفات کے بعد) تصرف اور طاقت اس سے بھی بڑھ جاتی ہے، اور ان سے مدد مانگنے سے انکار کرنے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی، مگر یہ کہ پہلی بات کا انکار کر دیا جائے اور کہا جائے کہ ان کی روحوں کو ان کے بدنوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور بدن سے روح کی جدائی کے بعد تمام وجوہ سے بدن سے زندگی کا تعلق زائل ہو چکا ہے اور ایسا کہنا تو نصوص (حدیث کی واضح عبارتوں) کے خلاف ہے اور یوں تو قبروں کی زیارت کرنا اور وہاں حاضری دینا سب لغو، بے کار اور بے معنیٰ ہو جائے گا۔

⊙ ...... مزید فرماتے ہیں:

ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود از جناب عزت الٰہی بتوسل روحانیہ بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا سیر کت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردہ اورابر آوردہ گرداں حاجت مرایاندا کنند آں بندئہ مقرب ومکرم راکہ اے بندئہ خدا ولی وے شفاعت کن مرا ونجواہ از خدائی تعالیٰ مطلوب مراتا قضا کند حاجت سراپس نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ وقادر معطی ومسئول پروردگار است تعالیٰ لشانہ ودروے ہیچ شائبہ شرک نیست چنانچہ وہم کردہ و آں چناں است کہ توسل وطلب دعا از صالحاں ودوستان خدا در حاجت حیات کند وآں جائز است باتفاق پس آں چراجائز نباشد فرقے نیست درارواح کاملان درحین حیات وبعداز ممات مگر

بشرقی کمال (فتاویٰ عزیزی ۲/۱۰۸ مطبوعہ مجتبائی اصلی)

اور (ولی سے) مدد طلب کرنے کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اس روحانی توسل کے ذریعہ کہ مقبول بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اور یوں کہے کہ اے پروردگار اس بندہ کی برکت سے جس پر تو نے رحمت ونوازش فرمائی ہے میری حاجت پوری کر یا یوں کہے کہ ایک بندۂ خدا اور اللہ تعالیٰ کے ولی! میرے حق میں سفارش کر اور اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کر کہ وہ میری حاجت کو پورا کر دے پس بندہ اس صورت میں صرف وسیلہ ہے اور قادر، دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف پروردگار جل شانہ ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ بھی موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ منکر کو وہم ہوا ہے اور اس قسم کا توسل اور نیک لوگوں اور محبوبان خدا سے دعا کا مطالبہ کرنا ان کی زندگی میں بالاتفاق جائز ہے پس بعداز وفات کیوں جائز نہیں؟ کیونکہ کامل لوگوں کی ارواح میں زندگی اور بعداز وفات میں صرف یہ فرق ہے کہ وفات کے بعد روحوں کو ترقی مل جاتی ہے۔

دعوت فکر اور منکرین کی نشاندہی

مذکورہ عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے دوٹوک فیصلہ فرمادیا ہے کہ:

⊙ …… بعداز وفات روح کو بدن کے ساتھ ایک خاص تعلق حاصل رہتا ہے، خواہ بدن کی کیفیت تبدیل بھی ہو جائے۔

⊙ …… جس طرح صالحین اور بزرگان دین کو زندگی میں کرامات، تصرفات اور لوگوں کی مدد کرنے کی قوت حاصل تھی یہ حالت بعداز وصال بھی قائم رہتی ہے، بلکہ بڑھ جاتی ہے۔

⊙ …… اس سے انکار کی کوئی بھی وجہ صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

⦿ ...... اور بزرگوں سے وصال کے بعد مدد مانگنے کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ اس نیک فرد کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے اور دوسرا طریقہ یہ کہ اس بندہ صالح کو پکار کر اس سے شفاعت، سفارش اور دعا کا مطالبہ کیا جائے...... اس نظریہ سے کہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے یہ بزرگ محض واسطہ اور وسیلہ ہے۔

⦿ ...... وصال کے بعد وسیلہ بنانے یا صالحین کو پکارنے کی صورت سے شرک کا شائبہ بھی نہیں ہوگا...... جیسا کہ منکرین کو وہم ہوا ہے۔

⦿ ...... اس بات پر اتفاق ہے کہ نیک بندوں سے زندگی میں مدد مانگنی جائز ہے تو وفات کے بعد مدد مانگنا کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے؟ جبکہ وفات کے بعد بزرگوں کی روحوں کو مزید ترقی نصیب ہوجاتی ہیں۔

قارئین کرام! حضرت شاہ صاحب تو فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد بزرگوں کی روحوں میں ترقی ہوجاتی ہے، وہ زندگی سے بھی زیادہ تصرفات کرتی ہیں، ان سے مدد مانگنا بھی، جائز ہے، اس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں، جبکہ اس کے برعکس وھابی (دیوبندی اور غیر مقلدین) حضرت شاہ عبدالعزیز اور خانوادۂ حضرت شاہ ولی اللہ علیہم الرحمۃ کے ساتھ تعلق بھی قائم کرتے ہیں، دن رات ان کا نام بھی جپتے ہیں اور مذکورہ عقائد رکھنے والوں پر شرک کا فتویٰ بھی چسپاں کرتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ خاندان دھلی سے دستبر دار ہوجائیں کیونکہ کم ازکم عقائد کے باب میں وہ دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کا ساتھ نہیں دیتے...... یا پھر ان کے عقائد کو اپنا لیں...... خدارا اس دورنگی چال سے باز آجائیں! ورنہ بقول شاہ صاحب وہ ''منکرین'' قرار پائیں گے۔

؎ دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہوجا
سراسر موم ہویا سنگ ہوجا

گکھڑوی صاحب کی دوغلہ پالیسی

علمائے دیوبند کے پاکستانی نمائندے مولوی سرفراز گکھڑوی صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی یہ طویل عبارت اپنی کتاب تسکین الصدور ص ۱۵۰ پر نقل کی ہے۔

لیکن انہوں نے اپنی دیگر کتب کی طرح مذکورہ کتاب میں بھی اپنے مسلک کی ڈوبتی ناؤ کو بچانے کیلئے، تحریف، کتربیونت اور عجب دوغلہ پالیسی کا اظہار کیا ہے...... مثلاً:

نمبر ا...... ص ۱۵۰ پر شاہ عبدالعزیز صاحب کی مذکورہ عبارت نقل کی جس میں انہوں نے کھلے لفظوں میں واضح فرمایا کہ اگر اس نیت سے نیک بندے کو اپنی حاجت میں پکارا جائے کہ اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ صرف وسیلہ ہے، تو اس صورت میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے اور یہ پکار زندگی میں بھی جائز ہے اور بعد از وفات بھی۔

لیکن اپنی اسی کتاب کے ص ۳۸۴ پر شاہ صاحب کی ایک عبارت میں تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے یوں مرادیں مانگنا کہ تو میرا کام کر دے خالص کفر اور شرک ہے"

حالانکہ شاہ صاحب کی نقل کردہ عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے خود یہ جملہ لکھا ہے کہ "اور سوال کے وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنا نیت میں ملحوظ نہ ہو اور مخلوق سے اس کی درخواست کرے تو یہ قسم مطلق حرام بلکہ کفر ہے" (ص ۳۸۴)

ادنیٰ سی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی بخوبی سمجھتا ہے کہ مذکورہ عبارت میں اس صورت کو حرام اور کفر کہا گیا ہے کہ نیک لوگوں سے سوال کرتے وقت یہ نیت نہ ہو کہ اصل دینے والا اللہ ہے...... اگر نیت یہ ہو کہ دراصل دینے والا اللہ ہے، بزرگوں کو

محض وسیلہ سمجھ کر پکار رہا ہوں تو ایسی صورت بقول حضرت شاہ صاحب بالکل جائز ہے اور اس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ حضرت سرفراز صاحب اپنی دیوبندی پارٹی کے امام اور محدث اعظم ہیں آخر کوئی انوکھا کرتب دکھائیں گے تو جبھی اس بلند مقام پر فائز ہوں گے۔

نمبر۲...... اسی طرح ص ۴۱۳ پر اپنے بزرگ حسین علی واں بچھروی کے حوالے سے لکھا کہ یارسول اللہ بطور محبت اور بطور توسل کے کہنا جائز ہے اور شاللہ مدد ہووے پیر جیلانی کہنا درست ہے......اور ص ۴۱۵ پر اپنے مفتی شفیع آف کراچی کے حوالے سے لکھا کہ غیر مادی اسباب کے ذریعہ (ظاہری اسباب کے علاوہ) کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایات حدیث اور اشارات قرآن سے اس کا بھی جواز ثابت ہے۔ یعنی بزرگوں کا وسیلہ دے کر اللہ سے مانگنا بھی درست ہے اور ظاہری اسباب کے علاوہ (قریب اور دور سے) بزرگوں کو پکارنا اور ان سے دعا کرنے کی مدد مانگنا بھی جائز ہے۔

لیکن یہی گکھڑوی صاحب ص ۳۸۴ پر اپنے پیرومرشد حسین علی کے حوالہ سے ہی لکھتے ہیں ''وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے ہیں وہ بھی شرک ہیں''۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے شرک کا فتویٰ بھی خود ہی صادر فرمایا اور اسے اپنانے کا جواز بھی خود ہی فراہم کیا......اب دیکھتے ہیں دوسروں کو مشرک بنانے والے اپنے فتوئے شرک سے کیسے بچتے ہیں اور یہ فتویٰ مولوی حسین علی اور مفتی شفیع کی طرف لوٹتا ہے یا مولوی سرفراز کی طرف رجوع کرتا ہے۔

نمبر۳...... ص ۳۵۴ پر گکھڑوی صاحب نے ثابت کیا ہے کہ قبر کے پاس جا کر سفارش کرانا، اور دعا کا مطالبہ کرنا جائز اور درست ہے۔ ظاہر ہے سفارش اور دعا کا مطالبہ

صاحب قبر کو پکارے بغیر نہیں ہو سکتا۔

جبکہ اسی کتاب کے ص ۳۸۴ پر اپنے بزرگ رشید احمد گنگوہی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے"

اور اپنے پیرو مرشد حسین علی کے حوالہ سے لکھا "بعد موت کے نزدیک سے پکارنا بھی شرک ہے۔ (ص ۳۸۴)

قارئین کرام دیوبندیوں کی ان قلابازیوں پر تعجب کا اظہار نہ فرمائیں کیونکہ ایسی چالیس دیوبندی سپوتوں اور گکھڑوی صاحب نے اپنی ہر کتاب میں چلی ہیں، یہ چیز ان کی گھٹی میں شامل ہے کہ مخالف کی ہر بات کا رد کرنا ہے، چاہے خود شرک، بدعت اور گمراہی کے عمیق گڑھے میں جا گریں...... خود اقرار اور انکار کی عجیب کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں...... اپنے مطلب کیلئے اور تو اور خود اپنے مسلک کے بزرگوں کی عبارتوں میں کتر بیونت اور ملمع سازی سے بھی نہیں گھبراتے...... ان کی ساری عمر انہیں "کارہائے نمایاں" میں بسر ہو رہی ہے...... اب تو یہ صدا آنے لگی ہے کہ:

ع۔ چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

جملہ معترضہ کے طور پر چند ضروری باتیں درمیان میں آ گئیں۔ اب اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوں!

⊙ ...... مخالفین کے متفقہ بزرگ، علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

فان شان الارواح غير شان الابدان ، وانت تجد الروحين المتماثلتين المقناسبتين فى غاية التجاورو القرب وان كان بينهما بعد المشرقين وتجد الروحين المتنافرتين المتبا غضتين بينهما غاية

البعد وان كا جسداهما متجاورين متلاصقين. وليس نزول الروح وصعودها وقربها وبعدها من جنس ماللبندن، فانها تصعد الى مافوق السماوات ثم تهبط الى الارض مابين قبضها ووضع فى قبره ، وهو زمن يسير لا يصعد البدن وينزل فى مثله ،وكذلك صعودها وعودها الى البدن فى النوم واليقظة ،وقد مثلوها بعضهم بالشمس وشعاعها فانها فى السماء وشعاعهافى الارض، قال شيخنا وليس هذا مثلاً مطابقا ،فان نفس الشمس لاتنزل من السماء والشعاع الذى على الارض ليس هو الشمس ولا ضفتها ،بل هو عرض (حصل) بسبب الشمس والجرم المقابل لها،والروح نفسها تصعد وتنزل (کتاب الروح ص۱۴۰،۱۴۱ بیروت)

یعنی روح کے حالات جسم کے حالات سے جداگانہ ہیں، دیکھوتو متناسب اور ہم مثال روحوں میں انتہائی قرب ہوتا ہے،اگر چہ ان میں انتہائی دوری ہی کیوں نہ ہو......اور نفرت وبغض رکھنے والی دوروحوں میں انتہائی دوری ہوتی ہے......گو جسم ان کے قریب قریب ہی کیوں نہ ہوں......روح کا اترنا اور چڑھنا اورنزدیک ودور ہونا بدن کے اتار چڑھاؤ اور قرب وبعد کی طرح نہیں ہے کیونکہ روح ذراسی دیر میں (قبض کیے جانے کے بعد سے جسم کے قبر میں رکھے جانے تک) ساتوں آسمانوں پر چڑھ کر اتر بھی آتی ہے جوان (اجسام) کیلئے ناممکن ہے،اسی طرح خواب وبیداری میں روح چڑھتی اوراترتی ہے۔

بعض لوگوں نے روح کی مثال سورج اوراس کی کرنوں سے دی ہے......
کیونکہ سورج تو آسمان میں ہے مگراس کی کرنیں زمین تک پہنچ رہی ہوتی ہیں،لیکن ہمارے بزرگ (ابن تیمیہ) نے فرمایا کہ یہ مثال درست نہیں ہے، کیونکہ سورج آسمان سے اترتا نہیں ہے،اورزمین پرسورج کی کرنیں نہ تو سورج ہیں اورنہ سورج کی

صفت ہیں ...... بلکہ عرض ہیں ...... یعنی جو سورج کی وجہ سے جو زمین کے سامنے ہے پیدا ہوتی ہے...... اور روح بالذات (خود بخود) چڑھتی اترتی ہے۔

⊙ ...... مخالفین کے اسی شیخ الاسلام حافظ ابن قیم کی چند طویل مگر فیصلہ کن عبارات کا ترجمہ نفیس اکیڈمی سے شائع شدہ مترجم کتاب الروح کے عنوانات سمیت پیش خدمت ہے۔

اس قول پر تبصرہ کہ روحیں قبروں میں رہتی ہیں

روحوں کے قبروں میں رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ وہاں سے کبھی الگ ہی نہیں ہوتیں تو یہ غلط ہے، جس کی تردید قرآن وحدیث سے ہوتی ہے، اس کے کچھ دلائل تو بیان ہو چکے اور کچھ ہم بیان کریں گے، انشاء اللہ اور اگر یہ مراد ہے کہ کبھی قبروں میں آ جاتی ہیں یا اپنی اصلی جگہ رہ کر قبروں سے تعلق قائم رکھتی ہیں تو ٹھیک ہے مگر اس سے معلوم ہوا کہ قبریں ان کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہیں، یہ قول ابن عبدالبر کا ہے، فرماتے ہیں، تم دیکھتے نہیں کہ اس قول پر دلالت کرنے والی حدیثیں صحیح اور متواتر ہیں اور قبروں پر سلام کرنے کی حدیثیں بھی اس قول پر دلالت کرتی ہیں، (متواتر حدیثوں سے ابن عمر، براء بن عازب، انس، جابر اور سلام والی تمام حدیثیں اور عذاب وثواب قبر والی تمام حدیثیں مراد ہیں) یہ قول (کہ روحیں ہمیشہ قبروں میں رہتی ہیں) صحیح احادیث وآثار سے غلط ثابت ہوتا ہے ان کی تمام دلیلوں سے روحوں کا مستقر (ٹھکانہ) جنت اور رفیق اعلیٰ ہی معلوم ہوتا ہے، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مردوں پر جنت وجہنم پیش کیئے جانے سے روحوں کا ہمیشہ قبروں میں یا قبروں کے پاس رہنا لازم نہیں آتا بلکہ قبروں سے ان کا تعلق ولگاؤ ثابت ہوتا ہے، اسی تعلق کی بنا پر ان کے ٹھکانے پیش کیئے جاتے ہیں کیونکہ روح کا معاملہ ہی جداگانہ ہے، وہ رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ

علیین میں رہتے ہوئے بھی اس حیثیت سے بدن سے متصل ہے کہ جب مردے پر کوئی مسلمان سلام کرتا ہے تو اللہ پاک اس پر اس کی روح لوٹا دیتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہے، حالانکہ روح ملاء الاعلیٰ میں ہے، اس مقام پر اکثر لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کرتا ہے کہ جسم کی طرح بیک وقت دو مکانوں روح کا پایا جانا ناممکن ہے۔

ایک عام مغالطہ

مگر یہ دھوکا ہے، روح کا آسمانوں پر اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود بھی قبر میں آ کر سلام کا جواب دیتی ہے، اور سلام کرنے والے کو جانتی ہے، دیکھیے رحمت عالم ﷺ کی روح مبارک ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے لیکن قبر میں سوال کرنے والوں کے سلام سن کر ان کے جواب دیتی ہے، آپ نے دیکھا حضرت موسیٰ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی جا دیکھا، اس صورت میں یا تو روح انتہائی سریع الحرکت ہے کہ پلک جھپکنے میں ہزاروں سال کی مسافت طے کر لیتی ہے یا اس کا قبر سے اور اس کے ماحول سے تعلق قائم رہتا ہے جیسے سورج آسمان میں ہے مگر کرنوں کے ذریعہ زمین سے بھی اس کا تعلق قائم ہے (پہلی عبارت میں ابن تیمیہ کے حوالے سے اس بات کو رد کر دیا ہے اور ترجیح اسی چیز کو حاصل ہے کہ روح خود زمین پر آتی ہے، اس کے آگے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی، ساقی)

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سونے والے کی طرح ذرا سی دیر میں آسمانوں کی مسافت طے کر کے اللہ کے آگے سجدہ جا کرتی ہے، اور کھڑی ہو جاتی ہے حق تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے، فرشتے اسے اس کے لئے جنت میں جو نعمتیں تیار ہیں انہیں دکھاتے ہیں، پھر روح اتر کر اپنی تجہیز و تکفین میں بھی شامل ہوتی

ہے۔ جیسا کہ براء والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ابن عباس والی حدیث میں اس کی صراحت آ گئی ہے، کہ تجہیز و تکفین کی تھوڑی سی موت میں فرشتے روح کو اتار کر لے جاتے ہیں، اور اس کے جسم کے ساتھ کفن میں داخل کر دیتے ہیں،

طلحہ بن عبیداللہ کا واقعہ

طلحہ بن عبیداللہ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ غابہ میں اپنے کھیتوں پر گیا، رات ہو گئی، آخر عبداللہ بن عمر بن حرام کی قبر کے پاس ٹھہر گیا، میں نے قبر سے قرات کی آواز سنی، اس سے اچھی قرات کبھی سنی ہی نہ تھی، پھر میں نے یہ واقعہ رحمت عالم ﷺ سے بیان کیا، فرمایا یہ عبداللہ ہیں، کہا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے انؓ کی روحیں قبض کر کے یاقوت و زبرجد کی قندیلوں میں رکھ کر انہیں جنت کے درمیان لٹکا دیا ہے، راتوں کو روحیں آتی ہیں اور صبح کو اپنی جگہ چلی جاتی ہیں (ابن مندہ) اس حدیث میں روحوں کی سرعت حرکت کی صراحت ہے کہ وہ ذرا سی دیر میں عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک پہنچ جاتی ہیں، اسی وجہ سے امام مالک وغیرہ نے کہا ہے کہ روحیں چھوڑی ہوئی ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں، عوام بھی خواب میں مردوں کی روحوں سے ملاقات کر لیتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کرتے کہ یہ بہت دور سے آتی ہیں کبھی زندوں کی روحیں پرواز کر کے اوپر جا کر روحوں سے ملاقات کر آتی ہیں اور کبھی مردوں کی روحیں اتر کر آتی ہیں اور ان کا قبروں سے تعلق قائم رہتا ہے قبر والوں پر سلام و خطاب سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی روحیں جنت میں نہ ہوں اور قبروں کے پاس ہوں۔

ارباب قبر پر سلام وخطاب سے روحوں کا قبر میں ہونا لازم نہیں آتا

دیکھئے رحمت عالم ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہے لیکن آپ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں، علاوہ ازیں عبدالبر کے نزدیک بھی شہداء کی روحیں جنت میں ہیں، حالانکہ اوروں کی طرح ان پر بھی سلام کیا جاتا ہے جیسا کہ رحمت عالم ﷺ نے ان پر سلام کرنے کی تعلیم دی، صحابہ کرام بھی شہداء احد پر سلام کیا کرتے تھے حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں شاید تم کہو کہ یہ تو عجیب بات ہے کہ روح جنت میں بھی ہو اور قبر پر سلام کرنے والوں کے سلام بھی سنے اور ان کے سلام کا جواب بھی دے، یہ بات تو عقل میں آتی نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ روحوں کا جسموں پر قیاس نہ کرو۔ دیکھو رحمت عالم ﷺ نے حضرت جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے سات سو پر ہیں اور ان میں سے دو پروں نے مغرب ومشرق کا پورا فاصلہ بھر رکھا ہے یہی وہ جبرئیل ہیں جو رحمت عالم ﷺ کے سامنے آکر دوزانو بیٹھ جاتے ہیں، اور ذرا سی جگہ میں سما جاتے ہیں، آپ ملاء اعلیٰ میں اپنی جگہ پر بھی ہیں اور رحمت عالم ﷺ کے سامنے بھی، اگر یہ بات تمہاری عقلوں میں نہ آئے تو اللہ نے ایسے دل پیدا کیئے ہیں جو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کی صلاحیت رکھتے ہیں......

مختلف روحوں کی صفات بھی مختلف ہیں

یہاں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ مختلف صفتوں کے اعتبار سے روحوں میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی روح بڑی طاقت والی اور بہت بڑی ہے اور کوئی اس سے کم ہے، لہٰذا عظیم وکبیر روح کا جو حال ہوگا وہ اس سے کم والی کا نہ ہوگا، تم دنیا میں بھی روحوں کے احکام میں بہت بڑا فرق دیکھتے ہو، ان کی کیفیات وقویٰ میں، ان

کی تیزی و سستی میں اور ان کی امداد و اعانت میں کتنا بڑا فرق محسوس کرتے ہو، پھر جو روح بدن کی قید سے اور اس کی آلائشوں سے آزاد ہو گئی اسے جو تصرف و قوت، ہمت و حوصلہ اور سرعت پرواز و تعلق حاصل ہو گا وہ اس روح کو حاصل نہ ہو گا جو اسیر و محبوس ہو، جسمانی آلائشوں میں لتھڑی ہوئی اور بدنی رکاوٹوں سے گھری ہوئی ہو، پھر جب حالت اسیری میں روحوں کے احوال میں غرق ہے تو آزادی کے بعد تو جداگانہ ہی حال ہو گا۔ جب کہ ان میں ان کے قویٰ جمع ہوں گے اور اپنی اصلی حالت میں ہوں گی اور عالی ہمت والی ہوں گی۔

روحوں کے حیرت انگیز کارنامے

مرنے کے بعد روحوں کے افعال کے بارے میں ہر طبقے کے لوگوں میں بے شمار خواب ہیں کہ ان سے ایسے ایسے پاک و بلند افعال ظہور میں آئے ہیں جو بدن میں رہ کر ظہور میں نہیں آ سکتے تھے، مثلاً تن تنہا ایک یا دو یا چند روحیں لشکر جرار کو شکست دے دیتی ہیں۔ بہت دفعہ لوگوں نے رحمت عالم ﷺ کو معہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے خواب میں دیکھا کہ ان کی روحوں نے کافروں اور ظالموں کے لشکر کو شکست دے دی، پھر اس کا ظہور بھی ہوا، کہ ٹڈی دل لشکر نہتے، کمزور اور تھوڑے سے مسلمانوں سے شکست بھی کھا گیا۔

یہ حیرت کی بات نہیں تو اور کیا ہے کہ دو مسلمان دوستوں کی روحیں خواب میں ملاقات کرتی ہیں، حالانکہ دونوں میں زیادہ سے زیادہ مسافت ہوتی ہے بعض روحوں کو دکھ بھی پہنچتا ہے اور پہچانتی بھی ہیں، کہ ہم دوست ہیں، حالانکہ انکی جسمانی ملاقات بھی نہیں ہوتی۔ پھر جب دونوں کی جسمانی ملاقات ہوتی ہے تو جو کچھ خواب میں دیکھا تھا بعینہ اس کے مطابق ہوتا ہے، ابن عمرو کا بیان ہے کہ مومن کی روحیں ایک

دن کی مسافت سے ملاقات کر لیتی ہیں۔ حالانکہ کسی نے کسی کو دیکھا بھی نہیں ہوتا، بعض اسی روایت کو مرفوع بھی لائے ہیں۔ عکرمہ و مجاہد، سونے کی حالت میں اصل روح تو جسم ہی میں رہتی ہے (موت کی طرح بالکل آزاد نہیں ہوتی) تاہم اس کی پرواز دور دور تک ہوتی ہے اور جب جسم میں آ جاتی ہے تو انسان جاگ جاتا ہے، جیسے سورج کی کرنیں جو سورج سے نکلتی ہیں اور زمین تک پہنچ جاتی ہیں، اصل کرنیں تو سورج ہی میں ہیں تاہم ان کی پرواز دور دور تک پہنچتی ہیں۔

(کتاب الروح مترجم ص ۱۷۷، ۱۸۲ مطبوعہ نفیس کراچی و کتاب الروح عربی ص ۲۶۴ تا ۲۷۰ مطبوعہ بیروت)

مزید لکھتے ہیں:

جسے دنیا میں رب کی معرفت و محبت اس کا ذکر و تقرب اور اس سے انسیت حاصل نہ ہو سکی، بلکہ خواہشوں اور گناہوں میں ڈوبا رہا اس کی روح بدن سے جدا ہو کر بھی اسی قسم کی روحوں کے ساتھ رہے گی۔ جیسے بلند حوصلہ شخص کی روح جو دنیا میں اللہ کی محبت و تقرب اور انسیت کی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا، بدن سے جدا ہو کر بھی اپنے مناسب ارواح علویہ کے ساتھ رہتی ہے......

ارواح کا اجسام پر قیاس قیاس مع الفارق ہے

ارواح کا اجسام پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، بلکہ روحیں جنت میں ہونے کے باوجود آسمان پر بھی ہیں اور قبر کے پاس بھی ہیں، قبر والے بدن میں بھی ہیں یہ اترنے چڑھنے میں انتہائی تیز رفتار ہیں روحیں آزاد بھی ہیں محبوس بھی ہیں، علوی بھی ہیں اور سفلی بھی۔ انہیں بدن سے جدا ہونے کے بعد صحت و بیماری اور لذت و دکھ بدنی حالت اتصال سے کہیں زیادہ پہنچتا ہے۔ ان کا حال جنین سے اور پیدا ہونے کے بعد بچے سے ملتا جلتا ہے۔ (یعنی جس طرح وہ بڑھتا اور طاقتور ہوتا جاتا ہے ایسے ہی روح کو

دن بدن قوت، طاقت اور تصرف واختیار ملتا رہتا ہے، ساقی)

روحوں کے چار گھر ہیں

روحوں کے چار گھر ہیں اور ہر لاحق گھر سابق گھر سے بڑا ہے پہلا گھر ماں کا پیٹ ہے جو محدود، تنگ، تاریک اور تین تین اندھیروں سے گھرا ہوا ہے۔ دوسرا گھر دنیا ہے جہاں انسان خیر وشر اور سعادت وشقاوت کی کھیتی کرتا ہے اور ان کے اسباب فراہم کرتا ہے تیسرا گھر برزخ ہے جو دنیا سے وسیع اور بہت بڑا ہے بلکہ ان دونوں کی نسبت وہی ہے جو سابقہ دو گھروں میں تھی۔ چوتھا گھر آخرت ہے۔

(کتاب الروح مترجم ص ۱۹۶، ۱۹۷، عربی ص ۲۹۴ تا ۲۹۶)

خلاصة الکلام

دیوبندی اور غیر مقلدین کے اس متفقہ بزرگ نے کھلے لفظوں سے بیان کیا ہے کہ:

- ...... نیک روحوں کا اصل ٹھکانہ ملاء اعلیٰ جنت یا رفیق اعلیٰ ہے۔
- ...... لیکن نیک لوگوں کی روحیں ایک جگہ رکی نہیں رہتی۔
- ...... بلکہ یہ پلک جھپکنے میں ہزاروں سال کی مسافت طے کر لیتی ہیں۔
- ...... یہ مغالطہ بلکہ دھوکہ ہے کہ روح ایک وقت میں دو مقام پر کیسے جا سکتی ہے۔
- ...... بلکہ روح ایک ہی وقت میں اپنے اصل ٹھکانے پر بھی ہو سکتی ہے، قبر پر بھی، قبر کے اندر بدن میں بھی......اور سلام کرنے والے کا سلام سن بھی لیتی ہے اور جواب بھی دیتی ہے۔
- ...... جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ہوتے اور اصل مقام سدرۃ المنتہیٰ پر بھی...... جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضور اکرم ﷺ

نے قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور حضرت موسیٰ مسجد اقصیٰ میں بھی موجود تھے۔

⊙ ...... مختلف صفتوں کے لحاظ سے روحوں کی حالتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، کسی روح کو طاقت کم ملتی اور کسی کو بہت بڑی طاقت نصیب ہوتی ہے۔ جو حال اور مقام بڑی روح کا ہے وہ چھوٹی کا نہیں ہے۔

⊙ ...... دنیا میں بھی روحوں کی کیفیتوں میں، انکی قوت، تیزی اور سستی، امداد و اعانت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

⊙ ...... روح جب بدن کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے (یعنی وفات کے بعد) تو اسے جو تصرف، قوت، ہمت، حوصلہ اور پرواز کی تیزی حاصل ہوتی ہے وہ اس روح کو حاصل نہیں ہوتی جو محبوس اور قید میں ہوتی ہے (یعنی ابھی جسم میں ہے)

⊙ ...... جسم سے آزادی پالینے کے بعد روح کا جداگانہ حال ہوتا ہے، اسے بے شمار طاقتیں، قوتیں اور تصرفات واختیارات کا اذن مل جاتا ہے۔

⊙ وفات کے بعد روحوں سے ایسے ایسے حیرت انگیز کارنامے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو بدن میں رہ کر ظہور میں نہیں آسکتے تھے...... حتیٰ کہ ایک، دو یا چند روحیں مل کر لشکر جرار کو شکست دے دیتی ہیں۔

⊙ روحوں کے چار گھر ہیں۔ ہر بعد والا گھر پہلے گھر سے زیادہ وسعت اور کشادگی والا ہوتا ہے۔

⊙ جنین (ماں کے پیٹ میں حمل) اور پیدا ہونے والے بچے کی طرح دن بدن روحوں کی قوت، طاقت، وسعت اور کشادگی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ انہیں پہلے سے زیادہ اذن واختیار ملتا رہتا ہے۔

دعوت انصاف

قارئین کرام! انصاف فرمائیں!......آج کل دیوبندی اور خصوصاً غیر مقلد وھابی حضرات جن چیزوں پر بے دھڑک شرک کے فتوے چسپاں کر رہے ہیں...... جن امور کو وہ خلاف اسلام باور کرار ہے ہیں مثلاً ''وفات کے بعد صاحبان قبور کے تصرف، مدد اور فیض کا اعتراف کرنا'' وہ سب کچھ ان کے شیخ الاسلام حافظ ابن قیم اور علامہ ابن تیمیہ نے تسلیم کرلیا ہے......اب مخالفین کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اعلان ضرور کرنا چاہئے۔

یا وہ نعرۂ حق بلند کرتے ہوئے اپنے سابقہ عقیدہ سے دستبردار ہو جائیں اور مسلک اہلسنت کی حقانیت کا برملا اعتراف کریں۔ ورنہ عدل وانصاف اور مساوات کا دامن تھامتے ہوئے اپنے مذکورہ دونوں بزرگوں کے مشرک ہونے کا فتویٰ صادر فرمائیں۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

گکھڑوی صاحب کے لئے مقام عبرت

دیوبندی مسلک کے امام اور محدث مولوی سرفراز گکھڑوی صاحب نے اپنی تصنیف ''تسکین الصدور'' میں جابجا حضرت شاہ عبدالعزیز اور حافظ ابن قیم کی عبارات نقل کی ہیں ...... جن میں مذکورہ دونوں حضرات نے روح کے تصرف و اختیار اور امداد واعانت کا صریح لفظوں میں اعتراف کیا ہے...... اور خود گکھڑی صاحب کی نقل کردہ عبارتوں سے بھی یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بعد از وفات روح کو یہ اذن دے دیا جاتا ہے کہ وہ جہاں چاہے جاسکتی ہے...... حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کی یہ صراحت بھی گزری کہ بندۂ مومن کو محض وسیلہ جان کر اس سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مدد مانگنا بھی درست ہے، اس میں شرک کا کوئی شائبہ

بھی موجود نہیں جیسا کہ منکر کو وہم ہوا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۱۵۰)

لیکن بایں ہمہ گکھڑوی صاحب کے قلب کو تسکین نہ ہوئی...... انہوں نے بزرگوں سے مدد مانگنے اور حاجت طلب کرنے کو شرک سے تعبیر کر دیا...... گویا در حقیقت اپنے مسلم بزرگ کو مشرک بنا دیا...... شاید گکھڑوی صاحب نے اس بات کا بدلہ لیا ہو کہ انہوں نے بزرگوں سے مدد اور حاجت نہ مانگنے والوں کو منکر کیوں کہا ہے...... لیکن گکھڑوی صاحب کیلئے مقام عبرت اور دعوت انصاف ہے کہ جب روح کا محل قبر ہونے کے باوجود اسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے...... تو جس طرح قبر پر روح سے فیض حاصل کیا جا سکتا ہے اس طرح دور سے بھی اسے پکارا جا سکتا ہے...... اور وہ امداد و اعانت کیلئے پہنچ بھی سکتی ہے جبکہ اصل مددگار اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے اس صورت میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے جیسا کہ گکھڑوی صاحب جیسے منکرین کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ روح کیلئے قرب و بعد، اس دریافت سے مانع نہیں۔ کیونکہ!

؎ دل ہو اور اس میں درد محبت کہیں نہ ہو

عبرت کا ہے محل کہ مکاں ہو مکیں نہ ہو

جبکہ ان کے بزرگ گنگوہی صاحب نے تصریح کی ہے کہ مرید کو چاہیے کہ وہ یقین کرے کہ شیخ کی روح کسی خاص جگہ مقید و محدود نہیں، بلکہ مرید جہاں بھی ہوگا، خواہ قریب ہو یا دور، تو گویا وہ شیخ کے جسم سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔ جب وہ یہ یقین سے جان لے گا تو ہر وقت فیض ملتا رہے گا۔ (ملخصاً از امداد السلوک ص ۹)

اور انہوں نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ وفات کے بعد اولیاء کی طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۲۵۲)

لہٰذا گکھڑوی صاحب کو اپنے ان بزرگوں کے ارشادات سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

مانو نہ مانو میری جان اختیار ہے
ہم نیک و بد آپ کو سمجھائے دیتے ہیں

بزرگوں کے چند روحانی تصرفات

حافظ ابن قیم کی عبارات سے یہ بھی واضح ہوا کہ وفات کے بعد روحوں میں اتنی طاقت آ جاتی ہے کہ ایک، دو یا چند روحیں مل کر بہت بڑے بہادر لشکروں کو بھی شکست دے سکتی ہیں اور وہ جسم کے ساتھ کئی مقامات پر ظاہر ہو سکتی ہیں...... حافظ ابن قیم نے اس کی دو مثالیں قائم کی ہیں۔

نمبر ا...... حضرت جبریل علیہ السلام ...... اگر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوتے تو سدرۃ المنتہی پر بھی موجود رہتے......

نمبر ۲...... حضرت موسیٰ علیہ السلام ...... اپنی قبر میں بھی موجود تھے اور مسجد اقصیٰ میں بھی

بزرگوں کی روحانی مدد کے مزید چند واقعات پیش خدمت ہیں:

⊙ ابن قیم ہی لکھتے ہیں:

وکم قدرئی النبی ﷺ ومعہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما فی النوم قد ھزمت ارواحھم عساکر الکفر والظلم ،فاذا بجیوشھم مغلوبۃ مکسورۃ مع کثرۃ عددھم وعددھم وضعف المومنین وقلتھم

(کتاب الروح ص ۲۶۹ عربی)

یعنی بہت دفعہ لوگوں نے رحمت عالم ﷺ کو معہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے خواب میں دیکھا کہ ان کی روحوں نے کافروں اور ظالموں کے لشکروں کو شکست دے دی، پھر اس کا ظہور بھی ہوا کہ ٹڈی دل لشکر نہتے، کمزور اور تھوڑے سے مسلمانوں سے شکست بھی کھا گئے۔ علاوہ ازیں تعدد اور تواتر سے ثابت ہے کہ

حضور اکرم ﷺ معہ خلفاء راشدین کے مسلمانوں کی امداد واعانت کیلئے تشریف فرما ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة لایتمثل الشیطان بی

(بخاری ۲/۱۰۳۵، مسلم ۲/۲۴۲، مشکوٰۃ ص ۳۹۴)

جس نے مجھے سوتے کے عالم میں دیکھا وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔ بیشک شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

یعنی جس نے خواب میں حضور اکرم کو دیکھا اس نے یقیناً آپ ہی کو دیکھا۔

جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

من رآنی فقد رای الحق (بخاری ۲/۱۰۳۶، مسلم ۲/۲۴۲، مشکوٰۃ ص ۳۹۴)

جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا (یعنی حقیقتاً مجھے ہی دیکھا)

⊙ مخالفین کے پیشوا اور شیخ الاسلام ابن قیم کے اقرار سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچی کہ حضور اکرم ﷺ اپنے خلفاء کرام ساتھ اپنے غلاموں کی مدد کیلئے تشریف لاتے ہیں۔

معلوم ہوا سرکار دو عالم ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام (جو اولیائے امت کے سردار ہیں) بھی وفات کے بعد تصرفات و امداد فرماتے ہیں......

⊙ شاہ بغداد حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ ایک روز نماز ظہر سے قبل زیارت نبوی سے مشرف ہوئے، سرکار نے فرمایا: تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ عرض کیا حضور! یہ بغداد کے لوگ فصیح و بلیغ ہیں اور میں عجمی ہوں، آپ نے فرمایا، منہ کھولو! آپ نے منہ کھولا......سرکار مدینہ نے سات مرتبہ لعاب دہن ڈال کر فرمایا جاؤ! اب وعظ کیا کرو اور لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا کرو......حضرت غوث پاک نماز ظہر سے فارغ ہوئے

ہی تھے کہ حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئے، حسب سابق گفتگو کے بعد چھ مرتبہ لعاب ڈالا اور وعظ و نصیحت کا حکم فرمایا آپ نے دریافت کیا کہ حضور والا آپ نے سات مرتبہ لعاب کیوں نہیں ڈالا تو حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ادباً مع رسول اللہ ﷺ......رسول خدا ﷺ کا ادب کرتے ہوئے۔

حضرت سیدنا غوث پاک فرماتے ہیں، بعدازیں ان فیوض و برکات سے مجھے حقائق و معارف کی فراوانی مل گی۔

(تفسیر روح المعانی پارہ ۲۲-۳۵ جلد ۱۲، الحاوی للفتاوٰی ۲/۲۵۹، اخبار الاخیار ص ۱۸)

⦿ ...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد ماجد حضرت شاہ الرحیم دہلوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

والد ماجد نے فرمایا کہ اکبر آباد میں مرزا محمد زاہد سے تعلیم کے دوران ایک دفعہ سبق سے واپسی پر ایک لمبی گلی سے گزر ہوا۔ اس وقت میں خوب ذوق میں حضرت شیخ سعدی شیرازی کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع ست
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت ست
سعدی بشنوی لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ رہ حق نہ نماید جہالت ست

(یعنی یاد محبوب کے علاوہ تو جو کچھ کرے، عمر ضائع ہے، رمز عشق کے سوا جو کچھ تو پڑھے، باطل ہے۔ اے سعدی! ایسا نقش جو حق کے سوا ہو اس سے دل کی تختی کو دھو ڈال، جو علم رہ حق نہ دکھائے، جہالت ہے)

والد ماجد نے فرمایا، اتفاق کی بات ہے کہ چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اتر گیا ہر چند ذہن پر زور دیا لیکن یاد نہ آیا......اس تار کے ٹوٹنے سے میرے دل میں

سخت اضطراب اور بے ذوقی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ اچانک ایک فقیر منش، ملیح چہرہ، دراز زلف، پیر مرد نمودار ہوا اور اس نے مجھے بتایا

علمے کہ رہ حق نہ نماید جہالت ست

میں نے کہا جزاک اللہ خیر الجزاء آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے...... اور میں نے ان کی خدمت میں کچھ پان پیش کیے انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں یہ تو بطور ہدیہ اور شکریہ پیش کر رہا ہوں اس پر انہوں نے فرمایا: میں پان استعمال نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا پان کے استعمال پر کوئی شرعی پابندی ہے یا طریقت کی رکاوٹ؟ اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے بتایئے تاکہ میں بھی اس سے احتراز کروں...... انہوں نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں البتہ میں پان کھایا نہیں کرتا پھر فرمایا مجھے جلدی چلنا چاہئے میں نے کہا میں بھی جلدی چلوں گا...... انہوں نے فرمایا میں بہت جلد جانا چاہتا ہوں...... یہ کہہ کر انہوں نے قدم اٹھایا اور گلی کے آخر میں رکھا۔ میں نے جان لیا کہ کسی اہل اللہ کی روح مبارک انسانی شکل میں جلوہ گر ہے، میں نے آواز دی اپنے نام سے تو اطلاع کرتے جایئے تاکہ میں فاتحہ تو پڑھ لیا کروں، فرمایا فقیر کو سعدی کہتے ہیں۔ (انفاس العارفین ص ۱۱۲)

واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (جن کے بغیر مخالفین کا بھی گزارا نہیں ہے) بھی وفات کے بعد بزرگوں کے تصرف، مدد اور انسانی شکل میں دنیا میں آنے کے قائل تھے۔

⊙ ...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خود لکھا ہے: (صرف ترجمہ پیش خدمت ہے)

اور نقشبندیوں کے عجیب اور حیران کن تصرفات ہیں، ہمت باندھنا کسی مراد

پر، پس وہ مراد ہمت کے مطابق ہوتی ہے...... اور طالب میں تاثیر دکھانا اور بیماری کو دفع کرنا اور عاصی (گنہگار) پر توبہ کا فیض ڈالنا، اور لوگوں کے دلوں پر تصرف کرنا تا کہ وہ خدا کے محبوب اور معظم ہو جائیں اور ان کے خیالات میں تصرف کرنا تا کہ ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور اللہ والوں کی نسبت پر آگاہ ہو جانا، خواہ وہ زندہ ہوں یا قبروں میں ہوں اور لوگوں کے ان قلبی خطرات ووساوس پر مطلع اور متصرف ہونا جو ان کے سینوں میں خلجان اور شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، اور آئندہ ہونے والے واقعات کا کشف اور نازل ہونے والی مصیبت کو ٹال دینا، ان کے علاوہ نقشبندی حضرات کے اور بھی تصرفات ہیں۔ ہم تجھے ان میں سے بعض تصرفات پر بطور نمونہ آگاہ کرتے ہیں...... اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے نقشبندی اولیاء کے تصرفات، قدرت واختیار کے طرق ذکر فرمائے ہیں: ملاحظہ ہو!

(القول الجمیل مع ترجمہ شفاء العلیل ص ۱۱۱ تا ۱۱۹)

قارئین کرام توجہ فرمائیں! کہ اولیاء کرام کو اگر زندگی میں اس قدر تصرف حاصل ہے تو وفات کے بعد جب کہ روح آزاد ہو جاتی ہے تو انہیں کس قدر قدرت و تصرف حاصل ہوگا۔ (فافہم وتدبر ولا تکن من المنکرین)

⊙ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اپنے والد بزرگوار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ایک روز وہ بزرگ اور سید عبداللہ صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے کہ کچھ لوگ عرب صورت، سبز پوش گروہ در گروہ ظاہر ہوئے ان کے سردار نے مسجد کے قریب کھڑے ہو کر ان قاریوں کی قرات کو سنا اور کہا "بارک اللہ ادیت حق القرآن" اور مراجعت فرمائی ان عزیزوں کی عادت تھی کہ قرآن مجید پڑھتے وقت آنکھیں بند کر لیتے اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے جب سورت ختم کر لی تو سید عبداللہ سے پوچھا وہ کون لوگ تھے ان کی ہیبت سے میرا دل کانپ اٹھا لیکن

قرآن مجید کے احترام کی وجہ سے میں کھڑا نہیں ہوا سید عبداللہ نے کہا کہ اس اس قسم کے لوگ تھے جب ان کا سردار پہنچا تو میں بیٹھا نہ رہ سکا میں نے اٹھ کر تعظیم کی، اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اور آدمی اسی وضع کا آیا اور کہا گزشتہ رات آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اور اس حافظ کی جو اس جنگل میں ٹھرا ہوا ہے تعریف فرماتے تھے کہ علی الصبح میں ان سے ملوں گا اور اس کی قرات سنوں گا، آپ تشریف لائے یا نہیں اور اگر تشریف لائے تھے تو کہاں گئے ان دونوں نے جب یہ بات سنی تو دائیں بائیں بھاگے لیکن کوئی نشان نہ ملا، راقم الحروف کا گمان ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اسی واقعہ کے بعد مدت دراز تک اس جنگل سے خوشبو آتی تھی۔ (انفاس العارفین ص ۴۴)

⊙ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

جناب مولانا صاحب نے اول سال جو کلام مجید حفظ کر کے سنایا تھا۔ نماز تراویح کی ہو چکی تھی اس عرصہ میں ایک سوار بہت خوب زدہ بکتر وغیرہ لگائے برچھا ہاتھ میں لئے تشریف لائے اور کہا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ جو وہاں تھے سب نے دوڑ کر ان کو گھیر لیا اور پوچھا کہ حضرت یہ کیا تقریر ہے اور آپ کا نام کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میرا نام ابوہریرہ ہے، جناب سید عالم نے فرمایا تھا کہ ہم عبدالعزیز کا کلام مجید سننے چلیں گے، پھر مجھ کو ایک کام کے واسطے بھیج دیا، اسی سبب سے میں دیر سے آیا، یہ بات کہہ کر غائب ہو گئے۔

⊙ مخالفین کے متفقہ پیشوا، اسماعیل دہلوی اپنے شیخ سید احمد کی عظمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ آپ نے جناب رسالت مآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور آنجناب ﷺ نے تین عدد چھوہارے اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو کھلائے اس سے کہ ایک ایک چھوہارا اپنے ہاتھ مبارک سے لے کر حضرت سید صاحب کے منہ

میں رکھتے تھے اور بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے، اس رویائے حقہ کا اثر ظاہر باہر اپنے نفس میں پاتے تھے اور اسی خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہوگیا، بعد ازاں ایک دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا پس جناب علی مرتضٰی نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا اور آپ کے بدن کی خوب اچھی طرح شست وشو کی جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست وشو کرتے ہیں اور جناب فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو پہنایا چنانچہ اس واقعہ کے سبب سے کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے اور اجتباءِ ازلی جو کہ ازل الازال میں پوشیدہ تھی، منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی اور عنایات رحمانی اور تربیت ربانی بلاواسطہ آپ کے حال کی متکفل ہوئی اور پے در پے معاملات اور بیشمار واقعات وقوع میں آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل وعلا نے آپ کا دایاں ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ لیا۔ (صراط مستقیم ص ۲۲۱ مترجم)

⊙ ...... مزید لکھتے ہیں:

القصہ حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کی نسبت مبادی نسے پہلے حاصل ہوگئی۔ لیکن نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کی سعت، برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات کے یمن سے جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا۔ کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گزرنے اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے

کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پر زور اثر ڈالتے رہے پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو نصیب ہوئی ولیکن نسبت چشتیہ پس اس کا بیان اس طرح ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ' العزیز کی مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ ہو گئے، اسی اثناء میں ان کی روح پر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئیں اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتداء حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔ (صراط مستقیم ص ۲۲۳ مترجم)

اسماعیل دہلوی کا دوغلہ پن

مذکورہ عبارات میں اسماعیل دہلوی صاحب نے اپنے بزرگ سید احمد کی عظمت و شان اور روحانی کمالات کو بیان کرنے کیلئے بقائمی ہوش و حواس بلا اکراہ غیرے تسلیم کر لیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام اور دیگر اولیاء عظام بھی بعد از وصال تصرف فرماتے ہیں...... روحانی تربیت اور باطنی سلوک بھی طے کراتے ہیں۔

قارئین کرام! یاد رہے یہ وہی دہلوی صاحب ہیں جنہوں نے تقویۃ الایمان مطبوعہ شیش محل لاہور ص ۹۳ پر حضور کو مر کر مٹی میں ملنے والا لکھا اور ص ۶۸ پر کہا کہ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں''۔ ادھر جب توحید کی باری آئی تو حضور اکرم اور حضرت مولیٰ علی کو بے اختیار اور مجبور ظاہر کیا اور ادھر جب اپنے پیر کی عظمت بیان کرنے لگے تو حضور کے ہاتھوں سید احمد کو چھوہارے کھلا کر باطنی فیض ثابت کیا اور حضرت علی اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کے ہاتھوں غسل دلا کر، نئے کپڑے پہنا کر اس کی اندرونی کیفیات کو چار چاند لگانے کی کوشش کی۔

پھر اسی پر بس نہیں صرف اپنے بزرگ کی عظمت کا سکہ بٹھانے کیلئے حضرت شاہ بغداد کو غوث الثقلین (جنوں اور انسانوں کے فریادرس) بھی مان لیا اور حضرت غوث پاک اور حضور شاہ نقشبند بخاری علیہما الرحمۃ کا آپس میں تنازع اور جھگڑا بھی کرادیا کہ سید احمد کو روحانی فیض اور باطنی تربیت پہلے کون دیگا۔

یہ ساری باتیں اگر کوئی سنی مسلمان اپنے عقیدہ کی صحت وسلامتی کے باوجود کہہ دے تو یہی دہلوی صاحب نہ آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ...... تمامتر حلم وحیا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلمانوں پر شرک کی مشین گن کھول دیتے ہیں...... اوران کے اس فتوئے شرک سے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچاسکتی اور اگر وہ بے چارا ہمت کر کے حلفیہ وضاحت بھی کردے کہ انبیاء کرام اوراولیاء عظام کو یہ طاقت ازخود حاصل نہیں ہے بلکہ انہیں اللہ رب العزت نے عطا فرمائی ہے...... تو دہلوی صاحب آپے سے باہر ہوجاتے ہیں، دانت پیستے ہوئے لب کشائی فرماتے ہیں:

پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت انکو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کوایسی طاقت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۱)

اس گورکھ دہندے کو دیوبندی یا غیر مقلد وہابی حضرات ہی سلجھا سکتے ہیں کہ ایک چیز اہل سنت کے معمول میں ہو تو شرک کہلائے اور اگر وہی چیز ان کے بزرگوں کے ہاں پلتی، پھلتی، پھولتی اور پروان چڑتی دکھائی دے تو اس پر توحید، ایمان اوراسلام کا لیبل کیسے لگ جاتا ہے۔ گویا:

؎ تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

بہر صورت ثابت ہوا کہ صاحبان قبور تصرف فرماتے ہیں...... باطنی تربیت اور فیض ولایت سے مشرف فرماتے ہیں۔

⊙ ...... حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کہتے ہیں: فقیر مرتا نہیں ہے، صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے، فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی میں میری ذات سے ہوتا تھا۔ (امداد المشتاق ص ۱۱۴)

⊙ ...... ایک مرتبہ تھانوی صاحب مزار داتا پر حاضر ہوئے اور بعد از فراغت جب واپس روانہ ہونے لگے تو کہا آپ بہت بڑے شخص ہیں عجیب رعب ہے وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں۔ (عالم برزخ از قاری طیب دیوبندی)

⊙ ...... تھانوی صاحب فرماتے ہیں: حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری وفات کے بعد دیکھنا ہماری روشنی کس قدر پھیلے گی، چنانچہ مشاہدہ ہے۔

(افاضات یومیہ ۴/ ۳۷۸)

⊙ ...... تھانوی صاحب اپنے دیوبندی مولوی قاسم نانوتوی کا روحانی تصرف اور بعد از مرگ جسمانی طور پر دنیا میں آنے کا واقعہ یوں لکھتے ہیں...... کہ:

حضرت محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بناء پر ایک مخاصمہ اور متنازعہ کی صورت اختیار کر لی اور مولانا محمود حسن صاحب گو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے، نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی، مگر صورت حالات ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا اسی دوران ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب نے مولانا محمود حسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا (جو دار العلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا

فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا البادہ تر بتر ہوگیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے پس میں نے یہ کہنے کیلئے بلایا ہے مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۳۴، حکایت نمبر ۲۴۷)

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا تبصرہ

مذکورہ حکایت پر رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا تبصرہ لائق مطالعہ ہے..... فرماتے ہیں:

اب ایک نیا تماشہ اور ملاحظہ فرمایئے۔ قاری (طیب) صاحب کی اس روایت پر دیوبندی مذہب کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنا ایک نیا حاشیہ چڑھایا ہے جس میں بیان کردہ واقعہ کی توثیق کرتے ہوئے موصوف نے تحریر کیا ہے: یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسد عنصری کے، دوسری صورت یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کرکے جسد عنصری تیار کرلیا ہو۔ (ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۳۴)

لا الہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس واقعہ کے ساتھ کتنے مشرکانہ عقیدے لپٹے ہوئے ہیں۔

پہلا عقیدہ تو مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے حق میں علم غیب کا ہے کیونکہ ان حضرات کے تئیں اگر انہیں علم غیب نہیں تھا تو عالم برزخ میں انہیں کیونکہ خبر ہوگئی کہ مدرسہ دیوبند میں مدرسین کے درمیان ہنگامہ ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ مدرسہ کے صدر مدرس مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس میں شامل ہوگئے ہیں چل کر انہیں منع کردیا

جائے......اور پھر ان کی روح کی قوت تصرف کا کیا کہنا کہ تھانوی صاحب کے ارشاد کے مطابق اس جہان خاکی میں دوبارہ آنے کے لئے اس نے خود ہی آگ، پانی، ہوا اور مٹی کا ایک انسانی جسم تیار کیا اور خود ہی اس میں داخل ہو کر زندگی کے آثار اور نقل و حرکت کی قوت ارادی سے مسلح ہوئی اور لحد سے نکل کر سیدھے دیو بند مدرسہ میں چلی آئی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی روح کیلئے یہ خدائی اختیارات کو بلا چون وچرا مولوی رفیع الدین صاحب نے بھی تسلیم کرلیا۔ مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے اور تھانوی صاحب کا کیا کہنا کہ انہوں نے تو جسم انسانی کا خالق ہی اسے ٹھہرا دیا اور اب قاری طیب صاحب اس کی تشہیر فرما رہے ہیں۔

ان حالات میں ایک صحیح الدماغ آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ روح کے جو تصرفات واختیارات اور غیبی علم وادراک کی جو قوتیں سرور کائنات ﷺ اور ان کے مقربین کے حق میں تسلیم کرنا یہ حضرات کفر وشرک سمجھتے ہیں وہی ''اپنے مولانا'' کے حق میں کیونکر اسلام وایمان بن گیا ہے؟

کیا یہ صورت حال اس حقیقت کو واضح نہیں کرتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر وشرک کی یہ تمام بحثیں صرف اس لئے ہیں کہ انبیاء واولیاء کی حرمتوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے ورنہ خالص عقیدہ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کے درمیان قطعاً کوئی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔ (زلزلہ ص۲۲/۲۳)

⊙ ...... ارواح ثلاثہ کے مصنف لکھتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ درپیش تھا فرمایا کہ کہہ دوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ پھر فرمایا کہ کہہ دوں......

عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا فرمائیے تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا پھر اور جوش آیا فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے۔ فرمایا کہ اتنے سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش پیدا ہوا فرمایا کہ اور کہہ دوں عرض کیا گیا کہ فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔

(ارواح ثلاثہ ص ۲۷۵ حکایت نمبر ۳۰۷)

چلو اچھا کیا کہ خاموش ہو گئے ورنہ اب کی بار اگر وہ یہ فرما دیتے کہ معاذ اللہ اب اتنے سال سے خدا کا بھی چہرہ دل میں ہے اور میں نے کوئی کام اس سے پوچھے بغیر نہیں کیا تو روکنے والا کون تھا...... کیونکہ اس سے اپنے بزرگ کی فضیلت و برتری ثابت ہو رہی تھی ایمان جائے، دین چھوٹے، توحید بگڑے کچھ بھی ہو، اپنے بزرگوں کے حق میں سب کچھ جائز ہے، اعتراضات و شکوک و شبہات تو محبوبان خدا کی فضیلت و عظمت بلندی و برتری اور قوت تصرف پر اٹھانے ہیں۔

زاویہ نگاہ کا یہ فرق کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اگر سنی مسلمان یہ کہہ بیٹھیں کہ سرکار دو عالم ﷺ محفل میلاد میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو دیوبندی توحید میں فوراً دراڑیں پڑ جاتی ہیں...... اور تھانوی صاحب کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ

اگر ایک وقت میں کئی جگہ محفل میلاد منعقد ہو تو آیا سب جگہ آپ تشریف لے جاویں گے یا نہیں؟ یہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جاویں کہیں نہ جاویں اور اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کو واحد ہے، ہزار جگہ کس طور پر جاسکتے ہیں۔ (فتاویٰ امدادیہ ۴/ ۵۸)

لیکن یہاں دیوبندی مسلک کے کسی حلقہ سے بھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ

جتنے سال حضور اکرم ﷺ گنگوہی صاحب کے دل میں مقیم رہے اتنے دنوں تک وہ اپنی تربت پاک میں موجود تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو کیا اتنے دنوں تک تربت پاک خالی پڑی رہی؟...... اور اگر دونوں جگہ موجود تھے تو محفل میلاد میں تشریف آوری کے باوجود گنبد خضراء میں کیوں موجود نہیں رہ سکتے؟...... اور پھر بقول علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ اس واقعہ کا ایک رخ اتنا توہین آمیز اور ذات رسالت پر غلیظ الزام ہے کہ ''گنگوہی صاحب نے اتنے سال کوئی کام حضور سے پوچھے بغیر نہیں کیا'' کہہ کر اپنی تمام جسم وجوارح اور زبان وقلم کی تقصیروں، غلط کاریوں اور فحش کلامیوں کو بیک جنبش زبان حضور اکرم ﷺ کے کھاتے میں ڈال دیا کہ اس دوران جو خلاف شرع کام ان سے سرزد ہوئے وہ حضور کے اشارے سے ہوئے...... معاذ اللہ

⊙ ...... مولوی رشید احمد گنگوہی نے تو فیصلہ ہی کر دیا ہے کہتے ہیں:

اولیاء کرام کی کرامات اور تصرفات وفات کے بعد بھی اپنی حالت پر باقی رہتی ہیں بلکہ وفات کے بعد ولایت میں مزید ترقی ہو جاتی ہے اس پر علامہ ابن عبدالبر کی نقل کردہ حدیث دلیل ہے۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۲۵۲)

⊙ ...... مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، گنگوہی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

دنیا سے تشریف لے گئے مگر آپ کے تصرفات عالم میں اپنا کام برابر کر رہے ہیں۔ (ایضاً ۲/۱۵۱)

اب بتایا جائے کہ اگر اولیاء کرام کو وصال کے بعد اختیار نہیں ہوتا تو دیوبندی بزرگ مولوی گنگوہی صاحب کو تصرفات کی یہ طاقت کہاں سے الاٹ ہوئی ہے؟۔

⊙ ...... تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات اور خوارق سرزد ہوئے ہیں اور یہ امر معناً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔ (التکشف ص ۴۵، بوادر النوادر ص ۸۰)

⊙ ...... مزید لکھتے ہیں: ارواح کی مختلف حالتیں ہیں، بعض کو تو سوائے استغراق کے اور کوئی شغل ہی نہیں اور بعض کو بعد انتقال بھی تربیت واصلاح کی قوت عطا فرمادی جاتی ہے۔ (اضافات یومیہ ۷/ ۳۰۷)

⊙ ...... لگے ہاتھوں دیوبندی مسلک کے محدث اعظم جناب سرفراز گکھڑوی صاحب کی مہر تصدیق بھی دیکھتے چلیں قبل اور بعداز وفات جسد مثالی کے تصرف پر دلائل قائم کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

⊙ ...... متعدد کتب تفسیر اور تصوف میں بدن مثالی کا ذکر موجود ہے اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات لوگوں سے بدن مثالی ہی سے ہوتی ہے۔ (روح المعانی ۱۵/ ۳۲۶)

⊙ ...... اور زلیخا نے جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی تھی تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثالی صورت ہی ان کے سامنے پیش ہوئی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۴۷۴ و صراط مستقیم ص ۱۴۸)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثالی کے وجود پر ایک مستقل باب قائم کر کے اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے بلاشک یہ سب باتیں اپنے مقام پر حق اور صحیح ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۹۵، ۹۶)

خدا کرے کہ گکھڑوی صاحب کے علم میں کہیں یہ بات نہ آجائے کہ سنی حضرات بھی وفات سے قبل اور بعداز وفات بزرگوں کے جسد مثالی کے ساتھ تصرف کے قائل ہیں، ورنہ یہ سب باتیں باطل، غلط، ناجائز قرار پاجائیں گی اور شرک وکفر کا فتویٰ اس پر مستزاد۔

⊙ ...... مزید امام سیوطی کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قبروں سے باہر نکل کر دنیا میں پھرنے

اور تصرف کرنے کے قائل ہیں، (اگر چہ امام سیوطی نے اجسام کے ساتھ چلنے پھرنے کا ذکر نہیں کیا ممکن ہے کہ ان کے نزدیک مثالی اجسام یا ارواح کے ساتھ یہ سیر ہوتی ہو بشرطیکہ کسی معقول اور قطعی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے لیکن اس سے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اگر کسی ایک جگہ روح یا جسم مثالی حاضر ہو تو دیگر مقامات میں تو نہیں ہوگا اور کسی ایک جگہ میں حاضر ہونے سے ہر جگہ حاضر ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۶)

حضور اکرم ﷺ کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے پر پھر کسی اور وقت سیر حاصل گفتگو کرلیں گے، فی الحال اتنا تو تسلیم کریں کہ بعد از وصال قبروں سے نکل کر تصرف کرنا اور متعدد جگہوں پر تشریف لانا درست ہے......اور آپ کو کسی معقول دلیل کی ضرورت ہو تو گذشتہ سطور میں دیوبندی بزرگوں کی تحریریں اور واقعات اسی لئے نقل کئے ہیں تاکہ آپ جیسے سرفرازوں کیلئے اور تو نہ سہی کم ازکم اپنے بزرگوں کا اقرار واعتراف تو ضرور معقول اور قطعی ہوگا، کچھ مزید حاضر ہیں۔

⊙ ...... آپ نے خود اقرار کیا ہے کہ:

اگر کسی وقت ان کی خواب یا بیداری میں ملاقات ہوتی ہے تو محض ابدان مثالی سے ہوتی ہے۔ (ص ۲۶۱)

اب اگر ان کا ایک جگہ بدن مثالی سے بیداری کے عالم میں آنا درست ہے تو اسی بدن مثالی سے متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونا کس معقول اور قطعی دلیل سے منع ہے؟

⊙ ...... جبکہ گکھڑوی صاحب کے مذہبی پیشوا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

محمد الحضرمی مجذوب......ابدال میں سے تھے آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھایا اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باش ہوتے تھے۔

(جمال الاولیاء ص ۱۸۸)

اب گکھڑوی صاحب ہی فرمائیں گے کہ اگر جسم مثالی کا کوئی اعتبار نہیں تو جسم عنصری کے علاوہ انتیس جگہوں پر پڑھایا گیا جمعہ ادا ہوا کہ مذکور مجذوب صاحب نے ان کی نماز جمعہ کو برباد کیا ہے...... یادر ہے نقل کرنے والے تھانوی صاحب ہیں، اور انہوں نے اسے نقل کر کے کوئی انکار بھی نہیں فرمایا اور یہ بھی فرمائیں کہ زندگی میں یہ قوت تسلیم کرنا درست ہے تو بعد از وفات اسی طاقت کا اعتراف کفر، شرک، گمراہی میں سے کونسی قسم سے متعلق ہوگا...... یادر ہے آپ نے "تسکین الصدور" میں خود اس موقف کا متعدد بار اقرار کیا ہے

ع بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

⊙ ...... غیر مقلد وھابی مصنف عبدالقادر اپنے والد میاں غلام رسول آف قلعہ میاں سنگھ کی کرامت اور عظمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جناب تایا صاحب حکیم غلام محمد نے فرمایا میں نے مولوی (غلام رسول) صاحب کو کہا کہ ہم حکام کی باز پرس سے تنگ آ گئے ہیں، بہتر ہے کہ ہم یہاں کی بودوباش ترک کر کے کسی ریاست میں جا کر قیام کریں مولوی صاحب نے فرمایا بھائی جان آپ کا فرمان بجا ہے لیکن میں مجبور ہوں۔ کیونکہ ایک دن میں مسجد میں سویا ہوا تھا کہ ایک شخص نے مجھے آ کر جگایا اور کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ تم کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں، میں اس کے ساتھ ہولیا۔ جب گاؤں سے باہر نکلا تو دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ کی پالکی پڑی ہے۔ حاضر ہو کر میں نے سلام کیا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا غلام رسول ہم تمہاری مسجد کو جانا چاہتے ہیں آپ نے میرا ہاتھ پکڑے رکھا اور پالکی والوں نے پالکی اٹھالی مسجد میں تشریف لا کر اسی پکڑے ہاتھ سے مجھے ممبر پر بٹھایا اور فرمایا وعظ کیا کرو۔ تم سے لوگوں کو ہدایت ہوگی تمہاری یہی جائے بودوباش ہے۔ بھائی صاحب فرمائیے میں تو مامور ہوں کیسے اس جگہ کو چھوڑ سکتا ہوں۔ (سوانح حیات ص ۱۴۱)

جی بالکل نہ چھوڑیں، آپ کو کون مجبور کر سکتا ہے لیکن وھابی حضرات کو تو یہ مشورہ دیا جا سکتا ہے نا! کہ کم از کم وہ ایسا مذہب ضرور چھوڑ دیں جس میں اپنے بزرگوں کی بات آئے تو حضور اکرم اور صحابہ کرام کا وصال کے بعد قبر سے تشریف لا کر مولوی صاحب کو عین بیداری کی حالت میں بلانا، وعظ کا حکم فرمانا بھی قبول ہے اور اگر اہلسنت کا معاملہ ہو تو پھر یہ سب کچھ شرک، کفر اور بے ایمانی قرار پا جاتا ہے۔

اور پھر مزے کی یہ بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ مدینہ پاک سے قلعہ تک تو بغیر کسی سہارے کے تشریف لے آئے لیکن مولوی صاحب کی مسجد میں جانے کا معاذ اللہ رستہ معلوم نہ ہوا، باہر کھڑے رہے، ایک آدمی (شاید وہ کوئی صحابی ہوں) کو بھیجا وہ مولوی صاحب کو بلا لائے، آپ نے مولوی صاحب کا ہاتھ پکڑا تب کہیں جا کر مسجد میں پہنچنے کا اتفاق ہوا۔

⊙ ...... گذشتہ سطور میں بھی یہ واقعہ گزرا، کہ وھابی حضرات کے استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی بھوپال گئے...... منشی عبدالکریم سے اجازت لینے والا کوئی نہ تھا...... حافظ صاحب کا دل گھبرا رہا تھا اسی پریشانی کے عالم میں نیند آ گئی تو خواب میں حضور غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی کی زیارت نصیب ہوئی...... پیر جیلانی نے آپ کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ آپ بے دھڑک شہر کے اندر داخل ہو جائیں آپ سے کوئی داخلہ کا اجازت نامہ نہیں پوچھے گا۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔

(عبدالمنان ص ٦٦)

دیکھا آپ نے؟ اپنے استاد کی عظمت و برتری گھڑنے کیلئے حضرت غوث پاک کو بغداد سے بلا کر ان کا سیکرٹری بنا دیا...... انہوں نے آ کر دست شفقت بھی پھیرا اور اجازت نامہ لینے کی بجائے لوگوں کی آنکھوں پر ہی پردے ڈال دیئے کہ جس طرح یہ عبدالمنان نابینا ہے، منشی عبدالکریم (گیٹ کیپر بھوپال) اور دیگر اس کے معاونین

بھی اسے دیکھنے سے اندھے ہوگئے کسی نے اس سے مزید سوال وجواب تو کیا کیا اجازت نامہ تک کا نہ پوچھا، لکھتے ہیں:

دربان ڈیوٹی پر موجود تھے مگر کسی نے اس نابینا جوان رعنا سے نہ اجازت نامے کا پوچھا نہ کوئی اور سوال جواب کیا۔ (ص ۶۶)

جی! سوال جواب کر بھی کیسے سکتے تھے سینوں کے غوث پاک نے دستگیری فرمائی تھی...... مگر ابھی آپ کی جماعت آپ کو غوث اعظم کہنے پہ بھی شرک کے فتوے ہی لگائے بیٹھی ہے...... لیکن دیکھ لیجئے! حضور غوث پاک کی کرامت اور روحانی تصرف کہ منکرین سے بھی منوالیا...... گو آپ نے حضور غوث پاک کی نہیں اپنے مولوی کی کرامت بیان کرتے ہوئے ہی اقرار کیا......

لیکن پوچھنے والی بات یہ ہے کہ حضور غوث پاک نے اس کی دستگیری کیوں فرمائی؟ کیا اس وجہ سے کہ وہ نبیوں، ولیوں کو بتوں سے ملا کر، بتوں کے متعلق نازل ہونے والی آیات کو نبیوں ولیوں پر چسپاں کرتے تھے؟...... محبوبان خدا کو غیر اللہ قرار دے کر ان کے پاس جانے اور انہیں وسیلہ بنانے کو شرک بتاتے تھے؟ ان کے نام لیواؤں اور ہدیہ عقیدت پیش کرنے والوں پر کفر کے فتوے لگاتے تھے؟...... اور بزرگوں کو مجبور، بے بس اور لاچار باور کراتے تھے؟...... جبکہ ہمارا ذوق یہ کہتا ہے کہ اگر یہ بات درست ہے تو حضور غوث پاک نے ان لوگوں کی زبانوں اور قلموں سے اپنی دستگیری کو منوانے کیلئے یہ روحانی تصرف فرمایا تھا...... ورنہ بتایا جائے کہ اگر آپ منکرین کی امداد فرما سکتے ہیں تو محبین کی امداد و دستگیری سے کونسی چیز مانع ہے؟

⦿ ...... وھابی حضرات کے مشہور مصنف عبدالمجید خادم سوہدروی "کرامات قاضی سلیمانی صاحب منصورپوری" کے تحت ساتویں کرامت لکھتے ہیں:

صوفی حبیب الرحمٰن کا بیان ہے، کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم

صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خاں شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے، تو انہوں نے سرہند جانے کیلئے قاضی جی کو اپنے ساتھ لے لیا، حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کیلئے بیٹھے، تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو، ان سے الگ ہو جانا چاہئے، ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال لے کر اٹھے ہی تھے، کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ سلیمان بیٹھے رہو ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔ (کرامات اہلحدیث ص ۱۹)

دیکھ رہے ہیں آپ؟ یہ عبارت کتنے شرکوں سے لپٹی ہوئی ہے، قبر پر مراقبہ کیا، حضرت مجدد پاک نے سلیمان کے دل کے راز کو بھی جان لیا، دست مبارک سے پکڑا پھر زبان مبارک سے اسے بیٹھنے کا حکم فرمایا اور قاضی جی نے پہلے ہی اپنے دل میں کہا کہ ''شاید دونوں بزرگوں نے کوئی راز کی بات کہنی ہو'' گویا وہ پہلے سے ہی اس عقیدہ کے حامل تھے کہ بزرگ قبروں میں زندہ بھی ہیں اور ان سے راز و نیاز بھی کیا جا سکتا ہے......اور مولوی عبدالمجید خادم سوہدروی صاحب اس کی تشہیر فرما رہے ہیں...... لیکن کسی وھابی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی...... اتنے شرک مان لینے کے باوجود کوئی کفر وشرک اور گمراہی و بے ایمانی کا فتویٰ سنائی نہیں دیتا...... کیونکہ اب معاملہ اپنے بزرگوں کا ہے...... جب تک کفر وشرک اور خلاف شرع امور سرانجام نہ دیں لیں کرامت تیار ہی نہیں ہوتی۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ ساتھ لے جانے والی صوفی ضیاء صاحب، مراقبہ انہوں نے کیا، حضور مجدد پاک نے توجہ ان کی وجہ سے فرمائی اور کرامت مولوی سلیمان کی بن گئی، حرام ہے کہ اسے حضور مجدد پاک کی کرامت، تصرف اور روحانی طاقت کا نام دیں یا صوفی ضیاء معصوم کی طرف منسوب کریں...... ظاہر ہے جب

کوئی چیز گھڑنی ہو تو علم و دیانت کا خون اسی طرح کیا جاتا ہے۔

اگر موجودہ دور میں وھابی مسلک کے کسی دارالافتاء میں عدل وانصاف کی رمق موجود ہے تو وہ بتائیں کہ قاضی سلیمان صاحب ان تمام امور کو سرانجام دے کر مسلمان رہے یا مشرک قرار پائے؟...... جواب دیتے وقت قرآنی حکم پیش نظر ضرور رہے۔ واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربیٰ (الانعام ۱۵۲)

اور جب تم بات کرو تو انصاف سے کرو خواہ تمہارے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں

خلاصۃ الکلام

قارئین کرام! اولیائے کرام کے تصرف کے متعلق تمام گوشوں پہ تفصیل سے روشنی پڑ گئی ہے...... قرآن وحدیث اور اقوال سلف صالحین کے علاوہ مخالفین ومنکرین کے معتبر مصنفین اور مستند علماء کی آراء اور حکایات وواقعات کا بھی وافر ذخیرہ پیش کیا گیا ہے...... اس پر اتنی تفصیل سے لکھنے کی کیا وجہ ہے؟ وہ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان سے ملاحظہ ہو!...... آپ فرماتے ہیں:

انما اطلنا الکلام فی ھذا المقام رغما لانف المنکرین فانہ قد حدث فی زماننا شرذمۃ ینکرون الاستمداد من الاولیاء ویقولون مایقولون وما لھم علی ذلک من علم ان ھم الا یخرصون

(لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ حیات الموات از فاضل بریلوی علیہ الرحمہ)

ہم نے اس مقام پر کلام کو طول اس لئے دیا ہے تاکہ منکروں کی ناک خاک آلود ہو کیوں کہ ہمارے زمانے میں گنتی کے چند لوگ ایسے پیدا ہو چکے ہیں جو اولیاء کرام سے مدد مانگنے کے منکر ہیں اور واہی تباہی بکتے ہیں اور انہیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ یونہی اٹکل پچو لگاتے ہیں۔

⊙ ...... اور غیر مقلد مصنف مولوی وحید الزماں حیدر آبادی لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کی ارواح سے بعد موت بحکم و مرضی الٰہی تصرفات ہوتے ہیں اور طرح طرح کے فیوض و برکات بھی۔ حضرات صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے اور اتفاق کے ساتھ بتواتر ان سے اس قسم کے واقعات منقول ہیں جن کا انکار نہیں ہوسکتا مگر بعض اہل ظاہر نے جو سخت تشدد اور غلو رکھتے ہیں ان امور کا انکار کیا ہے۔

(لغات الحدیث جلد ۲/ ۷ احرف اذ)

معلوم ہوا کہ مخالفین کا اولیاء کرام کے تصرفات (خواہ وہ زندگی میں ہوں یا وصال کے بعد) انکار کرنا ضد، تعصب، تشدد اور اٹکل پچو کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں راہ حق پر گامزن فرمائے

اللھم اھدنا الصراط المستقیم ٥ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ٥ آمین

❁❁❁❁

باب نمبر4

باب الکرامۃ

قرآن وحدیث اور اکابرین امت کے اقوال کی روشنی میں کرامات اولیاء کا بیان

کرامت کا معنیٰ ومفہوم

کرامت کا لغوی معنیٰ ہے بزرگی، عزت...... یہ وہ حیرت انگیز اور خلاف عادت کام ہے جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو کر، صاحب کرامت کی بزرگی، بڑائی اور عزت کو ظاہر کرتا ہے اس لئے اسے کرامت کہا جاتا ہے۔

علماء متکلمین نے کرامت کی مدرج ذیل تعریف کی ہے:

⊙ ...... علامہ نسفی فرماتے ہیں:

وکرامته ظهور امر خارق للعادة من قبله غير مقارن لدعوى النبوة (شرح عقائد ص ۱۴۵)

کرامت اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں (جو کسی نیک) شخص سے ظاہر ہو) اور نبوت کے دعویٰ کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ (بلکہ صاحب ولایت سے متعلق ہو)

یعنی اگر خلاف عادت کام نبوت کا دعویٰ کرنے والے خرد کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو ''معجزہ'' ہوتا ہے، اور اگر وہ کام ایسے نیک آدمی کے ہاتھ پر ظاہر ہو جس نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو تو ''کرامت'' کہلاتا ہے۔

⊙ ...... امام جرجانی فرماتے ہیں:

الکرامة هی ظهور امر خارق للعادة من قبل شخص غیر مقارن لدعوی النبوة فما لایکون مقرونا بالایمان والعمل الصالح یکون استدراجاً وما یکون مقروناً بدعوی النبوة یکون معجزة

(کتاب التعریفات ص ۷۹)

یعنی کسی ایسے شخص سے خلاف عادت امر کا ظہور ''کرامت'' کہلاتا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو، پس اگر یہ خلاف عادت کام ایمان اور عمل صالح کے بغیر وقوع پذیر ہو تو ''استدراج'' ہے اور جو خلاف عادت کام نبوت کے دعویٰ کے ساتھ ظہور پذیر ہو وہ ''معجزہ'' ہوتا ہے۔

⊙ ..... علامہ عبدالعزیز پرہاروی نقل فرماتے ہیں:

وهی وقوع امر خارق للعادة من صالح ولیس معه دعوی الرسالة (النبراس)

کسی نیک بندے سے عادت کے خلاف کسی کام کا ظہور پذیر ہونا ''کرامت'' کہلاتا ہے، بشرطیکہ وہ نبوت کا مدعی نہ ہو۔

خلاف عادت امور کی اقسام

خلاف عادت امور چھ قسم پر ہیں:

ارہاص، معجزہ، کرامت، معونت، استدراج اور اہانت۔

ارھاص

اعلان نبوت سے قبل نبی سے جو خلاف عادت امور صادر ہوں، انہیں ''ارہاص'' کہا جاتا ہے...... جیسے حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

انی لاعرف حجرا بمکة کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفه الان (مسلم ۲/۲۴۵، مشکوۃ ص ۵۴۴)

میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا، میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

معجزہ

اعلان نبوت کے بعد نبی سے جو خلاف عادت امور صادر ہوں اور وہ اس کے دعوی نبوت کی تائید کریں "معجزہ" کہلاتے ہیں...... جیسے حضور اکرم ﷺ کا کلام اللہ (قرآن) کو اس چیلنج کے ساتھ پیش کرنا کہ کوئی شخص اس کلام کی مثال نہیں لاسکتا، علاوہ ازیں آپ کے کثیر التعداد معجزات ہیں۔

کرامت

وہ کامل مسلمان جو کسی نبی کی شریعت کا متبع اور مبلغ ہو اس سے ایسے خلاف عادت امور ظاہر ہوں جن سے اس کے مرتبہ اور مقام کا علم ہو" کرامت" کہلاتے ہیں اور وہ امور اس کے نبی کے موید ہوں وہ از خود مدعی نبوت نہ ہو۔

معونت

کسی عام مسلمان سے کسی خلاف عادت کام کا ظاہر ہونا "معونت" ہے۔

استدراج

کافر سے کسی خلاف عادت کام کا ظہور ہونا "استدراج" ہوتا ہے۔

اہانت

جھوٹے نبی سے خلاف عادت کام کا ظہور ہو اور وہ اس کے دعویٰ کو جھٹلانے والا ہو" اہانت" ہے...... جیسے مسیلمہ کذاب سے کسی کانے نے کہا: آپ نبی ہیں تو

دعا کریں میری کانی آنکھ ٹھیک ہو جائے۔اس نے دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی۔ (شرح القاصد ۲/۲۰۳)

اسی طرح اس نے ایک کنوئیں میں تھوکا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس کا پانی میٹھا ہو جائے گا تو اس کا پانی کڑوا ہو گیا۔یا جیسے مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا کہ محمدی بیگم سے اس کا نکاح ہو جائے گا لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا، پھر اس نے دعویٰ کیا کہ شادی کے اڑھائی سال بعد مرزا سلطان محمد مر جائے گا اور محمدی بیگم اس کے نکاح میں آ جائے گی لیکن خود مرزا غلام احمد مر گیا اور اس کی موت کے بعد دیر تک مرزا سلطان محمد زندہ رہا۔

کرامت اور استدراج میں فرق

کرامت اور استدارج دیکھنے میں تو ایک جیسے ہوتے ہیں، بظاہر ان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا کیونکہ دونوں ہی خلاف عادت ہوتے ہیں لیکن ان میں امتیاز حقیقت، ذات اور تعلق کے اعتبار سے ہوتا ہے......کرامت کا اتصاف اور تعلق اس ذات سے ہوتا ہے جو صاحب ایمان، متقی پرہیز گار ہو......اور استدراج کا تعلق گمراہ، فاسق وفاجر یا کافر ومشرک سے ہوتا ہے......عوام الناس دونوں کو خلاف عادت سمجھ کر ایک ہی درجہ دے دیتے ہیں ......جسکی بناء پر وہ اصل ولیوں اور ملنگوں، جوگیوں اور خلاف شرع لوگوں میں فرق نہیں کر پاتے......حالانکہ خلاف شرع لوگوں سے ولایت اور کرامت اسقدر دور ہے جس قدر زمین سے آسمان دور ہے......حقیقت یہ ہے کہ خلاف شرع افراد اور غیر مسلمان لوگ شیطانی قوتوں، جادو ٹونہ اور جنات وموکلات کی مدد سے ایسے خلاف عادت کام کر گزرتے ہیں کہ جنہیں عام لوگ دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں اور حقیقت حال سے ناواقفی کی بناء پر ان کے گیت

گانے لگتے ہیں اور انہیں ''پہنچی سرکار'' شمار کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ سب جنتر منتر کا کیا دھرا ہوتا ہے...... کرامت یا ولایت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں...... جس طرح ایک نجیب الطرفین (ماں اور باپ دونوں کی طرف سے پاک اور صاف اور قوانین شرعیہ کے مطابق جنم پانے والا بچہ) اور ولدالزنا میں زمین و آسمان کا فرق ہے...... بظاہر وہ دونوں بچے ہیں، شکل و صورت یکساں، اعضاء جسمانی بھی برابر برابر ہیں، بادیء النظر میں دونوں ہی ایک طرح کی حرکت و عمل اور جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ سلسلہء توالد میں بھی کوئی فرق نہیں، مدت حمل بھی کم و بیش نہیں...... لیکن کیا وجہ ہے کہ ایک کی ولادت پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے اور دوسرے کی ولادت پر نفرت و ملامت کی جاتی ہے...... یہ محض اس لئے ہے کہ ایک بچہ شرع کے موافق حرکت و عمل کا ثمرہ ہے اور دوسرا خلاف شرع اور مذموم جدوجہد کا نتیجہ ہے...... اسی طرح جو خوارق عادت امور ایمان، تقویٰ، پرہیزگاری، اتباع سنت اور اعمال صالحہ کا نتیجہ ہوں وہ ''کرامات'' کہلاتے ہیں اور جو امور کفر و شرک، فسق و فجور اور خلاف شرع معاملات کے نتیجے میں ہوں وہ ''استدراج'' اور ''شیطانی تصرفات'' کہلاتے ہیں...... بندۂ مومن کو ان امور سے کسی لحاظ سے مرعوب اور خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔

کرامت اور ولی کی پہچان

مندرجہ بالا گفتگو سے واضح ہو گیا کہ ولی کی پہچان کرامت سے نہیں ہوتی بلکہ کرامت کی پہچان ولی سے ہوتی ہے...... ولی کی پہچان قرآن مجید میں اس طرح کرائی گئی ہے...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین امنوا وکانوا یتقون جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) متقی رہے۔ (یونس ۶۳)

لہذا جو خلاف عادت امر ایسے متقی، پرہیزگار، پابند صوم و صلوٰۃ شخص سے

سرزد ہوا سے کرامت کہیں گے......ورنہ استدراج ہوگا۔

کرامت کی شرعی حیثیت

شرعی لحاظ سے ولی وہی شخص ہوتا ہے جو کامل مسلمان، خلوت وجلوت میں اللہ کا عبادت گزار، خوف الٰہی اور سنت نبوی کا پیکر اور ہر قسم کے گناہوں کی آلودگی سے اس کا دامن پاک ہو......ولی کیلئے یہ شرط ہرگز نہیں ہے کہ اس سے کرامت کا بھی ظہور ہو......قرآن وحدیث اوراقوال صالحین میں یہ شرط کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ جبکہ اس کے برعکس اکابرین کا یہ مقولہ موجود ہے

⊙ ...... **الاستقامة فوق الكرامة**

دین اسلام پر ثابت قدم رہنا کرامت سے بھی اوپر ہے

⊙ ...... ایک مقولہ یہ ہے

الاستقامة خير من الف كرامة (مرقات ۱۰/ ۸۸)

دین پر مضبوطی سے کاربند رہنا ہزار کرامت سے بہتر ہے

خدا جانے کہ بعض متدین قسم کے لوگوں کے ذہنوں میں بھی یہ بات کس نے بھردی ہے کہ بیعت اس کی کرنی چاہیے، جس سے کوئی کرامت نظر آئے...... یہ عجیب ترین بات ہے کہ ایک طرف صاحب ورع، پابند شریعت، تقوی وطہارت کا پیکر ہوا سے نظر انداز کردیا جاتا ہے......جس کا درجہ صاحب کرامت سے بڑھ کر ہے......اور بیعت کیلئے ایسے آدمی کی تلاش کی جاتی ہے جس سے کوئی خلاف عادت کام سرانجام ہو......خواہ اسے نماز، روزہ اور اسلام کے بنیادی امور اور ضروری مسائل سے بھی آشنائی نہ ہو...... **فواسفا!**۔

کرامات ارکان ولایت میں سے نہیں

سراج العارفین، شارح مکتوبات امام ربانی حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابوعمر دمشقی قدس سرہ کا قول ہے کہ انبیاء پر معجزات کا اظہار فرض ہے لیکن اولیاء پر کرامات کا اخفاء لازم ہے۔ حضرت امام ربانی کا ارشاد ہے کہ خوارق کوئی ارکان ولایت میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی شرائط میں سے ہیں، بخلاف معجزۂ پیغمبر کے کہ وہ مقام دعوت کی شرائط میں سے ہے لیکن اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے تاہم کرامتوں کا کثرت ظہور افضلیت کیلئے کوئی دلیل نہیں۔ افضلیت تو قرب الٰہی کے درجات سے وابستہ ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ ولی اقرب سے کرامتیں بہت کم ظہور میں آئیں اور ولی ابعد سے زیادہ ظاہر ہوں، بہت سی کرامات جو اس امت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئی ہیں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا عشر عشیر بھی ظاہر نہیں ہوا حالانکہ اولیاء میں سے سب سے افضل جو ہیں وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے درجے کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ (البینات شرح مکتوبات ۱/۳۱۰)

⊙ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ولایت کیلئے ضروری نہیں کہ اظہار کرامت بھی ہو، ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہوسکتا ہے اصل کرامت تو یہ ہے کہ دین پر استقامت دکھائی جائے۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ یعنی استقامت کا درجہ کرامت سے زیادہ ہے۔

(تکمیل الایمان مترجم معہ حواشی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ۱۸۳)

کرامات کی تین اقسام

کرامت کی تین قسمیں ہیں:

⊙ ...... پہلی قسم وہ ہے جس میں ولی کے کسب، ارادہ اور اختیار کے بغیر اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر کوئی خلاف عادت فعل ظاہر فرمادے...... جیسے حضرت مریم کیلئے بند کمرے میں بے موسمی پھلوں کا آنا...... اور حضرت صدیق اکبر کیلئے کھانے کا بڑھ جانا۔

⊙ ...... دوسری قسم وہ ہے جس میں ولی کی دعا سے اللہ تعالیٰ اس کیلئے کوئی خلاف عادت فعل کا ظہور فرمادے۔

⊙ ...... تیسری قسم وہ ہے جس میں ولی کے کسب، قصد اور ارادہ کو دخل ہوتا ہے، اس کے ارادے پر اللہ تعالیٰ کوئی خرق عادت فعل ظاہر فرما دیتا ہے۔ جیسے حضرت آصف بن برخیا کے ارادے پر تخت بلقیس کا حضرت سلیمان کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا۔

کرامت کے اختیاری ہونے پر دلائل

پہلی دونوں قسموں پر (سوائے معتزلہ کے) جملہ مکاتب فکر کا اتفاق ہے......

جبکہ تیسری قسم پر بعض فرقوں کی طرف سے عدم اتفاق کا اظہار کیا جاتا ہے بنا بریں کرامت کے اختیاری ہونے پر چند دلائل پیش خدمت ہیں۔

⊙ ...... علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

والكرامة ظهور امر خارق اللعادة من قبله بلادعوىٰ النبوة وهي جائزة ولوبقصد الولي من جنس المعجزات لشمول قدرة الله تعالىٰ وواقعة كقصة مريم وآصف واصحاب الكهف وماتواتر جنسه من الصحابة والتابعين وكثير من الصالحين وخالفت المعتزلة

(مقاصد علی مش شرح المقاصد ۲/۲۰۳)

کرامت (دعویٰ نبوت کے بغیر) خلاف عادت امر کے ظہور کو کہتے ہیں اور یہ جائز ہے۔ اگر چہ یہ ولی کے ارادے سے ہو، اور یہ معجزات کی جنس سے ہوتی ہے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان سب کو شامل ہے اور یہ واقع ہے جیسے حضرت مریم، آصف بن برخیا، اور اصحاب کہف کا قصہ اور جنس اس کے واقعات جو صحابہ، تابعین اور صالحین امت سے بکثرت صادر ہوتے ہیں۔ معتزلہ فرقہ اس کا مخالف ہے۔

⊙ ...... امام نووی مسلم شریف کی (بنی اسرائیل کے تین بچوں کے کلام کرنے والی) ایک حدیث پاک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ومنها اثبات كرامات الاولياء وهو مذهب اهل السنة خلافاً للمعتزلة، وفيه ان كرامات الاولياء قدتقع باختيار هم وطلبهم هذاهو الصحيح عند اصحابنا المتكلمين ومنهم من قال لاتقع باختيار هم وطلبهم، وفيه ان الكرامات قدتكون بخوارق العادات علىٰ جميع انواعها ومنعه بعضهم وادعىٰ انها تختص بمثل اجابة دعاء ونحوه وهذا غلط من قائله وانكار للحس بل الصواب جريانها بقلب الاعيان واحضار الشئی من العدم ونحوه (شرح نووی علی مسلم ۲/۳۱۴)

اور اس حدیث کے فوائد میں سے اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے بخلاف معتزلہ کے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ بعض اولیاء اللہ کی کرامات ان کے اختیار اور ان کی چاہت سے واقع ہوتی ہیں اور یہی بات ہمارے متکلمین کے نزدیک صحیح ہے، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ کرامات اولیاء کے اختیار اور خواہش سے واقع نہیں ہوتیں، اس میں یہ اعتراض ہے کہ کرامات خلاف عادت افعال کی تمام اقسام پر واقع ہوتی ہیں (یعنی تینوں قسموں پر کرامات کا ظہور ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کرامت دعا کی قبولیت اور اسکی مثل کے ساتھ خاص ہے (جبکہ) ان لوگوں کا یہ قول بالکل غلط ہے...... اور مشاہدہ کا انکار ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حقائق میں انقلاب اور کسی شئے کو عدم

سے وجود میں لانے اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ساتھ کرامت کا تعلق ہوتا ہے۔

⊙ ...... قاضی عیاض مالکی حدیث جریج (جس میں ان کی توجہ سے بچہ بولنے لگا) نقل کر کے لکھتے ہیں:

فیہ ان الکرامات تاتی باختیار الاولیاء وطلبھم لھا، خلاف مقالۃ من قال انھا تکون علی غیر الاختیار (اکمال المعلم بفوائد المسلم ۱۲/۸ مطبوعہ دارالوفاء)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی طلب اور ان کے اختیار سے کرامت واقع ہوتی ہے۔ برخلاف اس آدمی کے جو کہتا ہے کہ کرامات غیر اختیاری ہوتی ہیں۔

⊙ ...... حافظ ابن حجر نے بھی اس حدیث کے تحت اسی بات کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

وفیہ اثبات کرامات الاولیاء ووقوع الکرامۃ لھم باختیارھم وطلبھم (فتح الباری ۶/۴۷۴)

یعنی اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ کرامات اولیاء کے اختیار اور ان کی چاہت سے صادر ہوتی ہیں۔

⊙ ...... امام بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

ان کرامۃ الولی قد تقع باختیارہ وطلبہ ھو الصحیح عند جماعۃ المتکلمین (عمدۃ القاری ۷/۲۸۳)

ولی کی کرامت بعض اوقات اس کی طلب اور خواہش سے واقع ہوتی ہے اور یہ بات متکلمین کے نزدیک صحیح ہے

⊙ ...... شارح بخاری علامہ احمد قسطلانی نے بھی اسکی تائید کرتے لکھا ہے۔

وفی ھذا اثبات کرامات الاولیاء ووقوع ذلک لھم

باختيارهم وطلبهم (ارشاد الساری ۵/۴۱۳)

اس میں اولیاء کے اختیار اور ان کی طلب سے کرامات کے ظہور کا اثبات ہوتا ہے۔

⊙ ...... امام شعرانی لکھتے ہیں:

فالكامل من قدر على الكرامة (الیواقیت والجواہر ۲/۱۰۵)

پس کامل وہ شخص ہے جو کرامت پر قادر ہو۔

یعنی گو اس سے کرامت کا ظہور نہ ہو لیکن وہ اس درجے پر فائز ہو کہ اگر چاہے تو کرامت کا اظہار کر سکے۔

⊙ ...... علامہ ابن حجر ہیتمی مکی لکھتے ہیں:

ثم مجوزو الكرامة تحربوا احزاباً فمنهم من شرط الاختيار هاالولی وبهذا فرقوا بينها وبين المعجزة وهذا غير صحيح (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۵۹)

پھر جو حضرات کرامت کے جواز کے قائل ہیں ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ تاکہ معجزہ اور کرامت میں فرق کر سکیں، لیکن یہ فرق صحیح نہیں ہے...... (جس طرح معجزہ نبی کے اختیار میں بھی ہوتا ہے ایسے ہی کرامت بھی ولی کے اختیار سے بھی واقع ہوتی ہے)

⊙ ...... حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بعض کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ولی کی کرامت اس کے ارادہ واختیار سے باہر ہوتی ہے، لیکن یہ بات ضروری نہیں کہ ولایت وکرامت کا دعویٰ کرنا غیر ضروری ہے، حقیقت یہ ہے کہ نبی سے جو چیز بطور معجزہ ظاہر ہوتی ہے وہ ولی اللہ سے بطریق کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اختیار یا عدم اختیار کی قید و تخصیص ضروری نہیں۔ بعض کرامات اختیاری اور بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ (تکمیل الایمان ص ۱۸۳ مترجم)

مخالفین کی صراحت

دیوبندی حضرات کے قطب الارشاد مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

مردہ زندہ کرنا خود فرق عادت وکرامت ہے، حق تعالیٰ ہی کرتا ہے، مگر بظاہر کسی ولی، نبی کا ذریعہ ہو جاتا ہے، لہذا کرامت ومعجزہ کہلاتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ا/۱۲، ۲۱)

معلوم ہوا کہ حقیقی فاعل اللہ ہے لیکن اس کا ظاہری سبب کوئی نبی یا ولی ہے، ان کا کسب ہو تو کرامت ومعجزہ کا اظہار ہو سکتا ہے۔

دیوبندی مسلک کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں بیان کیا ہے کہ کرامتوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔

مردوں کا زندہ کرنا

اور دلیل میں ابو عبید یسری کا قصہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک جنگ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ ان کی سواری کو زندہ فرما دیں اور حق تعالیٰ نے (اس کو ان کی دعا سے) زندہ فرمایا تھا۔

اور مفرج دمامینی کا قصہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھنے ہوئے پرندوں کے بچوں کو فرمایا تھا کہ اڑ جاؤ تو وہ اڑ گئے تھے۔ اور شیخ اہدل کا قصہ لکھا ہے کہ انہوں نے مری ہوئی بلی کو آواز دی تو وہ ان کے پاس آ گئی اور شیخ عبدالقادر کی حکایت لکھی ہے کہ آپ نے گوشت کھا لینے کے بعد مرغ کی ہڈیوں کو فرمایا کہ اس خدا کی اجازت سے اٹھ کھڑی ہو جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ فرماتے ہیں تو مرغ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

مردوں سے بات چیت کرنا

اور یہ قسم تو پہلی قسم سے بھی زیادہ واقع ہوئی ہے اسی قسم کا ایک واقعہ ابوسعید فراز سے اور پھر شیخ عبدالقادر اور ایک جماعت سے روایت ہے جن میں آخری بزرگ علامہ تاج الدین سبکی کے والد ماجد حضرت شیخ امام تقی الدین سبکی ہیں (کرامت کے سلسلہ میں کسی بزرگ کو آخری قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے کیونکہ درجہء ولایت پر تا قیامت لوگ فائز ہوتے رہیں گے، ساقی)

دریا کا شق ہوجانا اور اس کا خشک ہوجانا یا پانی کے اوپر اوپر کو چلا جانا

یہ تینوں قسمیں بہت واقع ہوئی ہیں۔ایک ایسا ہی واقعہ شیخ الاسلام سید المتأخرین تقی الدین دقیق العید کے یہاں بھی ہوا ہے۔

قلب ماہیت

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ عیسٰی العتار یمنی کے پاس کسی شخص نے مزاح میں دو برتن شراب سے بھرے ہوئے بھیج دیئے تھے۔آپ نے ایک کو دوسرے میں الٹ دیا اور فرمایا کہ بسم اللہ کر کے کھاؤ۔لوگوں نے کھایا تو وہ ایسا عمدہ گھی تھا کہ اس کی سی رنگت اور خوشبو کہیں دیکھی نہیں گئی۔اور ایسے واقعات بہت منقول ہیں۔

اولیاء اللہ کے واسطے زمین کا سمٹ جانا

بیان کیا گیا ہے کہ ایک ولی طرسوس کی جامع مسجد میں تھے آپ کو حرم شریف کی زیارت کا اشتیاق ہوا تو آپ نے سر جھکا لیا پھر سر اٹھایا تو آپ حرم شریف کے اندر تھے اور اس قسم کے واقعات کا مشترک مضمون تواتر (تواتر یہ ہے کہ جس کے روایت

کرنے والے اس قدر ہوں کہ عقل ان کے جھوٹا ہونے کو محال قرار دے) کی حد کو پہنچا ہوا ہے اس لئے اب اس کا انکار سوائے ضدی شخص کے اور کون کرسکتا ہے۔

جمادات اور حیوانات کا کلام کرنا

خود اس کرامت کے ہونے میں اور پھر اس کے بکثرت واقع ہونے میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے، حضرت ابراہیم بن ادہم کا واقعہ انار کے درخت کا۔ آپ کو اپنا پھل کھانے کیلئے پکارنا منقول ہی ہے آپ نے انار کھایا تو وہ درخت چھوٹا سا تھا بڑا ہو گیا، کھٹا تھا میٹھا ہو گیا اور ایک سال میں دو بار پھل لانے لگا۔

بیماریوں سے تندرست کردینا

جیسا کہ حضرت سری (حضرت جنید کے پیر) سے ایک بزرگ کے قصہ میں روایت ہے جوان سے ایک پہاڑ پر ملے تھے کہ وہ اپاہج اور اندھوں اور دوسرے بیماروں کو تندرست کردیا کرتے تھے اور جیسے کہ شیخ عبدالقادر سے روایت ہے کہ ایک مجبور محض فالج زدہ اندھے کوڑھی بچے کو فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کی اجازت سے کھڑا ہو جا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کا کوئی مرض بھی باقی نہ رہا (یا حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک عقیدت مند کو اپنی قمیص مبارک بھیج کر شفایاب کردیا وغیرہ۔ ساقی)

حیوانات کا فرمانبردار ہو جانا

جیسے کہ ابوسعب بن ابی الخیر المھینی کے ساتھ ایک شیر کا قصہ ہے اور ان کے قبل ابراہیم خواص کا واقعہ بھی ہوا ہے بلکہ جمادات بھی فرمانبردار ہو جاتے ہیں جیسے کہ سلطان العلماء شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کے قصہ میں ہے اور انہی سے واقعہ فرنگ میں یہ قول مروی ہے کہ "اے ہوا ان لوگوں پر گرفت کر"

وقت کا سمٹ جانا، وقت کا وسیع ہو جانا

ان دونوں کرامتوں کی تقریریں عوام کی عقلوں کیلئے دشوار ہے مگر اہل لوگوں کیلئے اس کا تسلیم کرنا ہی اسلام میں مستحسن ہے اور اس باب میں روایت بکثرت ہیں۔

مقبولیت دعا

اور یہ تو بہت ہی زیادہ ہے ہم نے خود بھی ایک جماعت سے اسکا مشاہدہ کیا ہے۔

زبان کا گفتگو میں رکنا یا بہت زیادہ چلنا

کسی ایسی مجلس میں دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینا جس میں ان سے انتہائی نفرت ہو۔

بعض غیب اور کشف کی باتوں کا خبر دینا اور اس کے درجات اسقدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔

ایک عرصہ دراز تک نہ کھانے پینے پر صبر کرسکنا۔

تصرف

یہ تو جماعت اولیاء سے بہت منقول ہے...... بیان کیا جاتا ہے کہ بارش ایک بزرگ کے پیچھے پیچھے چلا کرتی تھی اور متاخرین میں ایک بزرگ شیخ ابوالعباس شاطر ہوئے ہیں وہ بارش کو کچھ درہموں کے بدلے فروخت کیا کرتے تھے اور ان سے اس بات میں اس قدر واقعات روایت ہیں کہ عقل کو انکار گنجائش ہی نہیں رہتی۔

بہت سی غذا کھا لینے پر قدرت ہونا...... حرام کھانے سے محفوظ ہونا

جیسے کہ حارث محاسبی سے روایت کہ حرام کھانے میں ان کی ناک میں

کچھ بو آ جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ اسکو نہ کھاتے تھے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی کوئی رگ جنبش کرنے لگتی تھی ایسا ہی واقعہ شیخ ابو العباس مرسی سے بھی نقل ہے۔

دور کے مقام کو باوجود حجابات کے دیکھ لینا

جیسا کہ نقل ہے کہ شیخ ابو اسحاق شہرازی نے کعبہ مکرمہ کو بغداد میں سے دیکھ لیا۔

ہلیبث

جو شخص بزرگوں میں ہوتی ہے کہ صرف دیکھنے ہی میں ایمان مرجاتا ہے جیسے کہ بایزید بسطامی کے ایک مرید میں تھی یا یہ کہ ان کے سامنے دنگ رہ جائے یا ایسی بات کا اقرار کرے جس کے متعلق غالب گمان یہ تھا کہ اس نے ان سے چھپایا اور ان کے علاوہ اس کی اور بھی صورتیں ہیں، غرضیکہ یہ قسم بہت ہوتی ہے۔

ان کے ساتھ جو شخص برائی کے ساتھ پیش آئے اللہ تعالیٰ اس کی بدی پر ان کی طرف سے کفایت فرمانا اور اس بدی کا بھلائی سے بدل جانا جیسے کہ امام شافعی کو ہارون رشید کے ساتھ پیش آیا تھا۔

مختلف صورتوں میں ہو جانا

اور یہی وہ ہے جس کا نام صوفیہ حضرات عالم مثال رکھتے ہیں اور یہ حضرات عالم اجسام و عالم ارواح کے درمیان ایک درمیانی عالم اور ثابت کرتے ہیں جس کا نام انہوں نے عالم مثال رکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ وہ عالم عالم اجسام سے زیادہ لطیف اور عالم ارواح سے زیادہ واضح ہے اور اسی پر روح کے جسمانی شکل اختیار کرنے اور اس کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی بنا قائم کی ہے اور اس کو حق تعالیٰ کے اس

ارشاد سے استنباط کیا ہے فتمثل لھا بشرا سویا (ان کے واسطے جرائیل ایک معتدل انسان بن گئے) وہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے جو قضیب البان موصلی سے منقول ہے، یہ حضرات ابدال میں سے تھے، کسی شخص نے جب ان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا، تو نماز نہ پڑھنے کی تہمت لگائی تھی، اور سختی سے اعتراض کیا تھا آپ فوراً اس کے سامنے مختلف صورتوں میں منتقل ہوئے اور پوچھا تم نے کونسی صورت میں مجھے نماز پڑھتے نہیں دیکھا، کرامتوں کی اس قسم میں بزرگوں کے بہت واقعات ہیں متاخرین میں بعض کیلئے جو واقع ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک بوڑھے درویش کو قاہرہ کے مدرسہ سلوفیہ میں ترتیب کے خلاف وضو کرتے دیکھا تو پوچھا کہ حضرت آپ ترتیب کے خلاف وضو کرتے ہیں، فرمایا میں نے تو ترتیب کے موافق ہی وضو کیا ہے مگر تم دیکھتے ہی نہیں، اگر دیکھ سکتے ہوئے تو ایسے دیکھتے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کعبہ مکرمہ دکھا دیا پھر اسے مکہ معظمہ لے گئے اور اس شخص نے خود کو مکہ معظمہ میں پایا اور کئی سال وہیں رہے، حکایت لمبی ہے جس کا بیان طویل ہو جائے گا۔

⊙ ...... علاوہ ازیں تھانوی صاحب نے درج عنوانات پر بھی کرامات لکھی ہیں:

حق تعالیٰ کا ولیوں کو زمین کے خزانوں پر مطلع کرنا، بہت سے علماء کیلئے تھوڑے سے زمانہ میں بہت بہت تصانیف کا آسانی سے ہو جانا، زہریلی اور طرح طرح کی ہلاک کرنے والی اشیاء کا اثر نہ کرنا۔ (جمال الاولیاء ص ۲۲ تا ۲۷)

ان نقل کردہ اقسام میں کرامات کے اختیاری ہونے پر نمایاں دلائل موجود ہیں

⊙ ...... غیر مقلدین کے بزرگ عبدالمجید خادم سوہدروی لکھتے ہیں:

صوفیاء اور اہل اللہ نے کہا ہے کہ اگر تمہیں کوئی آگ پر چلتا اور ہوا میں اڑتا ہوا دکھائی دے، تو اسے ولی نہ سمجھو، جب تک کہ اسے متبع کتاب وسنت نہ پاؤ۔

(کرامات اہلحدیث ص ۴)

یعنی اگر کوئی متبع سنت یہ کام سرانجام دے تو اسے ولی سمجھو......اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی ولی آگ پر چلتا ہے اور ھوا میں اڑتا ہے تو اس عمل میں اسکا اپنا ارادہ اور اختیار بھی شامل ہوگا۔

⊙ ...... سوہدروی صاحب نے مذکورہ صفحہ پر ہی......دور دراز کی باتیں بتلانا، دوسروں کے مافی الضمیر سے آگاہ ہوجانا، ہوا میں اڑنا ان تمام اعمال کو''استدراج''میں شمار کیا ہے......اور آگے لکھا ہے کہ''جو خوارق عادت کافر یا فاسق و فاجر آدمی سے سرزد ہوں انہیں''استدراج''اور اگر وہی اعمال کسی ولی سے ظہور پائیں تو کرامت کہلاتے ہیں''

تو معلوم ہوا مصنف مذکور کے نزدیک مذکورہ اعمال ولی سے بطور کرامت ظاہر ہو سکتے ہیں......اور اس میں ولی کی خواہش، کسب اور اختیار کا ہونا لازمی امر ہے۔

⊙ ...... علاوہ ازیں سوہدروی صاحب کے حوالہ سے باب التصرف میں متعدد واقعات گزر چکے ہیں جن میں وھابی بزرگوں کے دلوں پر تصرفات، دلی خیالات پر اطلاعات، تھوڑی سی قوت سے گڈا سیدھا کرنا، مراقبہ کر کے عقیدت مند کی چھٹی ضبط کر لینا، مریض کیلئے پلاؤ کی تاثیر بدل دینا جیسے واقعات پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے......

ظاہر ہے مذکورہ واقعات بغیر کسب و ارادہ کے معرض وجود میں نہیں آ سکتے۔

دہلوی صاحب کی توہین رسالت وتاجدار ولایت

مولوی اسماعیل دہلوی دیوبندی اور غیر مقلدین کی وہ مایہ ناز شخصیت اور متفقہ بزرگ ہیں کہ جن کا نام ان حضرات کے سامنے لے دیا جائے تو گردنیں جھک جاتی ہیں اور انکی عظمتیں بیان کرتے زبانیں خشک نہیں ہوتیں، گو دہلوی صاحب کا فتویٰ ہے کہ کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو جو بشر کی سی تعریف ہو سو وہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔ (تقویۃ الایمان ص ۹۶ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

یعنی اور بزرگوں کی تعریف اور شان بیان کرنے کی باری آئے تو انہیں بشر اور انسانوں جیسی تعریف اور شان کے لائق بھی نہیں سمجھا جاتا۔ بشر جیسی تعریف بھی نہ کرو بلکہ اس سے بھی اختصار اور کمی کرو۔ کیونکہ بزرگوں کی تعریف کرنے سے وھابی مذہب لرزاں براندام ہو جاتا اور اسے زمین بوس ہونے کا خطرہ لاحق ہے...... لیکن جب اپنے مولویوں کی باری آئے تو کوئی حد اور کوئی پابندی نہیں، جو جی میں آوَ کہتے رہو، کھلی چھٹی ہے دہلوی صاحب اور دیگر وھابی مولویوں کے حالات زندگی پر لکھی گئی کتابیں ہمارے دعوے کا منہ بولتا ثبوت ہیں...... بہر حال عام گفتگو میں بھی دہلوی صاحب کو کب کسی عام اور بشر سے کم درجہ میں سمجھا جاتا ہے...... ان کے حواری انہیں ولی کامل، مجاہد اسلام اور شہید اسلام کہتے نہیں شرماتے...... حالانکہ یہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سنی وھابی اختلافات کا بیج بویا، انتشار و افتراق کی آگ بھڑکائی، جس کے شعلے آج بھی ملک ء کے امن وسکون کو اپنی لپیٹ میں لیئے ہوئے ہیں

(اس بات کا دہلوی صاحب کو خود بھی اعتراف تھا ملاحظہ ہو! ارواح ثلاثہ ص ۸۲ حکایت نمبر ۶۹)

⊙ ...... ان کی توہین آمیز ایک عبارت ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان ص ۸۹)

یعنی دہلوی صاحب نے اپنے چاہنے سے تقویۃ الایمان بھی لکھ ڈالی صراط مستقیم اور دیگر کتب بھی لکھ ماریں، ہندوستان میں جہاد بھی کرلیا (گو مسلمانوں کے خلاف ہی سہی) جس کام کو چاہتے کر گزرے، جس آدمی کو چاہتے بیعت کر لیتے...... لیکن صرف ایک رسول کی ذات ہے جن کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، حالانکہ وہ چاہیں تو بیت اللہ قبلہ بن جائے، ڈوبا سورج واپس آجائے، چاند دو ٹکڑے ہو جائے...... خدا جن کی چاہت کو پورا کرنے کا وعدہ قرآن میں فرمائے۔ اعلحضرت نے ارشاد فرمایا تھا:

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

⊙ ...... دہلوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان ص ۶۸)

دیکھ رہے ہیں آپ؟ کس بیگانگی اور عامیانہ انداز میں سرکار دو عالم ﷺ اور تاجدار ولایت رضی اللہ عنہ کا ذکر کر رہے ہیں...... کیا جس آدمی سے تھوڑا سا بھی تعلق، پیار، انس اور محبت کا تعلق ہو اسے اس مغائرانہ اور غیر متعلقانہ انداز میں یاد کیا جاسکتا ہے...... حضور اکرم ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ نہ "حضرت" لکھا اور نہ ﷺ۔ یونہی مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پاک کے ساتھ نہ "حضرت" اور نہ "رضی اللہ عنہ" لکھا...... ظاہر ہے کہ ان حضرات پاک سے ان کا کوئی، ایمانی، اسلامی یا دینی تعلق اور واسطہ ہو تو ادب و احترام بجالائیں...... ان کے لئے اپنے وہابی بزرگ اور نجدی مولوی ادب و احترام کیلئے کیا تھوڑے ہیں، کیا رسول پاک ﷺ اور تاجدار ولایت ہی رہ گئے ہیں وہابیوں کے ادب کیلئے...... دہلوی صاحب اپنے پیر و مرشد مولوی سید احمد کا نام لیتے تو لکھتے ہیں، "حضرت سید صاحب" کیونکہ وہ پیر جو ہوئے، حضور پاک ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیا رشتہ؟...... ہاں جب اپنے پیر کی عظمت بتلانا بلکہ گھڑنا مقصود ہو تو پھر حضور سرکار دو عالم ﷺ سے انہیں چھوہارے بھی کھلائیں گے اور حضرت مولائے کائنات سے غسل بھی دلائیں گے، اور حضرت شاہ نقشبند بخاری علیہ الرحمۃ اور حضور غوث پاک علیہ الرحمۃ کی روحوں کی آپس میں لڑائی بھی کرائیں گے کہ سید احمد کی تربیت پہلے کون کرے گی...... ظاہر ہے انہیں سید احمد کے علاوہ چھوہارے کھلانے، غسل دینے اور تربیت کرنے کیلئے کوئی اور ملا جو نہ تھا...... کیا کرتے مجبور تھے، بالآخر اسی کی تربیت کرنا پڑی...... لیکن

دیوبندی اور غیر مقلد حضرات آج تک نہیں بتا سکے کہ انہیں سید احمد نے مجبور کیا تھا یا وہ خود مجبور ہوئے تھے انہیں اس چیز کی فکر دامن گیر تھی اگر اس کی تربیت نہ کی تو شاید ہمارے مقام و منصب میں کہیں فرق نہ آ جائے۔ اور یہ بھی بتلایا جائے کہ جب رسول پاک ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی اختیار ہی نہیں تھا، تو مولوی سید احمد کو نوازنے کا اختیار کیسے حاصل ہو گیا؟...... کہیں وہ اختیار مولوی اسماعیل دہلوی یا مولوی سید احمد نے تو لے کر نہیں دیا تھا؟.......

جبکہ گزشتہ سطور میں محدثین، متکلمین اور دیوبندی و غیر مقلد اکابرین نے تصریح کی ہے کہ ولی اپنے اختیار اور ارادے سے بھی کرامت کا اظہار کر سکتا ہے...... لیکن دہلوی صاحب کہتے ہیں "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا"..... اور ادھر اس کے برعکس حضور اکرم کے ہاتھوں اپنے بزرگ کو چھوہارے کھلاتے ہیں بتلایا جائے کہ مذکورہ امور میں سے کونسا موقف شرک، بدعت اور کفر ہے اور کونسا نظریہ توحید، سنت اور اسلام ہے؟ ورنہ ہمارا الزام قبول کیا جائے کہ دیوبندی اور غیر مقلدین کا مسلک تضادات کا مجموعہ ہے۔

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پرکھ کے دیکھ
فکر چمن ہے مجھے غم آشیاں نہیں

گکھڑوی صاحب کی علم و بصیرت سے محرومی

مولوی سرفراز گکھڑوی صاحب بھی دیوبندی مسلک میں کوئی کم اہمیت کے حامل نہیں، دیوبندی جماعت انہیں امام اہلسنت، محدث اعظم پاکستان اور نجانے کیا کچھ القابات سے نوازتی ہیں...... جیسا کہ حال ہی میں "ماہنامہ البنوریہ" میں ان کی ذات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ دیوبندی مکتبہ فکر کی علمی، عملی، روحانی عبقریت میں سے نہایت اہم شخصیت ہیں۔ ان کا شمار ان بزرگوں میں ہے جنہیں بطور چیلنج کے پیش کیا جاسکتا ہے کہ یہ ہیں ہمارے بزرگ تمہارے پاس اس جیسی شخصیت ہوتو پیش کرو...... دارالعلوم دیوبند کے روحانی فرزند اپنے اس قائد پر ناز کرتے ہیں...... قحط الرجال کے اس بانجھ دور میں آسمان دنیا کے نیچے ان کے علم کا ہر وہ شخص محتاج ہے جسے دین سے محبت ہے۔ (البحوریہ ص ۴۰ جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۱۸/۱۷ جولائی اگست ۲۰۰۲)

مقام شکر ہے کہ تبصرہ نگار نے "آسمان دنیا کے نیچے" کی قید لگادی، ورنہ اگر وہ زمین وآسمان کی ساری مخلوق کو بھی گکھڑوی صاحب کا محتاج بنادیتے تو دیوبندی مسلک میں انہیں کون پوچھنے والا تھا؟...... مسلمانوں کے بزرگوں (یعنی نبیوں ولیوں) کی شان بیان کرتے وقت تو بشر کی سی شان بیان کرنی چاہیے بلکہ اس میں بھی کمی کرنی چاہیے لیکن دیوبندی بزرگوں کی شان بیان کرتے وقت جب تک زمین وآسمان کے قلابے نہ ملادیئے جائیں ان کی عظمت بیان نہیں ہوسکتی...... سادہ لوح مسلمان اگر کسی انسانی کو نبی ولی کا محتاج مان لیں تو مخالفین کی طرف سے فوراً شرک وکفر کا فتویٰ چسپاں ہوجاتا ہے، اب آسمان دنیا کے نیچے کی ساری مخلوق (جن میں انبیاء ورسل، صحابہ وتابعین ودیگر صالحین بھی موجود ہیں، ان کا استثناء کیئے بغیر تمام حضرات) کو ایک مولوی سرفراز گکھڑوی کے محتاج بنادیا...... اور شاید ابھی تک حضرت تبصرہ نگار کی عقیدت ناقص ہی رہی ہو...... لیکن حرام ہے کہ دیوبندی دھرم کے کسی دارالافتاء سے شرک وکفر، گمراہی وبے دینی یا صرف رجوع کرنے کا فتویٰ ہی صادر ہو۔ خود گکھڑوی صاحب ابھی بقید حیات ہیں ان سے ہی جا کر پوچھ لیں وہ بھی بجائے فتویٰ دینے کے تاویلیں کرنے لگے گیں...... اور مارے خوشی کے باچھیں کھل جائیں گی کہ "دیکھو ساری کائنات کو میرا محتاج بنادیا"۔

بہر حال مخالفین کی اس مایہ ناز شخصیت جنہیں وہ بطور چیلنج کے پیش کر سکتے ہیں نے اتمام البرہان ص ۴۹، ۵۰ پر لکھا ہے کہ:

''معجزہ اور کرامت میں باوجود اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق سے صادر ہوتے ہیں نبی اور ولی کا اختیار نہیں ہوتا بخلاف امور عادیہ کے، ان میں بندہ کا اختیار ہوتا ہے بالفاظ دیگر معجزہ اور کرامت میں کسب بھی نہیں ہوتا...... افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق اور کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بداہتہً باطل ہے خالص جہالت اور علم وبصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی ہے''۔

گزشتہ سطور میں محدثین، متکلمین اور خود مخالفین کے اکابر نے صراحت کی ہے کہ کرامت ولی کے کسب، ارادے اور اختیار سے بھی صادر ہوتی ہے اس کی مثالیں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے پیش کی ہیں..... اور امام نوری نے تو اسی کو اہلسنت کا مسلک قرار دے کر اس کے مخالف بات کو غلط اور مشاہدہ کے خلاف قرار دیا ہے......

اور تھانوی صاحب کے ترجمہ میں یہ الفاظ بھی گزرے ہیں کہ اب اسکا انکار سوائے ضدی شخص کے اور کون کرسکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ گکھڑوی صاحب کا ضد میں آ کر کرامت کی مذکورہ قسم کا انکار کر کے مشاہدہ کا انکار کرنا اور مسلک اہلسنت کے مقابلے میں آ کھڑا ہونا ان کی بطالت، جہالت اور علم وعقل، فہم وفراست اور بصارت وبصیرت سے محرومی کی واضح ترین نشانی نہیں ہے؟ ایک طرف انہیں صرف اپنے ہی اہلسنت ہونے کا گمان فاسد ہے، کسی دوسرے کو کسی طور بھی یہ لفظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے، تو دوسری طرف مسلک اہلسنت کی مخالفت کر کے وہ خود ہی مسلک اہلسنت سے خارج ہو رہے ہیں...... سچ ہے۔

؎ حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

کرامات موت سے منقطع نہیں ہوتیں

یاد رہے کہ کرامات اولیاء موت سے منقطع نہیں ہوتیں بلکہ قبر میں بھی جاری رہتی ہیں موت ان کی ولایت کو ختم نہیں کرتی ، وہ بعد از وصال بھی ولایت سے موصوف ہوتے ہیں اور کرامت ولایت کے ثمرات و متعلقات ہیں...... جب موصوف زندہ ہے تو اس کی صفات بھی قائم رہیں گی......

⊙ ...... حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

اولیاء اللہ لایموتون بل ینتقلون من دار الیٰ دار (مرقات ۲۴۱/۳)

اللہ کے ولی (حقیقی موت) نہیں مرتے بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کیطرف منتقل ہوتے ہیں۔

⊙ ...... حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے اسے حدیث مرفوع قرار دیا ہے۔

(تفسیر کبیر ۹۲/۹ زیر آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا)

⊙ ...... حضور غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

الانبیاء والاولیاء یصلون فی قبورھم کما یصلون فی بیوتھم

(سر الاسرار ص ۱۰۴)

انبیاء اور اولیاء اپنی قبروں میں اسی طرح نمازیں پڑھتے ہیں جیسے وہ اپنے گھروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

⊙ ...... علامہ محمد الشوبری الشافعی لکھتے ہیں:

و کرامات الاولیاء لا تنقطع بموتھم (شواہد الحق ص ۱۱۸)

اور اولیاء کی کرامات ان کی موت سے منقطع نہیں ہوتیں۔

⊙ ...... علامہ ابو سعید خادمی قونوی لکھتے ہیں:

لیجوز التوسل الی اللہ تعالیٰ والاستغاثة بالانبیاء والصالحین بعدموتهم لان المعجزة والکرامة لا تنقطع بموتهم وعن الرملی ایضاً بعد انقطاع الکرامة بالموت وعن امام الحرمین (البریقہ شرح الطریقہ ص ۲۷۰)

انبیاء اور اولیاء سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگنا اور انہیں اللہ کی طرف وسیلہ سمجھنا جائز ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت موت سے منقطع نہیں ہوتے۔ امام رملی اور امام الحرمین سے بھی یہی منقول ہے کہ کرامت موت سے ختم نہیں ہوتی۔

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

فان الرسالة لا تنقطع بالموت بل وکذاالولایة وجمیع المکارم الدینیة کیف (عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ، کتاب الجہاد ۲/۳۰۷)

پس بے شک موت کے ساتھ رسالت منقطع نہیں ہوتی اور اسی طرح ولایت اور تمام اوصاف دینیہ ختم نہیں ہوتے تو نبوت کیسے منقطع ہو سکتی ہے؟۔

یعنی جس طرح نبی اور رسول کی وفات اس کی نبوت ورسالت کو ختم نہیں کرتی ایسے ہی اولیاء کی موت ان کی ولایت اور کرامت نہیں مٹا سکتی...... مٹنا تو در کنار وفات کے بعد ان کے تصرف واختیار اور قوت و طاقت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ باب التصرف میں پوری تفصیل سے گزر چکا ہے۔ گویا:

اللہ والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
درحقیقت وہ کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتی ہے

اولیاء کرام سے جو کرامات صادر ہوتی ہے وہ ان کے نبیوں کے معجزے ہوتے ہیں...... کیونکہ ”مقام ولایت“ اور ”درجہ کرامت“ نبی ﷺ کی اطاعت اور

پیروی کے بغیر ناممکن ہے......انبیاء کرام کے فیوض و برکات سے ہی ان کے امتیوں کو یہ بلند مقام حاصل ہوتا ہے......لہذا جو خلاف عادت کام کسی نبی سے صادر ہو تو اسے معجزہ قرار دیں گے اور اگر وہی کام کسی ایسے شخص سے ظاہر ہوا جو متقی، پرہیزگار ہو، جس نے نبوۃ کا دعویٰ نہ کیا ہو تو وہ خلاف عادت کام کرامت کہلائے گا۔نبیوں کے معجزات کا ولیوں سے ہاتھوں پر ظاہر ہونے میں ان کے دین کی صداقت اور ان کی صحت پر دلالت مقصود ہوتی ہے۔

⊙ ...... امام ابو حفص نسفی فرماتے ہیں:

ویکون ذلک معجزة للرسول الذی ظهرت هذه الکرامة لواحد من امة (شرح عقائد ص ۱۴۷)

اور کرامت اس رسول کا معجزہ ہوتی ہے جو اس کی امت (کے کسی ولی) سے ظاہر ہوتی ہے۔

⊙ ...... شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

دراصل یہ خارق عادت امر اس نبی کے معجزے کا عکس ہوتا ہے جس کی امت سے ولی ہو مثلاً نبی کریم ﷺ کے معجزات کئی انواع و اقسام کے ہیں بعض معجزات بعثت سے پہلے وقوع پذیر ہوئے اور انہیں ارہاصات کہتے ہیں اور بعض معجزے بعثت کے بعد حیات طیبہ میں رونما ہوئے جب کہ معجزات ایسے بھی ہیں جو آپ کی رحلت کے بعد تابعین اور اولیاء امت سے ظاہر ہوئے ،دراصل یہ تمام کرامات گویا کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات ہیں جو آپ کے دین کی سچائی اور صحت پر دلالت کرتے ہیں۔(تکمیل الایمان مترجم ص ۱۵۸)

امام نسفی اور حضرت شیخ محقق علیہما الرحمہ کی ان عبارات سے بھی یہ ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ کے کچھ معجزات پوشیدہ رہے ہیں جو اب آپ کی امت کے اولیاء سے

کرامات کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

کراماتِ اولیاء کا تفصیلی بیان

کرامات اولیاء آیات قرآنی ،احادیث نبوی اور صحابہ کرام وتابعین و متاخرین سے تواتر کیساتھ ثابت ہیں......جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا......

سطور ذیل میں ہم کرامات اولیاء کا تفصیلاً بیان کرنا چاہتے ہیں......مثلاً قرآن وحدیث کے واقعات ،بعدازاں صحابہ کرام کی چند کرامات کا ذکر کریں گے......تاکہ یہ تحریر اپنے مضمون کے تمام گوشوں پر حاوی ہو۔اور قارئین کو موضوع سے متعلقہ تمام مسائل سے آگاہی حاصل ہوسکے......وباللہ التوفیق ۔

کراماتِ اولیاء کا ثبوت قرآن مجید سے

بنواسرائیل کی گائے

بنواسرائیل میں عامیل نام کا ایک مالدار شخص رہتا تھا،اس کے اولاد نہ تھی، اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا بعض روایات کے مطابق وہ اس کا بھتیجا تھا...... اس نے اس مالدار آدمی کو قتل کردیا تاکہ اس کے مال پر قبضہ کرسکے......اور اس کی لاش لوگوں کے راستہ میں ڈال دی...... اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جاکر کہنے لگا، میرا رشتہ دار قتل کردیا گیا ہے اور میرے نزدیک آپ کے سوا اور کوئی شخص نہیں جو اس کے قاتل کا نام بتاسکے،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں میں اعلان کیا کہ جس شخص کو بھی اس کے قاتل کا علم ہو وہ ہمارے پاس آکر بیان کرے،جب کوئی شخص نہ آیا تو وہ قاتل پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں،آپ اللہ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتلادے،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے

دعا کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذقال موسیٰ لقومه ان اللّٰه یامرکم ان تذبحوا بقرة قالوا اتتخذنا هزواً قال اعوذ باللّٰه ان اکون من الجاهلین الخ (البقرہ ۶۷ تا ۷۱)

اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا: بے شک اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، انہوں نے کہا کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ نے فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

یعنی بارگاہ خداوندی سے حکم ملا کہ ایک گائے ذبح کریں، بنواسرائیل یہ حکم سن کر بڑے متعجب ہوئے کہ قاتل کا پتہ معلوم کرنے کیلئے گائے کو ذبح کرنے کا کیا مقصد ہے؟ اس لئے وہ کہنے لگے کہ یہ حکم خداوندی نہیں ہے آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں سے ہو جاؤں...... واقعی یہ اللہ کا حکم ہے، انہوں نے کہا کہ پھر آپ اللہ سے یہ معلوم کریں کہ وہ گائے کیسی ہو، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، بلکہ درمیانی عمر کی ہو...... کہنے لگے اپنے رب سے پوچھو کہ اس کا رنگ کیسا ہو، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ شوخ زرد رنگ کی گائے ہو، جو دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو، کہنے لگے اب پوچھو اس کی صفت کیسی ہو، کیونکہ یہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے، اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت پا جائیں گے...... فرمایا: اللہ فرماتا ہے وہ گائے محنت کے کام نہ کرتی ہو، نہ ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو، وہ صحیح سالم اور بے داغ ہو......

بولے اب تو نے پوری بات بتائی ہے...... آخر کار تلاش بسیار کے بعد انہیں مقررہ قیودات وصفات کی حامل گائے مل گئی۔ انہوں نے اسے ذبح کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول کے جسم پر مارو جب مقتول کو گائے کی ہڈی ماری گئی تو وہ زندہ ہو گیا۔ اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر مر گیا۔

وہ گائے کونسی تھی؟

اس گائے کے متعلق زیادہ تر درج ذیل دو روائتیں ملتی ہیں......

پہلی روایت: بنو اسرائیل میں ایک نیک شخص رہتا تھا، اسکا ایک چھوٹا بچہ تھا اور ایک بچھیا۔ ایک روز وہ بچھیا کو جنگل میں لے گیا اور بارگاہ الوہیت میں عرض گزار ہو: **اللھم انی استودعک ھذہ العجلۃ لابنی حتی یکبر......**

اے اللہ! جب تک میرا بیٹا جوان نہیں ہو پاتا یہ بچھیا تیرے سپرد ہے۔ چنانچہ اس کا انتقال ہو گیا، وہ بچھیا جنگل میں چرتی رہی حتی کہ جوان ہو گئی......اس کی عادت یہ تھی کہ جب کسی آدمی کو دیکھتی تو دور بھاگ جاتی...... یہاں تک کہ وہ لڑکا جوان ہو گیا، وہ بڑا نیک اور اپنی والدہ کا خدمت گذار تھا، رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتا، ایک حصہ نماز و عبادت کیلئے دوسرا حصہ آرام کیلئے اور تیسرا حصہ والدہ کی چارپائی کے قریب بیٹھ جاتا...... صبح ہوتی تو لکڑیاں جمع کر کے بیچتا، ان کی آمدنی کو تین حصوں میں بانٹتا......ایک حصہ اللہ کی راہ میں، ایک حصہ ماں کی خدمت کیلئے اور ایک حصہ اپنی ذات کیلئے خرچ کرتا، ایک دن اس کی ماں نے کہا: بیٹا! تیرے باپ نے فلاں جنگل میں تیرے لئے ایک بچھیا چھوڑ رکھی ہے، جاؤ اور حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے معبود کا نام لے کر اسے بلاؤ امید ہے وہ تیرے پاس آ جائے گی، اس کی علامت یہ ہے کہ جب تو دور سے اسے دیکھے گا تو تجھے ایسا محسوس ہوگا کہ اس کے چمڑے سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہوں، اس کی خوبصورتی اور زردی کی وجہ سے اس کا نام مذھبہ (سونے کی ڈلی) بھی ہے، کیونکہ اس کی زردی حسن و خوبصورتی کی ہے نہ کہ عیب کی...... وہ نوجوان جنگل میں آیا تو دیکھا کہ وہ گائے گھاس چر رہی ہے، اس نے کہا کہ میں تجھے ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے معبود کی قسم دیتا ہوں،

میرے پاس آ جاؤ!...... چنانچہ وہ یہ آواز سنتے ہی دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ کر ٹھہر گئی...... نوجوان اس کی گردن پکڑ کر روانہ ہونے لگا، وہ بولی میرے مالک! مجھ پر سوار ہو جا!...... نوجوان بولا: میری ماں نے مجھے سوار ہونے کی اجازت نہیں دی، بلکہ کہا تھا کہ اس کی گردن پکڑ کر گھر لے آؤ! گائے بولی: بنو اسرائیل کے رب کی قسم! اگر تو مجھ پر سوار ہو جاتا تو میں کبھی تیرے قابو میں نہ آتی، اب کے بعد اگر تو پہاڑ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹ جانے کا حکم دیگا تو وہ ہٹ جائے گا، کیونکہ تجھے یہ سب کچھ والدہ کی خدمت گزاری کے صلہ میں مل رہا ہے...... آخر وہ نوجوان گائے کو اپنی والدہ کے پاس لے آیا...... ماں نے کہا بیٹا! تو مفلس ہے اور بہت مشقت اور دکھ برداشت کرتا ہے، رات کو قیام اور دن کو لکڑیاں اکٹھی کر کے بیچتا ہے، جاؤ اس گائے کو بیچ آؤ۔ نوجوان نے پوچھا، کتنے میں بیچوں، ماں نے کہا: صرف تین دینار میں، لیکن پھر بھی مجھ سے مشورہ کر لینا، نوجوان اسے فروخت کرنے کی غرض سے بازار لیے جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بصورت انسانی اس کی آزمائش کیلئے بھیجا، کہ وہ ماں کا کہنا مانتا ہے یا دنیوی لالچ میں آ جاتا ہے...... فرشتے نے آ کر کہا: اس گائے کی قیمت کتنی ہے؟ اس نے کہا: صرف تین دینار...... لیکن یہ شرط ہے کہ میں اپنی والدہ سے پوچھ لوں......

فرشتہ: چھ دینار لے لو، مگر والدہ سے نہ پوچھو!

نوجوان: اگر تم اس گائے کے ہم وزن سونا بھی تول کر دو تب بھی میں اپنی ماں کے مشورہ کے بغیر اسے فروخت نہیں کروں گا...... چنانچہ وہ ماں کے پاس گیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا...... ماں نے کہا کہ چھ دینار میں بیچ دو، مگر مجھ سے مشورہ ضرور کرنا......

نوجوان واپس آ کر فرشتے سے کہتا ہے:

مجھے چھ دینار منظور ہیں مگر اس شرط پر کہ میں والدہ سے مشورہ ضرور کروں گا۔

فرشتہ: بارہ دینار لے لو، مگر والدہ سے مشورہ نہ کرو!

نوجوان: ہرگز نہیں، میں والدہ کے مشورہ کے بغیر اسے فروخت نہیں کرسکتا۔

نوجوان پھر ماں کو سارا ماجرا بتلاتا ہے، ماں نے کہا، بیٹا...... وہ خریدار کوئی انسان نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہے، جو تیرا امتحان لینے آیا ہے، لہذا جاؤ اور اس سے جاکر پوچھو کہ ہم اس گائے کو بیچ دیں یا نہ بیچیں؟

نوجوان نے والدہ کا پیغام فرشتے کو سنایا تو اس نے کہا کہ اسے اب فروخت نہ کرو، کیونکہ اسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام ایک مقتول کے قاتل کا پتہ معلوم کرنے کیلئے خریدیں گے...... تم اسے دنانیر سے تول کر فروخت کرنا خدا کا کرنا ایسا ہی ہوا...... یہ روایت درج ذیل کتب سے ماخوذ ہے، روح البیان ۱/۱۵۸، روح المعانی ۱/۲۹۲، قرطبی ۱/۲۵۴، مظہری ۱/۸۰ وغیرہ

اور اس روایت کی تائید درج ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابن جریر طبری نے اپنی سند سے حضرت ابوالعالیہ کے حوالے سے بیان ہے کہ

جس گائے کا انہوں نے تعین کیا تھا وہ ایک بوڑھی عورت کے پاس تھی جس کے بچے یتیم تھے، جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ اس گائے کے علاوہ اور کسی گائے کو ذبح نہیں کریں گے تو اس نے اس گائے کی قیمت بڑھادی، دوسری روایت (جو سدی کے حوالے سے ہے) میں ہے کہ اس عورت نے اس کے وزن سے دس گنا زیادہ سونا طلب کیا...... وہ حضرت موسیٰ کے پاس گئے اور کہا وہ عورت بہت زیادہ قیمت مانگ رہی ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا تم نے خود اپنے اوپر سختی کی ہے اب اس کی منہ مانگی قیمت دو، انہوں نے وہ قیمت ادا کر کے گائے کو خریدا اور اس کو ذبح کیا۔

(جامع البیان ۱/۲۶۹ تا ۲۶۷)

دوسری روایت: بنواسرائیل کی گائے کے متعلق دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنواسرائیل میں ایک نوجوان ایک دکان میں کچھ

چیزیں فروخت کرتا تھا، اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا، ایک دن ایک اور شہر سے ایک شخص آیا اور اس سے کچھ سودا طلب کیا، اور اس کی قیمت دے دی وہ اس کے ساتھ دکان کھولنے گیا، تا کہ اس کو وہ چیز دے دے، چابی اس کے والد کے پاس تھی، اور وہ دکان کے سائے میں سو رہا تھا، اس شخص نے کہا کہ اس کو جگالو، لڑکے نے کہا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور میں ان کو بیدار نہیں کروں گا، اس شخص نے کہا کہ میں تجھے دگنی قیمت دے دوں گا تم اسے جگا دو، لیکن وہ لڑکا کہنے لگا میں انہیں ہرگز بیدار نہیں کروں گا، حتی کہ وہ شخص چلا گیا، اس لڑکے کو اپنے باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی جزا یہ ملی کہ ان کی گائے سے ایک دوسری گائے پیدا ہوئی جس کی بنو اسرائیل کو تلاش تھی، انہوں نے اس گائے کو خریدنا چاہا، لیکن وہ لڑکا گائے کو بیچنے پر آمادہ نہ ہوا، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا آپ نے فرمایا اسے راضی کر کے گائے خریدو، بالآخر اس کی قیمت یہ طے پائی کہ اس کے وزن کے برابر سونا دیا جائے۔

(یہ روایت درج ذیل کتب تفسیر میں ہے، جامع البیان ۱/ ۲۶۹، ۲۶۷، الدر المنثور ۱/ ۷۹، ابن کثیر ۱/ ۱۶۴ وغیرہ)

نتیجہء روایات

مذکورہ روایات کی سند اور متن کی بناء پر ترجیح اور عدم ترجیح کا فیصلہ کئے بغیر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس گائے کی نسبت ایک ولی اللہ کی طرف تھی...... وہ اپنی والدہ یا والد کا خدمت گزار اور اطاعت شعار تھا۔ اس بندہ خدا کی گائے کو ذبح کر کے جب اس کے بدن کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا تو اس میں زندگی کی تاثیر آ گئی...... مردہ زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا۔

فوائد و مسائل: اس واقعہ سے دیگر فوائد کے علاوہ درج ذیل نتائج بھی حاصل ہوتے ہیں:

⊙ ...... یہ واقعہ اولیاء کرام اور نیک لوگوں کی کرامات پر دلیل ہے کہ نیک بندے کی گائے کے جسم کا ٹکڑا لگنے سے مردہ زندہ ہو گیا۔

⊙ ...... ولی کے ساتھ نسبت رکھنے والی گائے کا یہ مقام ہے تو ولی کے اپنے بدن اور اعضاء جسمانی کی طاقت کا عالم کیا ہو گا، ان کی ٹھوکر سے مردہ زندہ کیوں نہیں ہو سکتا؟

⊙ ...... ولیوں کیساتھ نسبت رکھنے والوں کی قیمت بڑھ جاتی ہے، وہ عام بھاؤ نہیں بکتے۔

⊙ ...... اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعا کا حکم نہ فرمایا بلکہ ان کی دعا کی بجائے اپنے ایک برگزیدہ بندے کی گائے کی طرف رہنمائی فرمائی تا کہ معلوم ہو جائے کہ نبیوں کا مقام تو بہت بلند ہے اس کے ہاں ولیوں کے ساتھ نسبت رکھنے والی اشیاء کا بھی بڑا مقام رکھتی ہیں۔

⊙ ...... بنو اسرائیل کو گائے کے معاملہ میں جو بھی مشکلات پیش آئیں ان کے حل کیلئے انہوں نے حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی از خود دعا نہ کی اور نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم خود دعا کر لو، جس سے واضح ہوا کہ بزرگوں کا وسیلہ اور مقربین سے دعا کرانے کا طریقہ آج کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ گذشتہ نبیوں اور سابقہ امتوں کا بھی یہی معمول تھا۔ اسے شرک یا بدعت کہنا ناانصافی اور بہت بڑا ظلم ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ

فاقوذا کی دو بیٹیاں تھی، حنہ اور ایشاع ...... حنہ کا نکاح حضرت عمران بن ماثان سے ہوا...... جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے تھے...... اور بنو اسرائیل کے امام بھی...... جبکہ ایشاع کا نکاح حضرت زکریا علیہ السلام سے ہوا، جو کہ بنو اسرائیل کے ایک برگزیدہ نبی تھے۔ دونوں بہنیں بڑھاپے کو پہنچ گئیں لیکن ابھی تک اولاد سے

ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوئیں تھی، حتیٰ کہ مایوسی کے آثار دیکھائی دینے لگے......ایک دن حضرت حنہ نے دیکھا کہ ان کے گھر کے پاس ایک درخت پر ایک پرندہ اپنی چونچ سے اپنے بچے کو دانہ دنکا کھلا رہا تھا، اسی وقت ان کے دل میں بچے کی تڑپ پیدا ہوئی، بارگاہ الوہیت میں عرض گزار ہوئیں مولیٰ! جس طرح یہ پرندہ اپنے بچے سے دل بہلا رہا ہے ایسے ہی مجھے بھی ایک بچہ عطا فرما کہ میں بھی اس سے سکون و راحت حاصل کروں، اللہ تعالیٰ نے ان کے کلمات کو شرف قبولیت سے نوازا اور آپ حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے حاملہ ہو گئیں ادھر چند دنوں میں ہی حضرت عمران اللہ کو پیارے ہو گئے......آپ کی زوجہ کو جب حمل کی گرانی محسوس ہوئی تو عرض گزار ہوئیں۔

رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا فتقبل منی انک انت السمیع العلیم (آل عمران ۳۵)

میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے اس کی میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے (خاص تیرے لئے دیگر ذمہ داریوں سے) آزاد کیا ہوا، پس تو میری طرف سے (اس نذر کو) قبول فرما، بیشک تو سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

یعنی میں نذر مانتی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے ذاتی معاملات، گھریلو مسائل اور دنیوی امور کیلئے استعمال نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ عبادت گاہ اور دینی امور کیلئے وقف ہوگا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بجائے بچہ کے بچی پیدا ہوگئی......تو حضرت مریم کی والدہ حسرت بھرے لہجے میں بولیں:

رب انی وضعتھا انثی — اے اللہ! میں نے لڑکی کو جنا ہے

میں نے تو بیت المقدس کی خدمت کیلئے نذر مانی تھی اور لڑکی اپنی طبعی کمزوری اور جسمانی ضعف کی وجہ سے زیادہ خدمت سرانجام نہیں دے پاتی، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہمت بندھائی......فرمایا:

واللہ اعلم بما وضعت ولیس الذکر کالانثی

اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کے ہاں کیا پیدا ہوا اور (جس لڑکے کی دعا کی ہے) وہ لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا...... یعنی تم نے جس لڑکے کے حصول کی دعا کی تھی وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، جس پائے کی میری دی ہوئی یہ لڑکی ہے۔

(تفسیر جامع البیان ۱/۱۵۹، ۱۵۸)

حضرت حنہ نے اس بچی کا نام مریم (بمعنیٰ عبادت گزار اور خادمہ رکھا)۔

(روح المعانی جز ۳ـ۲/۱۳۶)

اور عرض کیا: میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ...... تو انہیں شیطان سے بچانا اور نیک صالح بنانا...... خلوص دل اور کمال عجز و انکساری سے جب حضرت حنہ نے بچی کی قبولیت، اسے اور اس کی اولاد کو پناہ خداوندی میں دینے کی التجا کی تو رب ذوجہان نے ان کی دعا کو یوں شرف قبولیت بخشا فرمایا:

فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتا حسناً وکفلها زکریا (آل عمران ۳۷)

تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرمایا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔

امام رازی فرماتے ہیں:

ایک دن میں حضرت مریم کی نشوونما اتنی ہوتی تھی جتنی عام بچوں کی ایک سال میں ہوتی ہے، اور دین داری میں بھی انکی تربیت بہت اچھی تھی وہ بہت زیادہ نیک کام کرتی تھیں، پاکباز رہتی اور عبادت میں منہمک رہتی تھیں۔ (تفسیر کبیر ۸/۳۵)

حضرت مریم کی کفالت

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو عمدہ طریقہ سے قبول فرمایا اور ظاہری تربیت

ونگہداشت کیلئے ان کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد فرمائی ہوا یوں کہ حضرت حنہ اپنی بچی کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر کاہن بن عمران بیٹے کے پاس لے گئیں (جو اس زمانہ میں بیت المقدس کے دربان تھے) وہاں دیگر خدام اور نیکوں کار بھی تھے......ان سے کہا

خذوا هذه النذيرة اس نذر مانی ہوئی لڑکی کو سنبھالو

یہ میری بیٹی ہے، میں نے اس کو اپنی ذمہ داری اور اپنی سرپرستی سے آزاد کر دیا ہے۔ وہ بولے یہ ہمارے امام (حضرت عمران) کی بیٹی ہے، حضرت عمران انہیں نمازیں پڑھاتے تھے اور ان کی قربانیوں کے منتظم تھے...... حضرت زکریا نے جب یہ دیکھا تو فرمایا: یہ لڑکی مجھے دے دو، کیونکہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے...... باقی لوگوں نے کہا ہم اس فیصلہ پر خوش نہیں ہیں کیونکہ یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے اس لئے اس کی کفالت، تربیت اور پرورش کا انتظام ہم کریں گے...... جب دونوں طرف سے اصرار بڑھا تو آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے جس کے نام پر قرعہ نکلے وہی ان کی کفالت کرے گا...... چنانچہ وہ تمام حضرات نہر اردن کی طرف اپنے وہ قلم لے کر چلے جس سے تورات لکھتے تھے......اور طے یہ ہوا کہ جس کا قلم پانی میں نہ ڈوبے یا نہ بہے وہ حضرت مریم کی پرورش کا حقدار ہے، چنانچہ جب انہوں نے قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی تو باقی لوگوں کے قلم بہہ گئے حضرت زکریا کا قلم پانی میں سیدھا کھڑا رہا اور ہر بار قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا، تب حضرت مریم کی کفالت کا ذمہ حضرت زکریا نے اٹھایا۔ (سورۃ آل عمران جامع البیان ۳/۱۶۴،۱۶۳، التفسیر الکبیر ۸/۳۰)

حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھلوں کا آنا اور حضرت زکریا کا وہاں اولاد کیلئے دعا فرمانا

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی کفالت کے لئے انہیں ایک کمرہ میں ٹھرایا، وہ کمرہ مسجد کی ایک طرف تھا جس کا دروازہ مسجد کے درمیان حصہ میں کھلتا تھا، کمرہ کے عام سطح سے بلند ہونے کی وجہ سے اس کی طرف چڑھنے کیلئے سیڑھی کی ضرورت پڑتی ...... حضرت زکریا علیہ السلام جب کہیں باہر تشریف لے جانا چاہتے تو مسجد کے ساتوں دروازے بند کر دیتے۔ (التفسیر الکبیر ۸/۳۱)

جب آپ واپس آتے تو دیکھتے کہ حضرت مریم کے کمرہ میں قسما قسم کے پھل موجود ہیں ...... گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقاً، قال يمريم انى لك هذا قالت هو من عند الله ان الله يرزق من يشآء بغير حساب (آل عمران ۳۷)

جب بھی زکریا اس کے پاس اسکی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس (تازہ) رزق موجود پاتے، انہوں نے کہا اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا؟ کہنے لگی یہ رزق اللہ کی طرف سے آیا ہے، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو آپ کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے، آپ کی عمر مبارک تقریباً ایک سو بیس سال تھی، لیکن حجرۂ مریم میں قدرت خداوندی کا عجب نظارہ دیکھنے کے بعد آپ کے دل میں حصول اولاد کی تمنا مچلنے لگی،

آپ کا ذہن فوراً اس طرف متوجہ ہوا کہ اگر خدا مریم کو بے موسمی پھل عطا فرما سکتا ہے تو مجھے بے موسمی اولاد بھی عطا فرما سکتا ہے...... آپ نے بجائے مسجد کے صحن میں جانے کے اسی مقام پر حصول اولاد کی دعا فرمائی...... قرآن اس کی گواہی یوں دیتا ہے:

هنالک دعا زکریا ربه قال رب هب لی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعاء ○ فنادته الملائکة وهو قائم یصلی فی المحراب ، ان الله یبشرک بیحیی ......الآیه (آل عمران ۳۸،۳۹)

اس جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو ہی دعا سننے والا ہے، تو جس وقت وہ عبادت کے حجرے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے انہیں پکار کر کہا کہ (اے زکریا) اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

یعنی حضرت مریم کے حجرے میں جب حضرت زکریا نے اولاد کے حصول کیلئے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فوراً فرشتوں کے ذریعے دعا کی مقبولیت کی خوشخبری سنائی، بچے کا نام اور اس کی عزت و پاکبازی کی اطلاع بھی دے دی۔

فوائد ومسائل: حضرت مریم کے درج بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ:

اس میں اولیاء کرام کی کرامات کا ثبوت ہے کہ آمد و رفت کے ذرائع مسدود بھی ہو جائیں، اللہ اپنے ولیوں کو تنہا نہیں چھوڑتا...... جیسے تمام دروازے بند تھے لیکن حضرت مریم کے ہاں طرح طرح کا پھل پہنچتا رہتا۔

- ...... اولیاء کرام موسم اور وقت کے پابند نہیں ہوتے، ان کا تعلق خدا سے ہوتا ہے، موسم سازگار ہو یہ نہ ہو، ان کی کرامات کا ظہور ہو کے رہتا ہے۔
- اللہ کے نام کی نذر مان کر نذر مانی ہوئی چیز کو ولیوں کے پاس لے جانا درست ہے، جیسے حضرت حنہ نے نذر اللہ کیلئے مانی لیکن حضرت مریم کو خدا کے مقرب

بندوں کو تھما دیا...... حضرت زکریا نے پرورش فرمائی...... نہ حضرت زکریا نے اس طرز عمل پر اعتراض و تنقید کی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس انداز کی تغلیط و تردید فرمائی...... بلکہ اس کی تحسین فرماتے ہوئے فرمایا:

فتقبلها ربها بقول حسن   اس کے رب نے اسے اچھے طریقے سے قبول فرمالیا

معلوم ہوا جن اشیاء کو مقربان بارگاہ قبول اور وصول فرمالیں اسے اللہ تعالیٰ بھی قبول فرمالیتا ہے۔

⊙ ...... جہاں اولیاء کرام کا ٹھکانہ ہو، اس جگہ دعا مانگنا درست ہے، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے حجرے یا مسجد کے صحن میں دعا نہ کی، گویا آپ کو یہی بتلانا تھا کہ اللہ کے مقبول بندوں اور اللہ کی رحمت کے مرکزوں کے یہاں جا کر دعا کرنا درست ہے ایسا کرنے سے مسجد یا بارگاہ خداوندی کی حرمت پامال نہیں ہوتی بلکہ اولیاء کرام کی اللہ کے ہاں عزت، عظمت اور کرامت کا ظہور ہوتا ہے۔

⊙ ...... متبرک مخصوص مقامات پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا جلدی مقبول ہوتی ہے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کی حضرت مریم کے حجرے میں کی گئی دعا قبول ہوئی، اور فرشتوں نے خوشخبری سنائی۔

⊙ ...... بزرگوں کی اولاد کا ادب کرنا چاہئے، اس میں ان کی نسبت کی تعظیم ہے، جیسے حضرت مریم کو حاصل کرنے میں بیت المقدس میں تمام موجود لوگوں نے کوشش کی...... کیوں کہ حضرت مریم ان کے امام حضرت عمران کی بیٹی تھیں...... اور دوسرے یہ کہ خود حضرت عمران بھی بزرگوں کی اولاد سے تھے۔

حضرت مریم کی دیگر کرامتیں

حضرت مریم کی دیگر چند کرامات کا تذکرہ آیات قرآنی کی روشنی میں

ملاحظہ ہو!......ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذ کرفی الکتب مریم اذا نبتذت من اھلھا مکاناً شرقیاً (مریم ۱۶)

اور بیان کیجئے! کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوگئی اس مکان میں جو مشرقی جانب تھا۔

یہ وہی مکان تھا جو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ آپ اس میں محو عبادت ہوتیں۔ایک روز آپ گوشۂ تنہائی میں مصروف ذکر وفکر تھیں کہ اچانک ایک تندرست، خوبرو اور کڑیل جوان ان کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا حضرت مریم سہم گئیں......آپ نے خیال کیا کہ اسکی نیت اچھی نہیں، فوراً اسے خدائے رحمٰن کا واسطہ دے کر دست درازی سے رکنے کا کہا، وہ آنے والا جبریل امین تھا جو بشری لباس میں ملبوس ان کی عبادت گاہ میں کھڑا تھا......حضرت جبریل نے ان کی گھبراہٹ کو دیکھا کر فرمایا:

انما رسول ربک لاھب لک غلما زکیا (مریم ۱۹)

میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

حضرت مریم کی پریشانی مزید بڑھ گئی......حیرت انگیز لہجے میں بولیں

انی یکون لی غلم ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا (مریم ۲۰)

میرے ہاں بچہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے ابھی تک کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ ہی میں بدچلن ہوں۔

جبریل امین نے فرمایا: تیرے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے......وہ کسی قانون کا پابند نہیں۔ چاہے تو باپ کے بغیر بیٹا پیدا فرما سکتا ہے......بغیر باپ کے اس بچے کو پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے قادر مطلق ہونے کا ایک نا قابل تردید ثبوت پیش کرنا چاہتا ہے، اور یہ مولود مسعود عام قسم کا بچہ نہ ہوگا، بلکہ ہماری طرف سے رحمت کی

بشارت سنانے والا ہوگا...... حضرت جبریل نے پھونک ماری اور حمل قرار پا گیا،
حضرت مریم تو منشائے خداوندی پر مطمئن ہوگئیں۔ لیکن لوگوں کی زبانوں کو کیسے روکا
جاسکتا ہے، اور اپنے دامن عفت کو ان کی بہتان تراشیوں سے کیسے محفوظ رکھا جائے،
ہر کسی کو راز بتلایا بھی نہیں جاسکتا۔ اگر کہہ بھی دیا جائے تو ہر کوئی مانے گا بھی نہیں، ان
ساری باتوں کے پیش نظر حضرت مریم نے عافیت اسی میں سمجھی کہ لوگوں کی نظروں سے
اوجھل ہوجانا چاہیے...... چنانچہ آپ نے اپنے حجرہ کو خیر باد کہا اور جنگل کی راہ لی، ادھر
جب وقت پورا ہوگیا اور وضع حمل کی تکلیف جب بڑھی، کوئی دایہ پاس نہیں، سر چھپانے
کیلئے جھونپڑا تک نہیں تو آپ کو شدت سے یہ احساس ہونے لگا کہ اب تک تو لوگوں کی
نظروں سے چھپی رہیں، اور اب بچہ پیدا ہوگا تو اسے کہاں چھپاؤں گی اور لوگوں کو کیا منہ
دکھاؤں گی، شدت بیچارگی و درماندگی میں یہ الفاظ زبان پر آ ہی گئے۔

یلیتنی مت قبل ھذا و کنت نسیا منسیا (مریم ۲۳)

کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی، اور بالکل فراموش کردی گئی ہوتی۔
جب آپ کی پریشانی حد سے گزر گئی تو نیچے سے آواز آئی:

الاتحزنی قدجعل ربک تحتک سریا ٥ وھزی الیک
بجذع النخلة تسقط علیک رطبا جنیاً ٥ فکلی واشربی وقری عیناً
فاما ترین من البشر احدا فقولی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم
الیوم انسیا (مریم ۲۴ تا ۲۶)

یعنی اے مریم! پریشان کیوں ہوتی ہے؟ اگر تو نے ہماری رضا پر سر تسلیم خم
کیا ہے تو ہم بھی تجھے تنہا نہیں چھوڑیں گے، دیکھ! تیرے لئے تیرے رب نے ایک خشک
ندی میں پانی جاری کردیا ہے، اور اس کھجور کے خشک تنے کو ذرا جھنجھوڑو! تمہارے کھانے
کے لئے عمدہ کھجوریں تیرے قدموں میں آگریں گی...... گویا جو خدا تجھے حجرے میں بے

موسم کے پھل کھلاتا تھا وہی آج تیرے لئے ایام زچگی کیلئے تازہ اور میٹھے خرموں کا اہتمام فرما رہا ہے، یہ کھجوریں کھاؤ، اس ندی سے پانی پیو، اپنے اس بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو جس کی پیشانی پر عظمت وسیادت کے انوار دمک رہے ہیں...... اگر کوئی شخص تیری گود میں بچہ دیکھ کر تم پر زبان طعن دراز کرنے لگے تو تمہیں اپنے دفاع میں لب کھولنے کی ضرورت نہیں تم خاموش رہنا، انہیں جواب دینے کیلئے یہ بچہ ہی کافی ہوگا۔

فوائد ومسائل

اس واقعہ میں حضرت مریم کا فرشتے سے کلام کرنا، بغیر خاوند کے حاملہ ہو جانا، خشک ندی کا جاری ہونا، کھجور کے خشک تنے کا آپ کے ہاتھ لگنے سے تر ہو جانا، آپ کی کرامات ہیں۔

⊙ ...... ولیوں کے ہاتھ لگنے سے خشک چیزیں ہری ہو جاتی ہیں...... جیسے اللہ تعالیٰ نے کھجور کو ہرا خود کرنا تھا لیکن حضرت مریم کا ہاتھ ضرور لگوایا۔

⊙ ...... ولادت کے موقع پر میٹھی چیز کا تقسیم کرنا درست ہے۔

⊙ ...... نور جب بشر کے پاس آتا ہے تو بشری لباس میں آتا ہے، اس سے اس کی نورانیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا، کیونکہ انسانوں کو کچھ دینے کیلئے انہی کے لباس میں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ: جیسا دیس ویسا بھیس۔

⊙ ...... دیتا سب کچھ اللہ ہی ہے لیکن کبھی سبب کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ چیز مجھے فلاں نے دی، ایسا کرنا درست ہے جس طرح حضرت جبریل نے بیٹا دینے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے کہا میں تجھے صاف ستھرا بیٹا دینے آیا ہوں...... اسی طرز پہ چلتے ہوئے ہمارے عوام کہہ دیتے ہیں پیراں دتا، نبی بخش وغیرہ...... یا ہمیں فلاں ڈاکٹر سے شفا ملی ہے، یہ سب مجازی اطلاقات ہیں...... جن میں شرک وبدعت کا

شائبہ بھی نہیں ہے۔

⦿ ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حالت طفولیت میں ہی اپنی والدہ کی برات اور اپنی رسالت، حکمت اور کتاب کا اعلان فرمایا...... جس سے واضح ہوا کہ ہم اور نبی برابر نہیں ہیں......اور نبی کو نبوت چالیس سال کے بعد نہیں ملتی۔ بلکہ وہ نبی بن کر آتا ہے۔

⦿ ...... اور یہ مقولہ بھی غلط ہے کہ "بچہ بچہ ہوتا ہے چاہے نبی کیوں نہ ہو"...... بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ "نبی نبی ہوتا ہے خواہ بچہ کیوں نہ ہو"۔

اصحاب کہف کا واقعہ

اصحابہ کہف کا مختصر خاکہ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے، آیائت قرآنی (الکہف آیات ۹ تا ۲۲) کی روشنی میں قدرے وضاحت کیساتھ ملاحظہ ہو!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ام حسبت ان اصحب الکھف والرقیم کانوا من ایتنا عجبا

کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار اور رقیم والے ہماری تعجب خیز نشانیوں میں سے ہیں۔

یعنی اصحاب کہف جن کا تعلق رقیم وادی کے ساتھ تھا وہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی زیادہ عجیب واقعہ نہیں ہے۔ ہماری قدرت کے عجائبات اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ان میں ہماری قدرت کی تو ایک ادنیٰ نشانی ہے۔

اذا وی الفتیة الی الکھف فقالوا ربنا اتنا من لدنک رحمة وھیئی لنامن امرنا رشدا o فضربنا علیٰ اذانھم فی الکھف سنین عددا o ثم بعثنھم لنعلم ای الحزبین احصیٰ لما لبثوا امداً۔

جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی پس انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لئے اس کام میں ہدایت مہیا فرما! تو

ہم نے اس غار میں ان کے کان (سننے سے) کئی سال تک بند کر دیئے، جو گنے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تاکہ ہم جانیں کہ ان دو گروہوں میں اس مدت کو کون صحیح شمار کر سکتا ہے جتنی مدت وہ غار میں رہے۔

یعنی جب بنی اسرائیل کے چند نوجوان جو دقیانوس بادشاہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے، وہ انہیں مسیحی دین سے یہودیت کی طرف پلٹنے پر مجبور کرتا تھا...... دقیانوس جب اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا اور اس نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ کا معاملہ شروع کیا تو انہوں نے اپنی دولت ایمان کو بچانے کیلئے وطن مالوف کو چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا اور رات کے گھپ اندھیرے میں وہاں سے بچ نکلے...... قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس میں ایک وسیع و عریض غار تھا، اس غار میں چھپ کر وہ بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر التجائیں کرنے لگے:

اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے، ہمیں اس ظالم اور سنگدل بادشاہ کے شر سے بچا! ہمیں نعمت ایمانی سے محروم نہ کرنا، ہمیں کسی ایسی سنگین آزمائش میں مبتلا نہ کرنا کہ کہیں ہمارے قدم نہ اکھڑ پڑیں اور دامن ایمان وایقان ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائے، ہماری رہنمائی فرما!...... اللہ تعالیٰ نے ان کی آہ و پکار کو سن لیا، اور ان پر نیند مسلط کر دی، انہیں کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی، تاکہ ان کی نیند میں کوئی خلل نہ پیدا ہو سکے...... اس واقعہ کی مزید وضاحت کے لئے ارشاد فرمایا: (آیات کا ترجمہ مع مختصر تشریح ملاحظہ ہو!)

⊙ ...... (اے محبوب!) ہم آپ پر ان کی خبر ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں، بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نور) ہدایت میں اضافہ کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے (برملا) کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، ہم اس

کے سوا کسی کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کی جو حق سے (بہت) دور ہے۔

یعنی جب انہیں دقیانوس کے روبرو پیش کیا گیا اور اس نے ان کے عقیدے کے متعلق دریافت کیا تو ہم نے ان کے دلوں کو جذبہء استقامت سے معمور کر دیا، وہ بے خطر آزمائش کے اس خارزار میں آگے بڑھے اور خون آشام تلواروں کی جھنکار انہیں کسی مصلحت بینی اور حالات سے سمجھوتے پر مجبور نہ کر سکی انہوں نے بے دھڑک یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب تمام آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم اس کے علاوہ کسی کو معبود اور عبادت کے لائق تسلیم نہیں کرتے۔

⊙ ...... یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس کے سوا غیروں کو معبود بنالیا ہے وہ ان (بتوں کے خدا ہونے) پر کوئی روشن دلیل کیوں نہیں پیش کرتے، ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔

دقیانوس اور ان کے حواریوں کو یہ ایمان افروز اور باطل سوز جواب دینے کے بعد ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ جب تم ان (کفار) اور ان معبودوں سے جدا ہو گئے ہو، جنہیں یہ اللہ کے علاوہ پوچتے ہیں تو (اب) غار میں پناہ لو، تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کو پھیلا دے گا اور وہ تمہارے لئے تمہارے اس کام میں آسانیاں پیدا فرمادیگا، (اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا، اس میں تیز دھوپ تو داخل نہ ہوتی، لیکن ہوا اور روشنی کا گزر اچھی طرح سے ہوتا تھا، سورج کی کرنیں طلوع اور غروب ہوتے وقت اس غار کے دھانے سے داخل ہوتیں، اور سورج ان کے غار سے ذرا ہٹ کر گزرتا۔

⊙ ...... اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار کے دائیں جانب ہٹ کر گزرتا ہے اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے، اس

حال میں کہ وہ غار کی ایک کشادہ جگہ میں (سو رہے) ہیں...... (سورج کا) یوں (طلوع وغروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، پس جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو اس کے لئے کوئی ولی (مددگار) مرشد (رہنما) نہیں پائے گا۔ اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کریگا حالانکہ وہ سو رہے ہیں، اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں، کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب، اور ان کا کتا اپنے بازوں پھیلائے ان کی دہلیز پر بیٹھا ہوا ہے، اگر تو جھانک کر انہیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تو ان کے منظر کو دیکھ کر ہیبت سے بھر جائے۔

کیونکہ قدرت کی طرف سے اس ماحول کو اتنا ڈراؤنا اور بھیانک بنا دیا گیا تھا کہ وہاں پہنچتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے، دل ڈوبنے لگتا، جسم لرزا براندام ہو جاتا اور کسی کو اندر جانے کا حوصلہ ہی نہ رہتا، ایک طویل عرصہ وہ محو خواب رہے، بعض روایات میں ان کی مدت آرام ایک سو تاسی برس، بعض میں تین سو برس اور بعض میں تین سو نو سال بتائی گئی ہے، واللہ اعلم...... بہرحال جتنا قدرت کو منظور تھا اس قدر وہ سوئے اور جب بیدار ہوئے، غار سے باہر آئے تو ایک عجیب انقلاب نظر آیا، اپنے چہروں کی طرف دیکھا ایک غیر معمولی تغیر و تبدل دکھائی دیا...... بڑھتے ہوئے بال اور لمبے ناخن ان کے طویل عرصہ سونے کی واضح علامت تھی۔

⊙ اور اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں...... ان سے ایک کہنے لگا یہاں کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ بعض نے کہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہوں گے دوسروں نے کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو۔

ان کے سردار حضرت یملیخا تھے کہنے لگے اس فضول بحث میں نہ پڑو، اس کو خدا کے سپرد کر دو، وہی بہتر جانتا ہے، ہمارے سونے کی مدت کو...... ابھی بات ہو رہی تھی کہ انہیں بھوک نے ستایا تو کہنے لگے۔

⊙ ...... اپنے کسی ساتھی کوایک سکہ دے کرشہر کی طرف بھیجو، پس وہ دیکھے کہ عمدہ پاکیزہ کھانا کس کے ہاں ملتاہے،تو وہ وہاں سے تمہارے لئے کھانا لے آئے۔

کیونکہ وہ بادشاہ سے بھاگ کر آئے تھے اس لئے انہیں اپنے پکڑے جانے کا ہروقت کھٹکا لگا ہوا تھا، جوشخص کھانا لانے کیلئے جانے لگا اسے اس امر کی تاکید کردی گئی کہ

⊙ ...... اورچاہئے کہ (اگرکوئی زیادتی کرے تو) وہ خوش خلقی سے کام لے، اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے، (کیونکہ) اگروہ (بستی والے) لوگ تم پر آگاہ ہوگئے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردیں گے یا تمہیں اپنے مذہب میں لوٹانے کیلئے مجبور کریں گے، اور (اگرتم نے ایسا کیا) توتم کبھی بھی فلاح نہ پاؤ گے۔

چنانچہ یملیخا کو اس مہم کیلئے چنا گیا، وہ درہم لے کرشہر کی جانب بڑھے، جوں جوں ان کے قدم بستی کی طرف بڑھتے جارہے تھے توں توں انکی حیرانگی اور تعجب میں اضافہ ہوتا رہا تھا، کیونکہ وادی اورکوہسار تو وہی تھی لیکن ماحول میں اجنبیت کے آثار نمایاں تھے، شہر میں داخل ہوئے تو درودیوار، گلی کوچے زبان حال سے کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے، یملیخاہ سوچ رہے تھے کہ بارالہٰ! ایک آٹھ پہر میں یہ کیا انقلاب آ گیا، کل جب چھوڑ کر گئے تو اس شہر کا کیا حال تھا اور آج کیا ہے، اسی سوچ وبچار میں گم وہ ایک نانبائی کی دکان پر پہنچے، اس سے کھانا طلب کیا، اس نے کھانا، انہوں نے وہی پرانا سکہ جو یہاں سے جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے، اس کیطرف بڑھا دیا وہ نانبائی اس سکہ کو دیکھ کر ہکا بکا ہوگیا کہ یہ تو بہت پرانا سکہ ہے، بحث وتکرار ہونے لگا، جب گفتگو نے طول پکڑا تو اردگرد کے دکاندار اور راہگیر بھی اکٹھے ہوگئے، کہنے لگے اسے کوئی پرانا شاہی خزانہ ہاتھ آیا ہے، نوبت یہاں تک آ گئی کہ معاملہ حاکم شہر کے پاس پہنچ گیا، یہاں آ کر حقیقت سے پردہ اٹھا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ درہم تو نے کہاں سے حاصل کیے؟ یملیخاہ نے کہا میں نے کل اس کے بدلے میں چند کھجوریں

فروخت کی تھیں، پھر ہم دقیانوس کے مظالم سے بچنے کیلئے یہاں سے بھاگ نکلے، بادشاہ سمجھ گیا کہ اسے کوئی خزانہ ہاتھ نہیں لگا بلکہ یہ ان نوجوانوں میں سے ایک ہے جو بادشاہ کے ظلم وستم سے بچنے کیلئے ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، اب اللہ نے انہیں ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا ہے، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لوگوں کی خوشی کی انتہاء نہ رہی، ہر کوئی ان کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے تاب تھا، لوگ حاکم شہر کی قیادت میں غار کی طرف روانہ ہوئے، ادھر دوسرے ساتھی یملیخاہ کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئے، ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے، جب انہوں نے ایک جم غفیر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا ساتھی پکڑا گیا ہے، اس کے بتلانے پر یہ ہجوم انہیں گرفتار کرنے کیلئے دوڑا چلا آرہا ہے، اصحاب کہف کو یقین ہو گیا کہ انہیں اس غار میں سوئے صدیاں بیت گئی ہیں، یملیخاہ غار میں گئے، انہیں حالات سے آگاہ کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ موت دے دی، بعض کے بقول غار کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا تا کہ کوئی انسان ان احوال پر مطلع نہ ہو سکے...... حاکم وقت نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان لوگوں کو متوجہ کیا جو عیسائی مذہب رکھنے کے باوجود سرے سے قیامت کے منکر یا روحانی حشر کے قائل نہ تھے...... کہ دیکھ لو! اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں سینکڑوں سال سونے والے اصحاب کہف کو صحیح وسلامت جسموں کے ساتھ بیدار کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ایک ناقابل تردید ثبوت مہیا کر دیا ہے...... جو خدا اصحاب کہف کو اتنے سال سونے کے بعد یوں صحیح و سالم جسموں سمیت اٹھا سکتا ہے اس کے سامنے کچھ بعید نہیں کہ تمام مردوں کو قیامت تک زندہ کر کے کھڑا کر دے۔ یہی وجہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ۔

⊙ ...... اور اسی طرح ہم نے بستی والوں کو اچانک (اصحاب کہف) پر آگاہ کر دیا، تا کہ وہ جان سکیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں

کوئی شک نہیں۔

اصحاب کہف پر جب طبعی وفات طاری ہوئی تو اب باہمی اختلاف ہوا......

ارشاد باری تعالیٰ ہے

⊙ ...... جب وہ بستی والے ان کے معاملے میں آپس میں جھگڑنے لگے تو بعض نے کہا کہ ان کے غار پر (بطور یادگار) کوئی عمارت تعمیر کرو، ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ اپنے کام میں ان پر غالب آ گئے وہ کہنے لگے قسم بخدا! ہم تو ان پر ضرور مسجد بنائیں گے۔

⊙ اصحاب کہف کی تعداد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سیقولون ثلثة رابعهم کلبهم ویقولون خمسة سادسهم کلبهم رجماً بالغیب ویقولون سبعة وثامنهم کلبهم قل ربی اعلم بعدتهم مایعلمهم الا قلیل فلا تمار فیهم الا مرآء ظاهر اولا تستفت فیهم منهم احداً (الکہف ۲۲)

کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ سب اندازے ہیں، بن دیکھے، اور کچھ کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تھا، آپ فرمادیں کہ میرا رب ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے ان کی (صحیح تعداد) کو صرف چند لوگ ہی جانتے ہیں...... ان کے بارے میں بحث نہ کرو بجز سرسری سی گفتگو کے، اور ان کے متعلق ان (اہل کتاب میں) سے کسی اور سے دریافت نہ کرو۔

یعنی اصحاب کہف کی تعداد اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، اور وہ لوگ معدودے چند ہیں جو ان کی تعداد کو صحیح جانتے ہیں...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انا من ذلک العدد القلیل وکان یقول انهم سبعة وثامنهم

کلبھم (تفسیر کبیر ۱۰۶/۲۱)

یعنی میں ان معدودے چند لوگوں میں سے ہوں جنہیں ان کی صحیح تعداد کا علم ہے آپ فرماتے تھے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

امام رازی فرماتے ہیں:

قال اکثر المفسرین ھذا الاخیر ھو الحق ویدل علیہ وجوہ

(التفسیر الکبیر ۱۰۵/۲۱)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آخری بات ہی درست ہے (کہ اصحاب کہف سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا) اور اس پر کئی وجوہات دلالت کرتی ہیں۔

حضرت ابن عباس نے اصحاب کہف کے درج ذیل نام بتائے ہیں:

میلسلمینا، یملیخاہ، مرطونس، سنونس، سارینونس، ذونواس، کعسطلیونس (تفسیر مظہری)

اور ان کے کتے کا نام قطمیر تھا۔

(یہ واقعہ درج ذیل کتب تفسیر سے ماخوذ ہے تفسیر کبیر ۸۱/۲۱ تا ۱۰۶، تفسیر روح البیان ص ۲۱۸ تا ۲۳۴، ضیاء القرآن ۱۲/۳ تا ۲۲، از تفسیر تبیان القرآن ۴۳۶/۵ تا ۴۳۷ وغیرہ)

اصحاب کہف کے مزار کے قریب مسجد بنانے والے لوگ کون تھے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجداً (الکہف ۲۱)

وہ لوگ کہنے لگے جو اپنے کام پر غالب تھے کہ ہم ضرور ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے۔

یہ کون لوگ تھے جنہوں نے اصحاب کہف کی یاد میں مسجد بنانے کا ارادہ

کیا تھا؟ اور اس سے ان کا مقصد کیا تھا؟ مفسرین کرام کے چند اقوال ملاحظہ ہوں!

⊙ ...... تفسیر جلالین (جو کہ تمام مدارس دینیہ میں شامل نصاب ہے) میں ہے:

وهم المومنون (جلالین ص ۲۴۳) وہ لوگ مومن تھے۔

⊙ ...... امام رازی فرماتے ہیں:

وقال آخرون: بل الاولیٰ ان یبنی علیٰ باب الکهف مسجد وهذا القول یدل علی ان اولئک الاقوام کانوا عارفین بالله معترفين بالعبادة و الصلوٰة ...... والمسلمون قالوا على ديننا فنتخذ عليهم مسجدا (لنتخذن عليهم مسجداً) نعبدالله فيه ونستبقي آثار اصحاب الكهف بسبب ذلک المسجد (التفسیر الکبیر ۲۱/۱۰۵)

اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ (عمارت کی بجائے) زیادہ بہتر ہے کہ غار کے دروازے پر مسجد بنادی جائے ...... اور ان کا یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ کو پہچانتے تھے اور اس کی عبادت اور نماز کے معترف تھے ...... اور مسلمانوں نے (یہ بھی) کہا کہ یہ (اصحاب کہف) ہمارے دین پر تھے پس ہم ان کے دروازے پر مسجد بنائیں گے ...... جسمیں ہم اللہ کی عبادت کریں گے اور اس مسجد کی وجہ سے ہم اصحاب کہف کے علامات و آثار کو باقی رکھیں گے۔

⊙ ...... امام ابن جریر بھی لکھتے ہیں کہ: مسلمانوں نے کہا بلکہ ہم ان کے زیادہ حقدار ہیں، وہ ہم میں سے ہیں، ہم اس جگہ پر ایک مسجد بنائیں گے، اس میں نماز پڑھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ (جامع البیان ۸/۱۴۹ رقم الحدیث ۱۷۱۳۷)

⊙ ...... صاحب تفسیر جمل لکھتے ہیں:

قال ابن عباس فقال المسلمون نبنی علیهم مسجداً یصلی فیه الناس لانهم علیٰ دیننا (تفسیر جمل علی الجلالین ۳/۱۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا کہ ہم یہاں لوگوں کے نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنائیں گے کیونکہ یہ (اصحاب کہف) ہمارے دین پر تھے۔

⊙ ...... علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: ابن قتیبہ نے کہا کہ مفسرین نے کہا ہے، جن لوگوں نے مسجد بنائی تھی، وہ بادشاہ اور اس کے مومن اصحاب تھے۔ (زادالمسیر ۵/۸۶)

⊙ ...... صاحب تفسیر مدارک لکھتے ہیں:

من المسلمین وملکھم (تفسیر مدارک ۳/119)

مسلمانوں اور ان کے بادشاہ نے کہا (کہ ہم یہاں مسجد بنائیں گے)۔

⊙ ...... امام نسفی (جو تمام مکاتب کے نزدیک مستند ہیں) فرماتے ہیں:

یصلی فیه المسلمون ویتبرکون بمکانھم (تفسیر مدارک ۳/119)

کہ مسلمان اسمیں نماز پڑھتے ہیں اور ان (اصحاب کہف) کی جگہ سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

⊙ ...... قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یصلی فیه المسلمون ویتبرکون بھم (تفسیر مظہری ۶/۲۳)

یعنی مسلمان اس (مسجد) میں نماز پڑھتے اور برکت حاصل کرتے۔

⊙ ...... علامہ ابوالحیان اندلسی نے بھی لکھا ہے کہ وہ مسجد مسلمانوں نے بنائی تھی۔

(البحر المحیط ۶ ۱۱۳)

مخالفین کی تائید

غیر مقلدین کے بزرگ، قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

ذکر اتخاذ المسجد یشعر بان ھولاء الذین غلبوا علی امرھم ھم

المسلمون ......قال الزجاج هذا يدل على انه لما ظهر امرهم غلب المومنون بالبعث والنشور ،لان المساجد للمومنين (تفسیر فتح القدیر ۳/ ۲۷۷)

مسجد بنانے کا ذکر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے کام پر غلبہ پایا وہ مسلمان تھے، زجاج نے کہا ہے کہ یہ اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ جب ان (اصحاب کہف) کا معاملہ ظاہر ہوا تو مومنوں نے بعث ونشور کی وجہ سے غلبہ پایا کیونکہ مسجد ایمان والوں کی ہی ہوتی ہیں۔

⊙ ...... دیوبندی جماعت کے مفتی اعظم محمد شفیع آف کراچی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء صلحاء کی قبور کے پاس نماز کیلئے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں، اور جس حدیث میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے جو بالاتفاق شرک وحرام ہے۔

(تفسیر معارف القرآن ۵/ ۵۶۵)

⊙ ...... مشہور دیوبندی مفسر محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اس کے احباب تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے۔ یعنی ایک عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدائے وحدہٗ لاشریک کے عبادت گزار بندے تھے، موحد تھے، مشرک نہ تھے، اور ان کے عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے، قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے۔ معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب وجوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں اور

جس طرح اہل کہف بعث ونشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہئے کہ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں۔ اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مومنین غالب ہوئے جو حشر ونشر اور قیامت کے قائل تھے اس لئے ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد بنا دی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گزار بندوں کی یادگار میں ان کے قریب مسجد بنا دینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی رہے۔ (تفسیر معارف القرآن ۴/۴۰۵)

⊙ ...... مخالفین کے ایک جدید مفسر امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے ان لوگوں کی یادگار مسجد سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ یہ موحد اور خدا پرست لوگ تھے، اس وجہ سے انہوں نے خدا کی عبادت کا گھر بنایا۔ (تدبر قرآن ۴/۵۷۵)

⊙ ...... مخالفین کے مشہور شیخ القرآن مولوی غلام اللہ خان لکھتے ہیں:

مگر مسلمانوں نے جو اپنے مشن میں غالب ہوئے تھے، کہا ہم تو غار پر مسجد بنا کر اس میں اللہ کی عبادت کریں گے اصحاب کہف سے اور ان کی جگہ سے تبرک حاصل کریں گے اور اس کے ذریعہ سے ان کے آثار ونشانات کی یادگار قائم کریں گے۔ (جواہر القرآن ۲/۶۵۶)

خلاصۃ الکلام

اکابر مفسرین اور مخالفین کی تفاسیر سے واضح ہوا کہ:

⊙ ...... اپنے کام پر غلبہ پانے والے مومن، مسلمان تھے کافر، مشرک نہ تھے۔

⊙ ...... کیونکہ کافر، مشرک مسجدیں نہیں بناتے، مسجدیں بنانے والے اللہ کی توحید، عبادت اور اس کی معرفت کے حامل ہوتے ہیں۔

⊙ ...... ان کے قریب مسجد بنانے کا مقصد ان (اللہ والوں) کی یادگار اور نشانات کو قائم رکھنا تھا۔

⊙ ...... ان کے قریب مسجد بنانے کا مقصود عبادت اور نماز ادا کر کے ان سے برکت حاصل کرنا تھا کیونکہ نیک لوگوں کے قریب رحمت خداوندی کی برکھا برستی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ان رحمت اللہ قریب من المحسنین (الاعراف ۵۶)

بے شک اللہ کی رحمت نیکوں کے پاس ہے۔

بعض مفسرین کی لغزش

مذکورہ واقعہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بعض مفسرین نے ٹھوکر کھائی ہے۔

اور مخالفین اپنی عدم رسائی کی وجہ سے مفسرین کی اسی لغزش کو اپناتے ہوئے لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں...... کہ مزارات اور بزرگوں کے پڑوس میں مساجد بنانا شرک کو دعوت دینا ہے وہ اپنے اس گمان پر چند احادیث مبارکہ بھی پیش کرتے ہیں...... مثلاً

⊙ ...... لعن اللہ تعالیٰ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجداً (بخاری ۱/۶۲، مسلم ۱/۲۰۱)

اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

⊙ ...... ان اولئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجداً وصوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق یوم القیامۃ

(بخاری ۱/۶۲، مسلم ۱/۲۰۱)

ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر ان میں کوئی نیک مرد وفات پا جاتا تو اس کی قبر پر مسجدیں بناتے اور اسکی تصویریں تیار کرتے، یہ لوگ قیامت کے روز بدترین مخلوق

ہوں گے۔

⊙ ...... **الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاء هم مساجد فانی انھکم عن ذلک** (مسلم ۱/۲۰۱)

خبردار! تم سے پہلے لوگ انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے، میں تمہیں اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔

ان روایات کے پیش نظر وہ کہتے ہیں کہ مزاروں کے قریب مساجد نہیں بنانی چاہییں۔ کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔

ان روایات کا حقیقی مفہوم

مخالفین کی ان پیش کردہ احادیث مبارکہ میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہ جس کا معنی یہ ہو کہ قبروں کے قریب مسجد بنانا حرام، ناجائز اور شرک کو دعوت دینا ہے...... بلکہ مذکورہ احادیث طیبہ کا واضح مطلب اور حقیقی مفہوم یہ ہے کہ کسی قبر کو سجدہ گاہ، عبادت گاہ اور مسجود الیہ بنانا حرام ہے...... مخالفین کے فہم و فراست پر قربان جائیں اہل سنت کی مخالفت میں قبر پر مسجد بنانا اور قبر کی قریب مسجد بنانے کا واضح فرق بھی معلوم نہ کر سکے...... کوئی مسلمان قبر پر مسجد بنانے یا قبر کے طرف سجدہ کرنے کو جائز قرار نہیں دیتا...... ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور مخلوق (خواہ انبیاء کرام ہوں یا اولیاء عظام) کو عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا شرک اور تعظیم کی نیت سے سجدہ کرنا حرام ہے...... البتہ صالحین اور بزرگان دین کے مزرات مقدسہ اور مقابر منورہ کے قریب مسجد بنانا نہ صرف جائز بلکہ باعث برکت ہے...... ابتداء سے لے کر آج تک مسلمان اس عمل پر کاربند ہیں...... حضرت سیدنا امام اعظم، حضرت غوث پاک، حضرت داتا علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضور امام ربانی

حضرت مجدد الف ثانی ودیگر پاک وہند کے جلیل القدر اولیاء کرام علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزارات کے علاوہ خود رسول انس وجاں، آقائے کائنات، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے مزارات بھی مسجد نبوی سے ملحق ہیں، اور مسجد حرام (بیت اللہ شریف) کے احاطہ میں (مرقات) اور مسجد اقصیٰ سے متصل انبیاء کرام کے مقابر مقدسہ ہیں، کیا مخالفین ان تمام مزارات پر شرک اور حرام کاری کا فتویٰ چسپاں کریں گے اور ان کے قرب وجوار میں نماز ادا کرنا کفر اور ممنوع ہوگا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کے قرب وجوار کو برکت والا قرار دیا ہے...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذی بارکنا حولہ (بنی اسرائیل ۱)

وہ (مسجد اقصیٰ) جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں

وہ برکتیں کیا ہیں؟...... مفسرین فرماتے ہیں:

⦿ ...... بمن دفن حولہ من الانبیاء والصالحین وبھذا جعلہ مقدساً

(تفسیر قرطبی جز ۱۰، جلد نمبر ۵ ص ۲۱۲)

کیونکہ اس کے اردگرد انبیاء کرام اور اولیاء عظام مدفون ہیں اس لئے مسجد اقصیٰ کا اردگرد برکت والا ہے۔

⦿ ...... علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: مسجد اقصیٰ میں دین ودنیا کی برکتیں ہیں، کیونکہ وہاں وحی اور ملائکہ اترتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کی عبادت گاہ ہے۔ (تفسیر روح البیان ۵/۱۰۵)

⦿ ...... علامہ ابوحیان اندلسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اردگرد کو دینی برکات کیلئے خاص کیا ہے جیسا کہ نبوۃ، شریعتیں اور رسول۔ (البحر المحیط ۶/۳)

⦿ ...... علامہ خازن فرماتے ہیں: اسے مبارک اس لئے کہا ہے کہ وہ نبیوں کے ٹھہرنے

کی جگہ اور فرشتوں اور ولی کے اترنے کا مقام ہے۔ (تفسیر خازن ۲/۱۴۵)

⊙ ...... امام رازی لکھتے ہیں: بیان کیا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کا اردگرد اس وجہ سے مبارک ہے کہ وہ نبیوں کی جائے قرار اور فرشتوں کے اترنے کا مقام ہے۔ (تفسیر کبیر ۱۹/۱۴۶)

مفسرین کی تصریح سے معلوم ہوا کہ دیگر نسبتوں کے علاوہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے مقابر کی نسبت نے مسجد قصیٰ کے ماحول (اردگرد) کو مبارک اور رحمت والا بنا دیا ہے...... اب مخالفین کے زعم فاسد کے مطابق مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے منع کرنا چاہیے تھا چہ جائیکہ اس کے اردگرد کو برکت والا قرار دیا جاتا۔

محدثین کی تطبیق

مسلمانوں کے مذکورہ معمول (قبر کے قریب مسجد بنانے) اور مخالفین کی طرف سے پیش کردہ احادیث مبارک میں اکابر کی دی گئی تطبیق پیش خدمت ہے۔

⊙ ...... حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ھذہ الایة تدل علی جواز بناء المسجد لیصلی فیه عند مقابر اولیاء اللّٰه قصداً للتبرک بھم ولا دلالة لھا علی کراھة بناء المسجد لقرب منھا ومعنیٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد انھم یسجدون الی القبور کماھو صریح فی حدیث ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللّٰه ﷺ ولا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا رواہ مسلم (تفسیر مظہری ۶/۲۴)

یہ آیت (جسمیں اصحاب کہف کے قریب مسجد بنانے کا ذکر ہے) اس بات پر دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب ان سے برکت حاصل کرتے ہوئے نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنانا جائز ہے...... یہ احادیث (جو مخالفین پیش کرتے ہیں) اس مقصد پر ہرگز دلالت نہیں کرتیں کہ مزار کے قریب مسجد بنانا منع ہے۔ اور جس حدیث

میں ہے کہ وہ (یہود و نصاریٰ) انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد بناتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم قبروں پر بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھو۔

⦿ ...... حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

(قاضی) بیضاوی نے کہا ہے، کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کرام کی قبروں کو تعظیم کی نیت سے سجدہ کرتے تھے، اور ان قبور کو قبلہ بنا کر ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے، اور ان کے بت بنا کر پوجتے، تو اللہ و رسول نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا، لیکن جس شخص نے برکت حاصل کرنے کیلئے کسی نیک آدمی کے مزار کے قریب مسجد بنائی اور تعظیم کی نیت سے اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھی، وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ (فتح الباری جلد ۲)

مزید فرماتے ہیں:

وجہ تعلیل یہ ہے کہ یہ وعید ان لوگوں کو شامل ہے جنہوں نے انبیاء و صالحین کی قبروں کو از روئے تعظیم مسجد (سجدہ گاہ) بنایا، جیسا کہ اہل جاہلیت کا عمل تھا، جس میں بڑھتے بڑھتے وہ ان کی عبادت ہی کرنے لگے اور یہ وعید ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو صالحین کی قبریں اکھاڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنائیں، یہ ممانعت (قبریں نہ کھودنے کا حکم) انبیاء کرام اور ان کے متبعین (نیک لوگوں) کے ساتھ خاص ہے، کفار کی قبریں کھودنے میں حرج نہیں کیونکہ ان کی اہانت میں کوئی حرج نہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

قبروں (کے قرب) میں نماز مکروہ جب ہے کہ نماز قبر کے اوپر ہو، یا قبر کی طرف ہو، یا دو قبروں کے درمیان ہو، اس مسئلہ میں حضرت ابو مرثد غنوی کی حدیث

امام مسلم نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری جلد۲)

وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

⊙ ...... حضرت امام بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اور ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

⊙ ...... حافظ یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث کی بناء پر بعض علماء، صالحین کے قرب میں مساجد بنانے کو ناجائز کہتے ہیں لیکن ان کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے، اور تمام روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا ہے، پس میری امت میں سے جس شخص نے جہاں بھی نماز کا وقت پایا وہ نماز پڑھ لے، اور میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں کیا گیا تھا اور مجھے شفاعت دی گئی ہے اور پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۲۱، سنن النسائی رقم الحدیث ۴۳۶، ۴۳۲)

یہ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت ہے کہ تمام روئے زمین کو آپ کیلئے مسجد بنا دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین میں وہ جگہ بھی داخل ہے جو صالحین کے قرب و جوار میں ہے۔ لہٰذا اس جگہ مسجد بنانا بھی جائز ہے اور وہاں نماز پڑھنا بھی جائز ہے، اگر یہ کہا جائے کہ جن احادیث میں صالحین کے قرب میں مسجد بنانے کی ممانعت ہے ان سے یہ حدیث منسوخ ہو جائے گی۔ تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث نبی ﷺ کے فضائل میں ہے اور فضائل منسوخ نہیں ہوتے اور نہ فضائل میں تخصیص ہوتی ہے اور نہ

فضائل میں استثناء ہوتا ہے، نسخ صرف امر اور نہی میں جاری ہوتا ہے اور جب ان احادیث میں تعارض ہے تو واضح ہو گیا کہ جس حدیث میں آپ نے فرمایا: تمام روئے زمین کو میرے لئے مسجد بنا دیا گیا ہے، وہ حدیث ان احادیث کیلئے ناسخ ہے جن میں صالحین کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام، میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال، اور تم جس جگہ بھی نماز کا وقت پاؤ تم وہیں نماز پڑھ لو، وہی جگہ تمہارے لئے مسجد ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۳۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث ۶۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۷۵۳)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ صالحین کے جوار میں مسجد بنانا جائز ہے۔ (التمہید ج ۱/۱۲۷، ۱۳۶۔ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

⊙ ...... قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ائمہ مسلمین نے نبی ﷺ کی قبر کی جگہ کو قبلہ بنانے سے منع کیا ہے، کیونکہ جب نماز میں نمازیوں کا منہ آپ کی طرف ہوگا تو وہ نماز صورۃً آپ کی عبادت ہو جائے گی۔ اس وجہ سے صحابہ نے قبر مبارک کی بائیں جانب ایک دیوار بنا دی حتیٰ کہ اب جو شخص وہاں نماز پڑھے گا، اس کیلئے نماز میں آپ کی طرف منہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ۲/۴۵۱، مطبوعہ دار الوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صالحین کی قبر کے پاس نماز پڑھنا، اس وقت منع ہے جب نمازی اور قبر کے درمیان کوئی حائل نہ ہو، اور جب نمازی اور قبر کے درمیان دیوار ہو یا اور کوئی حائل ہو تو پھر قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ لہٰذا

صالحین کی قبروں کے جوار میں مساجد کا بنانا بھی جائز ہے کیونکہ جب قبر کے پاس مسجد بنائی جائے گی تو مسجد کی دیوار قبر اور نمازی کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے ساتھ مسجد نبوی بنی ہوئی ہے اور اس کی دیواریں قبلہ اور نمازی کے درمیان حائل ہیں۔

⊙ ...... علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کو یہ خطرہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر کی اس طرح تعظیم کریں گے جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کی تعظیم کی تھی۔ اس لئے آپ نے یہود و نصاریٰ اور ان کے کاموں پر لعنت کی تا کہ مسلمان آپ کی قبر انور کے ساتھ ان کی طرح معاملہ نہ کریں کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی تعظیم کے لئے قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور ان کی قبروں کو قبلہ بناتے تھے اور نماز میں ان کی قبروں کی طرف منہ کرتے تھے اور انہوں نے ان کی قبروں کو بت بنالیا تھا اس لئے آپ نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس کام سے منع کیا۔

لیکن جس شخص نے کسی مرد صالح کے قرب اور جوار میں مسجد بنائی یا اس کے مقبرہ میں نماز پڑھی اور اس کی روح سے فیض حاصل کرنے کا قصد کیا یا یہ ارادہ کیا کہ اس مرد صالح کی عبادات کا اثر اس تک پہنچے، اور نماز میں اس مرد صالح کی تعظیم اور اس کی طرف توجہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے، اس کے باوجود یہ مسجد نماز پڑھنے کی روئے زمین میں سب سے افضل جگہ ہے اور قبروں کے پاس نماز پڑھنے کی ممانعت کھدی ہوئی قبروں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہ جگہ نجاست کے ساتھ ملوث ہوتی ہے۔

نبی ﷺ نے زیادہ تاکید کے لئے مکرر فرمایا: انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو

مساجد نہ بناؤ، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔(مسلم) مقبرہ میں نماز پڑھنے کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ کہا ہے خواہ وہاں کی مٹی بھی پاک ہو اور جگہ بھی پاک ہو۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے اور بعض علماء نے کہا مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ غالب حال یہ ہے کہ قبرستان کی زمین مردوں کے جسموں اور ان کی آلائش اور پیپ وغیرہ سے مخلوط اور ملوث ہوتی ہے اور یہ ممانعت اس جگہ کی نجاست کی وجہ سے ہے اگر جگہ پاک ہو تو پھر وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) ۲/۲۳۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۳ھ)

⊙ ...... حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے:

جو شخص کسی مرد صالح کے جوار میں مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کرے نہ کہ اس کی تعظیم اور نماز میں اس کی طرف توجہ کا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (فتح الباری ۱/۵۲۵، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

⊙ ...... ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے علامہ طیبی کی عبارت نقل کی ہے اور مزید لکھا ہے:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر کی صورت حطیم میں میزاب کے نیچے ہے اور حطیم میں اور حجر اسود اور میزاب کے درمیان ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔

(مرقات ۲/۲۰۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۲ھ)

⊙ ...... علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور ان قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے انہوں نے ان قبروں کو بت بنا لیا تھا، اس لئے مسلمانوں کو قبروں کے پاس اس طرح کے کاموں سے منع فرمایا، لیکن جس

نے کسی مرد صالح کے قریب مسجد بنائی یا کسی مقبرہ میں نماز پڑھی تاکہ اس مرد صالح کے آثار سے تبرک حاصل کرے اور اس جگہ اس کی دعا قبول ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ مسجد حرام میں حطیم کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے، اس کے باوجود نماز پڑھنے کیلئے وہ جگہ روئے زمین میں سب سے افضل ہے۔ (اکمال المال المعلم ۲/ ۴۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

⊙ ...... علامہ محمد بن السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی اسی عبارت کو نقل کیا ہے۔

(معلم اکمال الاکمال ۲/ ۴۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

(ماخوذ از تبیان القرآن جلد نمبر ۷ ص ۸۰، ۸۱، ۸۲ الطبع الثانی شوال ۱۴۲۴ھ دسمبر 2003ء)

⊙ ...... حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

حضور ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کے اوپر مسجد بناتے ہیں، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبر کی طرف تعظیم کے ارادہ سے سجدہ کریں۔

(اشعۃ اللمعات ص ۲۶۶)

مزید فرماتے ہیں:

قبروں کو مسجد بنانے سے قبروں کی طرف سجدہ کرنا مراد ہے، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ خاص قبروں کو سجدہ کیا جائے اور ان کی عبادت مقصود ہو جیسا کہ بت پرست کرتے ہیں دوسرے یہ کہ مقصود تو اللہ کی عبادت ہو لیکن عقیدہ یہ ہو کہ نماز و عبادت میں ان قبور کی طرف منہ کرنا قرب اور رضائے الٰہی کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ ہے کیونکہ یہ اللہ کی عبادت اور انبیاء کرام کی غایت تعظیم پر مشتمل ہے ...... یہ دونوں طریقے (قبروں پر سجدہ کرنا یا قبروں کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنا) ناپسندیدہ اور ناجائز ہیں۔ پہلا (قبروں کو عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا) شرک جلی اور کفر خالص ہے اور دوسرا (قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا)

شرک خفی پر مشتمل ہے......ان پر ہر لحاظ سے لعنت متوجہ ہے۔اور انبیاء کرام اور نیک لوگوں کی قبروں کی طرف منہ کر کے تعظیم و تبرک کے ارادہ سے (بھی) نماز پڑھنا حرام ہے۔اور علماء میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔لیکن اگر ان کی قبر کے نزدیک نماز کیلئے کوئی مسجد بنائیں تاکہ وہاں نماز پڑھ لیا کریں،قبر کی طرف منہ کئے بغیر،تاکہ جہاں ان کے پاک بدن دفن ہیں وہاں کے قرب کی برکت سے اور ان کی روحانیت اور نورانیت کی وجہ سے ہماری عبادت کامل اور قبول ہو......تو وہاں ممانعت لازم نہیں آتی،اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ،جلد دوم،قسم چہارم،باب دوم)

⊙ ...... انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ الطیبی کی عبارت نقل کی ہے۔ (فیض الباری ۲/۴۳،مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ ۱۳۵۷ھ)

⊙ ...... شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ عسقلانی کی عبارت نقل کی ہے۔ (فتح الملہم ۲/۱۲۱مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی)

قارئین کرام! محدثین کرام کی ان گواہیوں سے معلوم ہوا کہ:

⊙ ...... قبر کو سجدہ گاہ بنانا اور انہیں عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا شرک ہے۔

⊙ ...... قبر کی طرف منہ کر کے بطور تعظیم نماز پڑھنا،شرک خفی اور حرام ہے۔

⊙ ...... مزارات کے قریب نماز پڑھنا،ان سے برکت حاصل کرنے کیلئے بایں صورت کہ ان کی طرف سجدہ نہ ہو،بالکل جائز اور درست ہے جس میں کوئی مضائقہ اور کچھ حرج نہیں ہے۔

⊙ ...... مسلمانوں کی قبروں کو اکھاڑنا سخت منع ہے،کیونکہ اس میں ان کی توہین ہے

⊙ ...... کفار کی قبور کو اکھاڑنا درست ہے،کیونکہ ان کی توہین کرنا جائز ہے۔

مسلمانوں پر بلاوجہ لعنت کرنے کی مذمت

ہر چند واضح ہو گیا کہ مزارات مقدسہ کے قرب و جوار میں مسجد بنانا اور وہاں نماز ادا کرنا جائز اور درست ہے...... اس کے باوجود دور حاضر میں مخالفین نے ایک اودھم مچا رکھا ہے اور ولیوں کے پڑوس میں نماز پڑھنے والوں کو لعنتی، مشرک، کافر اور بے ایمان جیسے ناپاک الفاظ سے یاد کرتے ہیں حالانکہ کسی مسلمان کو بلاوجہ لعنتی، کافر اور مشرک کہنے والا خود ملعون، مشرک اور کافر ہو جاتا ہے...... ملاحظہ ہو!

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من لعن شيئاً ليس له باهل رجعت اللعنة عليه (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۴۱۳)

جس نے کسی چیز پر لعنت کی اور وہ ایسی نہ تھی تو لعنت اس پر لوٹ آئے گی۔

⊙ ...... **قال رسول الله ﷺ من دعا رجلاً بالكفر اوقال عدوا لله وليس كذلك الاحار عليه** (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۴۱۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی آدمی کا فریا اللہ کا دشمن کہا اور وہ ایسا نہیں تھا تو (یہ باتیں) اس پر لوٹ جائیں گے۔

⊙ ...... ایک روایت میں ہے:

من كفر مسلما فقد كفر (مسلم رقم الحدیث ۱۱۱، مسند احمد ۲/۲۳)

جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا وہ خود کافر ہو گیا۔

⊙ ...... ایک روایت میں ہے کہ جب ایک شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو یہ کلمہ دونوں میں سے ایک طرف لوٹے گا، اگر وہ کافر ہوا تو ٹھیک ورنہ یہ کفر اس (کافر کہنے والے) کی طرف لوٹ آئے گا۔ (بخاری، مسلم ۱/۵۷، ترمذی)

o...... حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے

ایسے آدمی کا خوف ہے جس کا اوڑھنا بچھونا اسلام ہو جائیگا، اس کے چہرے پر بھی اسلام کا نور دکھائی دے گا...... پھر وہ اپنے مسلمان بھائی پر شرک کا فتویٰ لگائے گا...... صحابہ کرام نے عرض کیا: حضور! مشرک کون ہوگا فتویٰ لگانے والا یا جس پر فتویٰ لگا ہے؟ آپ نے فرمایا فتویٰ لگانے والا مشرک ہوگا (ملخصا)۔

(تفسیر ابن کثیر ۲/۲۷۱، صحیح ابن حبان ۱/۱۴۹ (رقم ۸۱)، مشکل الآثار ۱/۲۷۰)

مزارات اولیاء پر حاضری دینے والوں اور وہاں سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے مسجد بنانے اور وہاں پر نماز ادا کرنے والے سادہ لوح مسلمانوں پر شرک، اور کفر کا فتویٰ چسپاں کرنے والوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

آصف بن برخیا کی کرامت

حضرت داؤد علیہ السلام کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، آپ اپنے والد گرامی کے علمی اور روحانی وارث ہوئے، ملک اور نبوت بھی وراثت میں نصیب ہوئی...... جن چیزوں کی دنیا و آخرت میں ضرورت تھی وہ آپ کو بکثرت عطا فرمائی گئی تھیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں جان لینے کی بھی صلاحیت عطا فرمائی تھی...... آپ کا لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل ہوتا، فوج کی اس قدر کثرت کے باوجود بدنظمی اور بے ترتیبی کا نام ونشان تک نہ تھا فوج کا ہر حصہ اور لشکر کا ہر دستہ سفر و حضر میں فوجی نظم وضبط کی سختی سے پابندی کرتا...... آپ ایک بیدار مغز اور مدبر فرماں روا ہونے کی وجہ سے اپنے لشکر کی کڑی نگرانی کرتے...... ایک روز آپ نے پرندوں کے دستہ کا جائزہ لیا تو ان میں ایک ہدہد تھا...... جو آج دکھائی نہیں دے رہا تھا...... آپ نے فرمایا اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول

وجہ بیان نہ کی تو اسے فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے کے سنگین جرم کے باعث عبرتناک سزا دی جائے گی...... تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہدہد حاضر ہو گیا...... اور عرض کرنے لگا میں سبا کے ملک میں گیا تھا، وہاں کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے اور ان کے چشم دید یقینی حالات عرض خدمت کرتا ہوں، وہاں ایک عورت ہے جوان کی حکمران ہے، اسے ہر قسم کی سہولتیں دی گئی ہیں اور اس کا ایک عظیم (الشان) تخت ہے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس کی لمبائی اسی ہاتھ، چوڑائی چالیس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی)، وہ خود اور اس کی قوم بجائے خدا کو سجدہ کرنے کے سورج کی پوجا کرتی ہے، شیطان نے انہیں کھلی گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے...... ان کے مشرکانہ اعمال نے انہیں راہ راست سے روک رکھا ہے...... حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ہم تیری بات کی پوری تحقیق کریں گے...... چنانچہ آپ نے ملکہ بلقیس کی طرف یک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم ○ الا تعلوا على واتونى مسلمين ○ (النمل)

یعنی یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، تم لوگ میرے مقابلہ میں غرور اور تکبر نہ کرو اور میرے پاس فرمانبردار بن کر چلے آؤ۔ آپ نے ہدہد سے فرمایا اسے لے جاؤ اور ملکہء بلقیس کو پہنچا دو اور خط پہنچا کر بھاگ نہ آنا، الگ کھڑے ہو کر دیکھنا کہ اس کے بارے میں باہم کیا بات چیت کرتے ہیں، ہدہد وہ خط لے کر ملک یمن (سبا) پہنچا تو ملکہ اپنے درباریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، ہدہد نے وہاں ان کے سروں پر پہنچ کر پھڑ پھڑانا شروع کیا، جب بلقیس نے نگاہیں اٹھائیں تو اس نے وہ خط اس کی گود میں پھینک دیا...... ایک قول کے مطابق وہ سو رہی تھی اور ہدہد روشندان سے داخل ہوا اور

چپکے سے وہ خط اس کے سینے پر رکھ دیا...... بہرحال اس نے خط پڑھا تو اس کے بے مثال ایجاز اور جلال اسلوب کو دیکھ کر لرز گئی...... فوراً شاہی مشیروں کی مجلس مشاورت منعقد کی اور اس میں اس نے وہ خط پڑھ کر سنایا، ان سے رائے طلب کی اور انہیں کہا کہ میں ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کیئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتی اب بتاؤ اس خط کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟...... انہوں نے کہا کہ جہاں تک فوجوں کی تعداد، سامان جنگ کی فراہمی اور شجاعت و مردانگی کا تعلق ہے وہ تو آپ سے پوشیدہ نہیں، آپ خود جانتی ہیں کہ وقت آنے پر ہم اپنی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائیں گے، بہرحال جنگ کی ذمہ داری لینے کیلئے ہم تیار نہیں، اس کے متعلق قطعی فیصلہ وہ ہوگا جو آپ کریں گی، ہم آپ کے ہر حکم کو ماننے کیلئے بسر و چشم تیار ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں، اس کے معاشی وسائل پر اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں اور وہاں کے باشندوں کو افلاس و غربت میں مبتلا کر کے خوب ذلیل و رسوا کرتے ہیں، اس لئے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں لیکن یوں ہی اس کے دین کو قبول کر لینا بھی عقل کے خلاف ہے، لہٰذا میں یہ ہدیہ دے کر قاصد کو اس کی طرف بھیجتی ہوں، اس کے رویہ سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بادشاہ ہے یا نبی۔ اگر بادشاہ ہوا تو اس کے ساتھ بادشاہوں والا معاملہ کروں گی، اگر وہ نبی ہوا تو پھر بھی معلوم ہو جائے گا۔ جو ہدیہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھیجا، اس کے متعلق لوگوں نے بڑی مبالغہ آمیز باتوں سے کام لیا ہے، بہرحال اتنا ضرور ہے کہ وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہوگی بلکہ بڑی قیمتی اور نادر اشیاء ہوں گی......

قاصد جب ہدیہ لے کر پہنچے تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ تمہیں اپنی دولت و ثروت پر بڑا گھمنڈ ہے اور اپنے جواہرات سے بھرے خزانوں پر بڑے اتراتے ہو اور میری طرف یہ تحفہ بھیج کر تم خوشی سے پھولے نہیں سماتے، سمجھتے

ہو کہ تم نے بڑی ہی نادر چیزیں میری طرف بھیجی ہیں، لیکن کان کھول کر سن لو! میری نظر میں تمہارے ان تحائف اور نوادرات کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں جو خزانے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی ہیں ان کے سامنے یہ سب ہیچ ہیں انہیں اپنی ملکہ کے پاس لے جاؤ اور جا کر اسے میری طرف سے یہ بات صاف صاف سنا دو کہ اگر تم نے سورج کی پرستش سے توبہ کر کے میرے لائے ہوئے دین کو قبول نہ کیا تو میں ایسا لشکر جرار لے کر تم پر چڑھائی کروں گا کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر پاؤ گے...... قاصد نے وہ تمام تحائف بلقیس کو واپس دے دیئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا، چنانچہ وہ سمجھ گئی کہ آپ بادشاہ نہیں، نبی ہیں، اور ان کا مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں لیکن وہ ایمان لانے سے پہلے آپ کو اور آپ کے احوال کا خود مشاہدہ کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ شاہی تزک و احتشام کے ساتھ آپ کی طرف روانہ ہوئی، جب وہ قریب پہنچی تو آپ نے چاہا کہ اسے اپنے رب قدوس کی قدرت کاملہ کا ایک اور بین ثبوت دکھائیں۔ نیز اس پر یہ امر بھی واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنی عزت اور کس قدر کمال عطا فرمایا ہے اور آپ کے غلاموں میں بھی ایسے باکمال لوگ موجود ہیں جو ایسے کرشمے دکھا سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قال یایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین

چنانچہ آپ نے اپنے درباریوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں کون ہے جو بلقیس کے تخت کو اس کے مسلمان ہو کر یہاں پہنچنے سے پہلے لا سکے؟......

جنوں میں سے ایک طاقتور جن (عفریت) اٹھا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ اگر اس خادم کو حکم ہو تو اس مجلس کے برخاست ہونے سے قبل اسے یہاں پہنچا دوں، اگرچہ وہ تخت بڑا بھاری بھرکم ہے اور فاصلہ بھی ڈیڑھ ہزار میل سے زیادہ ہے لیکن میں قوی ہوں، ایسا کر سکتا ہوں اور میں امین (امانت دار) بھی ہوں جو قیمتی

جواہرات اس میں جڑے ہوئے ہیں ان میں ہرگز خیانت نہیں کرونگا...... آپ نے اس کی پیش کش کو قبول نہ فرمایا گویا آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ آپ کا کوئی درباری اس معمولی کام کیلئے اتنی لمبی مہلت مانگے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس بھی جلدی چاہئے، گویا آپ جانتے تھے کہ میرے امتیوں میں اس سے جلدی لانے کی طاقت والا بھی موجود ہے۔ چنانچہ

قال الذی عنده علم من الكتاب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك

اس آدمی نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا تھوڑا علم تھا کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت کو آپ کے پاس لے آؤں اور جب آپ نے آنکھ کھولی تو اس نے دم بھر میں بلقیس کا شاہی تخت پندرہ سو میل (دو ماہ) کی مسافت سے ملک یمن کے شہر سبا سے بیت المقدس (ملک شام) پہنچا دیا۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن جلد سوم ص ۴۳۵ تا ۴۴۵)

⊙ ...... علامہ نیشاپوری فرماتے ہیں:

كان عرش بلقيس في اقصى اليمن وسليمان في الشام

(تفسیر نیشاپوری ۶/۱۵)

ملکہ بلقیس کا تخت ملک یمن کے آخری حصہ (سبا) میں تھا اور سلیمان علیہ السلام ملک شام میں تھے۔

⊙ ...... علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

یہ تخت دو ماہ کی مسافت پر واقع تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی نے اسے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کر دیا۔ (تفسیر روح المعانی ۱۱/۲۰۶)

⊙ ...... علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

جمہور کے نزدیک اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا۔ (تفسیر قرطبی)

⊙ ...... حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن اسحاق، زہیر بن محمد وغیرہم نے کہا ہے کہ وہ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان شام میں تھے جب آصف بن برخیا نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ بلقیس کے تخت کو لے آئے تو وہ تخت زمین کے اندر سے گھسا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۴۰۰)

⊙ ...... علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

شیخ اکبر (حضرت محی الدین ابن عربی) قدس سرہٗ نے کہا ہے۔

کہ آصف نے عین عرش (تخت) میں تصرف کیا، اس نے عرش کو اس کی جگہ پر معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے موجود کر دیا۔

(تفسیر روح المعانی ۱۱/۲۰۶)

⊙ ...... تفسیر جلالین میں ہے:

وھو آصف بن برخیا کان صدیقا، یعلم اسم اللہ الاعظم الذی اذا دعی بہ اجاب (جلالین ص۳۲۰)

اور وہ آصف بن برخیا ہے، وہ صدیق تھے، جو کہ اللہ کے اس اسم اعظم کو جانتے تھے کہ جب اس کے وسیلے سے دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے۔

فوائد ومسائل

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ:

⊙ ...... اولیاء کرام ایک جگہ بیٹھ کر دوسری جگہ تصرف فرما سکتے ہیں۔

⊙ ...... ان سے اس قسم کے تصرف کیلئے عرض کرنا درست ہے۔

⦿ ...... وہ ایک آن میں مختلف جگہ پر حاضر اور موجود ہو سکتے ہیں، جیسے حضرت آصف بن برخیا ایک ہی وقت میں ملک شام میں بھی تھے اور سبا کے علاقے میں بھی۔

⦿ ...... اولیاء کرام کیلئے قرب وبعد کا فرق مٹ جاتا ہے، وہ دور ونزدیک یکساں دیکھتے اور تصرف فرماتے ہیں۔

⦿ ...... ان کے پاس جنوں سے بھی زیادہ قوت اور طاقت ہوتی ہے۔ شائد اسی حقیقت کو آشکارا کرنے کیلئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جن کی پیشکش کو مسترد کر کے ولی کی طاقت کا اظہار فرمایا۔

⦿ ...... حضرت آصف بن برخیا کو یہ طاقت آسمانی کتاب کا علم ہونے کی بناء پر حاصل تھی، جیسا کہ فرمایا:

عندہ علم من الکتاب (النمل) اس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا۔

اگر وہ "الکتاب" کے علم سے اس مرتبہ پر فائز ہو سکتے ہیں تو امت مسلمہ کے اولیاء (جن کے پاس "الکتاب المبین" (کھول کھول کر بیان کرنے والی کتاب قرآن) کا علم بھی ہو اور اسرار ومعارف سے آگاہی بھی مکمل ہو تو ان) سے ایسے امور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے...... جبکہ حضور اکرم ﷺ سب نبیوں سے افضل ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے، یونہی آپ کی امت کے اولیاء کرام، تمام امم کے اولیاء سے بلند وبالا ہیں تو امت محمدیہ کے اولیاء کرام سے اس سے بھی کہیں زیادہ کرامات کا صدور نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے۔

کرامات اولیاء کا احادیث مبارکہ سے ثبوت

گذشتہ صفحات میں سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ کا واقعہ گزر چکا ہے کہ وہ اولیاء بنی اسرائیل کی بارگاہ میں حاضری کی نیت سے آ رہا تھا، راستے میں ہی موت نے

آلیا، ان ولیوں کی برکت اور ان کے علاقہ کی نسبت سے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور اسے جنت والے فرشتوں کے سپرد کر دیا گیا۔

اس میں ان ولیوں کی کرامت اور عزت کا واضح ثبوت ہے۔

غار کا پتھر ہٹ گیا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص سفر کر رہے تھے، راستہ میں انہیں بارش نے آلیا، انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، اس غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک بڑا پتھر ٹوٹ کر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا، تب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: سوچو! تم نے محض اللہ کیلئے کوئی نیک عمل کیا ہو، تو اس کے وسیلہ سے دعا کرو، شاید اللہ تمہاری نجات کی صورت پیدا کر دے، ان میں سے ایک نے دعا مانگی، اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے، اور میری بیوی اور ایک چھوٹی بچی بھی تھی، میں ان سب کی خورد ونوش کا انتظام کرتا تھا، جب میں شام کو گھر آتا تو اپنے بچوں سے قبل اپنے بوڑھے ماں باپ کو دودھ پلاتا پھر اہل وعیال کو دیکھتا، ایک دن مجھے واپس گھر آنے میں دیر ہوگئی، میں شام سے پہلے نہ آسکا، میرے ماں باپ میرا انتظار کرتے کرتے سو گئے تھے، میں حسب معمول دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا اور میں نے ان کو نیند سے بیدار کرنا، ناپسند کیا اور میں نے یہ بھی ناپسند کیا کہ ان سے پہلے اپنی بچی کو دودھ پلا دوں، حالانکہ بچی میرے قدموں میں بھوک کی وجہ سے بلکتی رہی اور میں صبح تک اسی حال میں کھڑا رہا، اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے کہ میرا یہ عمل محض تیری رضا کیلئے تھا، پس تو ہمارے لئے کچھ کشادگی پیدا کر دے تاکہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں، تو اللہ تعالیٰ نے کچھ کشادگی پیدا کر دی (اور وہ پتھر تھوڑا سا سرک گیا) اور انہوں نے اس کشادگی

سے آسمان کو دیکھ لیا۔ دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی۔ میں اس سے بہت محبت کرتا تھا، جیسا کہ مرد عورتوں سے محبت کرتے ہیں، میں اس سے اپنی خواہش کو پورا کرنے کا سوال کرتا تھا (اسے زنا کی دعوت دیتا) اس نے مطالبہ کیا کہ پہلے سو دینار دو، میں نے محنت مشقت کر کے سو دینار جمع کیے اور وہ دینار اس کو دے دیئے، جب میں اپنی خواہش پوری کرنے لگا (اسے برہنہ لٹا کر اس کی دونوں رانوں کے درمیان بیٹھ گیا) تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر، اور ناحق مہر کو نہ توڑ، پس میں اس سے الگ ہو گیا، (اے اللہ!) تجھے خوب علم ہے کہ میرا یہ عمل صرف تیری رضا جوئی کیلئے تھا تو ہمارے لئے کچھ کشادگی پیدا کر دے تو انہیں مزید کشادگی مل گئی، اور تیسرے نے دعا کی اے اللہ! میں نے چاولوں کے ایک ٹوکرے کے عوض ایک مزدور طلب کیا جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا، تو اس نے کہا مجھے میرا حق دو، میں نے اس کو وہ ٹوکرا دیا، اس نے اس سے منہ پھیرا، میں نے ان چاولوں سے کاشت کاری کی اور اس کی آمدنی سے میں نے بہت سی گائیں اور چرواہے جمع کر لئے، ایک دن وہ مزدور آ گیا، اور اس نے کہا اللہ سے ڈر اور مجھے میرا حق دو، میں نے کہا یہ گائیں اور یہ چرواہے لے جاؤ اس نے کہا اللہ سے ڈرو اور مجھ سے مذاق نہ کرو، میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا، یہ گائیں اور چرواہے لے جاؤ، وہ ان کو لے گیا، (اے اللہ!) تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیری رضا حاصل کرنے کیلئے کیا تھا، پس (اس عمل کی وجہ سے) یہ باقی رکاوٹ بھی دور کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے اس غار کے منہ سے پتھر کو ہٹا دیا، (اور وہ صحیح وسالم باہر نکل آئے)۔ (بخاری ۱/۳۱۳، ۲/۸۸۲، مسلم ۲/۳۵۳، مشکوٰۃ ص ۴۲۰)

فوائد: یہ حدیث پاک اولیاء اللہ کی کرامت کا واضح ثبوت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی دعا کو قبول فرمایا اور بغیر کسی ظاہری سبب کے غار کے منہ سے پتھر ہٹا دیا۔

معلوم ہوا کہ

⊙ ...... نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا مانگنا درست ہے۔

⊙ ...... اسی طرح نیک اشخاص کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی درست ہے، اسے شرک گردانا قرآن وحدیث پر زیادتی ہے۔

⊙ ...... ماں باپ کی خدمت اور ان کو اپنے اہل وعیال پر ترجیح دینا بارگاہ خداوندی میں بڑا مقام رکھتا ہے۔

تین بچوں کا کلام کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

تین (نوزائیدہ بچوں) نے حالت بچپن میں کلام کیا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم، حضرت جریج کا صاحب (اور ایک اور بچہ)

حضرت جریج ایک عبادت گزار شخص تھے، انہوں نے ایک عبادت خانہ بنا رکھا تھا، جس میں وہ عبادت خداوندی بجالاتے، ایک دفعہ ان کی والدہ ان کے پاس اس وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہے تھے، اس نے آکر کہا اے جریج! تو انہوں نے (دل میں) کہا اے پروردگار! ایک طرف تیری عبادت ہے اور ایک طرف میری ماں ہے، پس وہ نماز پڑھتے رہے (اور والدہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے) ماں لوٹ گئی۔ دوسرے دن وہ پھر اسی وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہے تھے، اس نے کہا اے جریج! انہوں نے سوچنا شروع کر دیا پروردگار! ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف تیری نماز ہے، اور پھر وہ بدستور نماز پڑھتے رہے، اس کی ماں لوٹ گئی تیسرے روز بھی عین اسوقت آپ کی ماں نے آکر آپ کو پکارا، جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے اپنی نماز کو جاری رکھا، ماں لوٹ گئی، اور جاتے ہوئے یہ بددعا دے گئی، اے اللہ! اس کو اس

وقت تک موت نہ دینا جب تک اس کا بدکار عورتوں سے سامنا نہ ہو جائے ......
بنواسرائیل میں حضرت جریج کی عبادت کے چرچے تھے، اسی زمانے میں ایک بدکار عورت تھی جس کے حسن و جمال کا خوب شہرہ تھا، اس نے بنواسرائیل سے کہا اگر تم کہو تو میں اسے گناہ میں ملوث کردوں، وہ بدکار عورت ان کے پاس آئی اور انہیں بدکاری پر ابھارا، حضرت جریج نے اس کیطرف کوئی التفات نہ کیا، وہاں ایک چرواہا رہتا تھا، اس عورت نے اس چرواہے سے اپنی خواہش پوری کرلی اور اس سے حاملہ ہوگئی، جب بچہ پیدا ہوا تو اس نے شوروغل کیا کہ یہ جریج کا بچہ ہے، لوگ ان کے عبادت خانہ میں آئے، ان کو عبادت گاہ سے نکالا، مارنا پیٹنا شروع کیا، ان کی عبادت گاہ کو مسمار کردیا، انہوں نے لوگوں سے پوچھا تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟، انہوں نے کہا تم نے اس بدکار عورت سے زنا کیا اور اس سے تمہارا بچہ پیدا ہوا ہے، آپ نے کہا وہ بچہ کہاں ہے؟ وہ بچہ لے کر آئے، آپ نے کہا مجھے نماز پڑھنے کی مہلت دو، چنانچہ انہوں نے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس بچہ کے پاس گئے اور اس کے پیٹ پر انگلی چھوئی اور کہا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ بچہ بولا: فلاں چرواہا، تب لوگ حضرت جریج کی طرف لپکے، ان کو تعظیم سے چومنے لگے، اور انکو مس کرنے لگے اور کہنے لگے ہم آپ کیلئے سونے کی عبادت گاہ بنادیتے ہیں، انہوں نے فرمایا: نہیں، اس کو اسی طرح مٹی کی بنادو، جس طرح وہ پہلے تھی، تو انہوں نے اسے ویسے ہی بنادیا۔

⊙ ...... پچھلی امتوں میں ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا، وہاں سے ایک مضبوط سواری پر خوب صورت لباس پہنے ایک سوار گزرا، اس کی ماں نے کہا پروردگار! میرے بیٹے کو اس جیسا بنادے، اس بچے نے دودھ چھوڑ کر اس آدمی کو دیکھا اور کہا، اے اللہ مجھے اس کی مثل نہ بنانا اور پھر دودھ پینا شروع کردیا پھر ان کا گزر ایک باندی کے پاس سے ہوا جس کو لوگ مار رہے تھے، اور یہ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا

کیا ہے تو نے چوری کی ہے، اس کی ماں نے کہا اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا تو بچے نے دودھ چھوڑ کر اس لونڈی کو دیکھا اور کہا یا اللہ! مجھے اس کی طرح بنا دینا، اس کی ماں نے کہا تیرا سر مونڈ جائے...... ایک آدمی خوب صورت لباس پہنے، اچھی سواری پر گزرا تو میں نے دعا کی کہ اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل بنا دینا، تو تو نے کہا اے اللہ! مجھے اس کی مثل نہ بنانا، اور جس لونڈی کو لوگ مار رہے ہے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے، تو نے چوری کی ہے اور میں نے دعا مانگی کہ پروردگار میرے بیٹے کو اس کی طرح نہ بنانا تو تو نے کہا کہ اے اللہ مجھے اس جیسا بنا دینا، اس بچے نے کہا وہ گھوڑ سوار ایک ظالم آدمی تھا، اس لئے میں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! مجھے اس کی مثل نہ بنانا، اور وہ باندی جسے لوگ زدوکوب کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے، تو نے چوری کی ہے حالانکہ اس نے نہ زنا کیا اور نہ چوری کی، تو میں نے کہا پروردگار مجھے اس کی مثل بنانا۔ (بخاری ۱/۴۸۹، ۴۹۳، مسلم ۱/۳۱۳، مسند احمد ۲/ ۳۹۷، مشکوۃ)

فوائد: اس واقعہ میں حضرت جریج کی والدہ کی کرامت یہ ہے کہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور جیسے کہا ویسے ہی ہوا۔

⊙ ...... حضرت جریج کی کرامت یہ ہے کہ ان کے کہنے سے نوزائیدہ بچے نے باتیں کیں اور ان کی برات کا اعلان کیا۔

⊙ ...... اس میں دودھ پیتے بچے کی بھی کرامت واضح ہے کہ اس نے حالت طفولیت میں سوار اور باندی کی حقیقت کو جان لیا۔

⊙ ...... سابقہ شریعت میں ماں کی آواز پر نفل نماز توڑنا جائز نہ تھا اس لئے حضرت جریج نے نماز نہ توڑی جبکہ ہماری شریعت میں نفلی نماز صرف ماں کے بلانے پر توڑنا جائز ہے اور باپ کے توڑنے پر جائز نہیں ملاحظہ ہو!

مختلف احادیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے یہی حکم فرمایا ہے:

(شعب الایمان رقم ۷۸۸۳، الدر المنثور ۴/۱۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۹۳ رقم ۸۰۱۳)

اور فرض نماز کو کسی کے بلانے پر بھی توڑنا جائز نہیں ...... صرف رسول کریم ﷺ کے بلانے اور یاد فرمانے پر توڑا جاسکتا ہے ملاحظہ ہو۔

(بخاری ۵۰۰۶، ابوداؤد ۱۴۴۵، ابن ماجہ ۳۷۸۵، ترمذی ۲۸۸۴)

⊙ ...... اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کے اختیار اور ان کی طلب سے کرامت کا وقوع ہوتا ہے۔

طفولیت میں کلام کرنے والے بچے

بچپن کی حالت میں درج ذیل بچوں نے کلام کیا ہے:

۱...... حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دینے والا بچہ، جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح موجود ہے:

وشهد شاهد من اهلها (یوسف)

اور اس (زلیخا) کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔

۲...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ حضرت مریم کی عفت وطہارت کی گواہی دیتے ہوئے پنگھوڑنے میں ہی فرمادیا:

انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا (مریم)

میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

۳...... سابقہ زمانے میں ایک بادشاہ نے جب مسلمانوں کو زندہ جلانے کیلئے آگ جلائی تو ایک عورت کو اس آگ میں پھینکنے کا حکم دیا، اس کے پاس اس کا دودھ پیتا بچہ تھا، وہ ذرا ہچکچائی تو بچہ بول اٹھا:

یاامه اصبری فانک علی الحق (مسلم ۲/۴۱۵، ۱۸/۶)

اے ماں!......صبر کر (اور چھلانگ لگا دے) بے شک تو حق پر ہے۔

اس قصہ کا ذکر قرآن نے سورۃ البروج میں قتل اصحاب الخدود کے الفاظ سے کیا ہے۔

۴...... اسی طرح فرعون کی بیٹی ماشطہ کو جب آگ میں ڈالا جانے لگا تو اس کا بیٹا بھی پکار اٹھا: اصبری فانک علی الحق (مسند احمد، مستدرک، مواہب لدنیہ ۶/۱۴۷)

صبر کر تو حق پر ہے۔

۵...... حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی پنگھوڑے میں کلام کیا تھا۔

(اخرج الثعلبی عن الضحاک حاشیہ بخاری ۱/۴۸۹)

۶...... اسی طرح ہمارے آقا، تاجدار مدینہ ﷺ نے بھی بچپن میں کلام فرمایا ہے۔

(المواہب اللدنیہ ۲/۱۴۷، حاشیہ بخاری ۱/۴۸۹، دلائل النبوۃ للبیہقی، سیر الواقدی)

۷...... حضرت جریج نے جس بچہ کو انگلی ماری تو وہ اسی وقت بول کر آپ کی براءت کا اعلان کرنے لگا۔

۸...... ایک عورت جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی تو اس بچے نے دو بار کلام کیا۔

۹...... زمانہ نبوی میں مبارک الیمامہ نے جھولے میں کلام کیا۔ (مواہب الدنیہ ۶/۱۴۷)

۱۰...... امام سیوطی علیہ الرحمۃ کی تحقیق میں گیارہ بچوں نے کلام کیا ہے۔ انہوں نے ایک رباعی میں اس کا ذکر کیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے وہ رباعی درج ذیل ہے:

تکلم فی المهد النبی محمد ... ویحییٰ وعیسی والخلیل ومریم

ومبری جریج ثم شاهد یوسف ... وطفل لدی الاخدود یرویه مسلم

وطفل علیه مربالامة التی ... یقال لها تزنی ولا تتکلم

وما شطة فی عهد فرعون طفلها ... وفی زمن العادی المارکب یختم

(المواہب اللدنیہ ۶/۱۴۷)

صحابہ کرام کی چند کرامات

امت مسلمہ میں وہ طبقہ جو مقام ولایت میں سب سے بلند اور افضل ہے وہ صحابہ کرام کا طبقہ ہے، لاکھوں اغواث واقطاب، کروڑوں ابدال واوتاد اور ہزاروں صاحب کشف وکرامت اولیاء، اپنی عبادت وریاضت، محنت ومشقت، ذکر وفکر، وجد وحال، تہجد گزاری وشب زندہ داری، کثرت نوافل وشہرت صدقات وخیرات کے باوجود اس مقام کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے، بلکہ ان بزرگون کا ولایت میں مقام اس قدر بلند ہے کہ تمام دنیا کے اگلے، پچھلے اولیاء کو ان کے نقش پا کو بوسہ دینے کی سعادت نصیب ہو جائے تو یقیناً انکی ولایت، کرامت اور ایمان کو معراج اور کمال حاصل ہو جائے...... انہیں پاکبازوں کی وساطت سے ولیوں کو ولایت نصیب ہوئی اور قیامت تک آنے والے اولیاء کی کرامات انہیں کے قدموں کی خیرات ہیں۔ اگر صحابہ کرام کی کرامات کو بالاستیعاب جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ تاہم محض حصول برکت کی نیت سے صحابہ کرام کی چند کرامات پیش خدمت ہیں۔ تاکہ عوام الناس آسمان ولایت کے ان درخشندہ ستاروں اور گلستان کرامت کے ان مہکتے ہوئے پھولوں کی چمک اور مہک سے اپنے مشام جان کو منور اور معطر کر سکیں۔ فھو ھذا

حضرت صدیق اکبر کی کرامات

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تین افراد کو کھانا کھلانے کی غرض سے گھر لائے، انہیں گھر چھوڑ کر خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ رات کا کھانا دستر خوان نبوت سے ہی تناول کیا...... نماز عشاء ادا کرنے کے

بعد حضور اکرم ﷺ سے محو کلام رہے رات کا کافی حصہ گزر گیا، ہم نے مہمانوں کو کھانا پیش کیا لیکن انہوں نے آپ کی عدم موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ کی زوجہ نے کہا: آپ مہمانوں کو گھر بلا کر کہاں غائب ہو گئے تھے؟ آپ نے فرمایا کیا مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا...... انہوں نے کہا ہم نے تو کھانا پیش کیا تھا لیکن انہوں نے کہا: جب تک صاحب خانہ نہیں آئیں گے ہم کھانا نہیں کھائیں گے، حضرت صدیق اکبر کو اپنے بیٹے عبدالرحمٰن پر سخت غصہ آیا، وہ آپ کی اس خفگی کو دیکھ کر چھپ گئے، آپ نے فرمایا: ارے بے وقوف! (ادھر آؤ!) اور انہیں سخت ڈانٹا...... جب آپ کا غصہ سرد ہوا، تو آپ نے مہمانوں کو کھانا تناول کرنے کا کہا، انہوں نے حلفاً کہا کہ جب تک آپ نہیں کھائیں گے، ہم بھی اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائیں گے چنانچہ آپ مہمانوں کے ساتھ کھانے کیلئے بیٹھ گئے...... جب بھی برتن میں سے کوئی لقمہ اٹھاتے تو جتنا لقمہ ہاتھ میں لیتے اس سے کہیں زیادہ کھانا برتن میں نیچے سے اور ابھر آتا، اور جب تمام مہمان شکم سیر ہو کر کھانے سے فارغ ہوئے تو کھانا بجائے کم ہونے کے پہلے سے زیادہ ہو گیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مارے خوشی کے اپنی زوجہ کو آواز دی، اے بنو فراس کی بہن! دیکھو یہ معاملہ کیا ہے، برتن میں کھانا پہلے سے زیادہ معلوم ہوتا ہے، بیوی نے قسم اٹھا کر کہا کہ واقعی کھانا پہلے سے کئی گنا بڑھ گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر اس کھانے کو بارگاہ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے، ساری رات وہ کھانا در رسالت پر پڑا رہا صبح ہوئی تو اتفاقاً ایک قافلہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، جس میں بارہ سردار تھے اور ہر سردار کے ساتھ کئی اور شتر سوار تھے، اس قافلہ والوں نے جی بھر کے کھانا کھایا، وہ شکم سیر ہو گئے، لیکن کھانا ابھی تک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ (بخاری ۱/۵۰۶)

⊙ ...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وصال میں حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ بیٹی! وہ بیس وسق کٹی ہوئی خشک کھجوریں جو میں نے تجھے بھیجی تھیں وہی آج میرے ورثاء کا مال ہے، بیٹی! تیرے دو بھائی ہیں اور دو بہنیں، تم اللہ کی کتاب کے مطابق اس کو تقسیم کرلو، حضرت عائشہ نے عرض کیا: خدا کی قسم! اگر معاملہ یوں تھا تو میں انہیں چھوڑ دیتی، اور میری بہن تو ایک اسماء ہی ہے (دوسری بہن کونسی ہے؟) آپ نے فرمایا:

ذوبطن ابنة خارجة اراها جارية

(موطا امام مالک ص ۳۱۴، تاریخ الخلفاء ۶۱ بیہقی ۶/۱۷۰، طحاوی ۲/۲۴۵ الاصابہ ۸/۲۸۶)

تیری سوتیلی ماں بنت خارجہ کے پیٹ میں جو حمل ہے اس کے متعلق میں بتا رہا ہوں کہ وہ لڑکی ہے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے **القی فی روعی انها جارية فاستوصی بها خيرا فولدت ام کلثوم** (تاریخ الخلفاء ص ۸۳ مطبوعہ کراچی، ازالۃ الخفاء ص ۲۱ مقصد نمبر ۲ حجۃ اللہ البالغہ ۲/۸۲۰) میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ وہ بچی ہے، میں اس سے بھلائی کی وصیت کرتا ہے تو آپ کے پیشگوئی کے مطابق ام کلثوم پیدا ہوئی۔

حضرت علامہ امام تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے صدیق اکبر کی دو کرامتیں ظاہر ہیں

- ...... وفات سے قبل جان لینا کہ میرا انتقال اسی مرض میں ہوگا۔
- ...... حاملہ کے شکم کے متعلق جان لینا کہ وہ لڑکی ہے۔

فائدہ : اس حدیث سے معلوم ہوا

- ...... اولیاء کرام کو بسا اوقات اپنے وصال کے متعلق بھی بتا دیا جاتا ہے۔
- ...... انہیں شکم مادر کے حالات پر بھی مطلع کیا جاتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم کی کرامات

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر (نہاوند کے علاقہ میں) بھیجا، اس کا امیر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، لشکر وہاں پہنچ کر جب دشمن کے مقابلہ میں آیا، دوران جنگ ایک موقعہ ایسا آیا کہ اسلامی لشکر کافروں کے نرغے میں آتا دکھائی دے رہا تھا ادھر حضرت فاروق اعظم جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ نے انہیں ملاحظہ کیا تو دوران خطبہ ہی انہیں کفار سے بچاؤ کی تدبیر اور فتح وکامیابی کا طریقہ سمجھاتے ہوئے پکارا۔

یاساری الجبل (مشکوٰۃ ص ۵۴۶ دلائل النبوۃ لاامام بیہقی ۶/ ۳۷۰، تاریخ الخلفاء ص ۱۲۵، الاصابہ، مرقاۃ ۱۱/ ۲۳۴)

اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جا۔

دوران خطبہ یہ بے جوڑ الفاظ سن کر بعض صحابہ کرام ناراض ہوئے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آپ سے کچھ بے تکلف تھے، کہنے لگے، اے امیر المومنین! آپ لوگوں کو اپنی ذات پر اعتراض اور طعن وتشنیع کا موقعہ دیتے ہو! آپ نے خطبہ کے دوران یہ الفاظ کیوں بولے تھے یاساریۃ الجبل؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

رایت المشرکین ھزموا اخواننا ویاتونھم من بین ایدیھم وظھورھم فامرتھم ان یسندوا ظھورھم الی الجبل حتی یقاتلوا من وجہ (النمر اس ص ۴۷۱، ازالۃ الخفاء ۲/ ۱۶۶)

میں نے مشرکین کو دیکھا کہ وہ ہمارے بھائیوں کو شکست دینے کے قریب ہو گئے ہیں اور انہوں نے ان کا آگے پیچھے سے احاطہ کر لیا، تو میں نے اہل اسلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی پشتوں کو پہاڑ کی طرف کر لیں اور ایک طرف ہو کر جنگ لڑیں۔

چنانچہ بعدازیں لشکر سے ایک آدمی پیغام لے کر آیا کہ ہم دشمن کے نرغے میں آ چکے تھے اور شکست کھانے کے قریب ہو چکے تھے تو ایک پکارنے والے نے ہم کو پکار کر کہا کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جا، تو ہم نے اپنی پیٹھ پہاڑ کی جانب کر لی، پس دشمن کو شکست ہو گئی..... تو صحابہ کرام نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، جناب وہ آواز آپ نے دی تھی جس کی وجہ سے فتح نصیب ہوئی ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۳۷۰)

جس پہاڑ کے قریب حضرت ساریہ تھے وہ عجم کے علاقے میں تھا

حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں کہا ہے کہ اسکی سند حسن ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۵)

⊙ ...... حضرت امام ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فیہ انواع من الکرامۃ لہ رضی اللّٰہ عنہ کشف المعرکۃ وایصال صوتہ وسماع کل منھم لصیحتہ وفتحھم ونصرھم ببرکتہ

(مرقاۃ ۱۱/۲۳۴)

اس حدیث میں حضرت عمر کی کئی قسم کی کرامات کا اثبات ہے، میدان جنگ کا آپ پر منکشف ہو جانا، اپنی آواز کو وہاں تک پہنچانا، مجاہدین میں سے ہر ایک کا آپ کی آواز کو سن لینا، اور آپ کی برکت سے ان کا فتح و نصرت پانا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ

⊙ ...... اولیاء کرام کیلئے حجابات اٹھ جاتے ہیں

⊙ ...... وہ اپنی آواز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا سکتے ہیں

⊙ ...... ان کی برکت و وسیلہ سے فتح و کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے۔

گکھڑوی صاحب کا دھوکہ

دیوبندی جماعت کے محدث مولوی سرفراز گکھڑوی صاحب نے لاکھ ہاتھ

پاؤں مارے کہ اس واقعہ کا حلیہ بگاڑا جائے، کئی پاپڑ بیلنے کے بعد آخری حربہ انہوں نے یہ اختیار کیا کہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کا علم خواب میں ہوا تھا اور انہوں نے یہ الفاظ کہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا لشکر موجود رہتا ہے شاید وہ میری بات ساریہ تک پہنچا دے چنانچہ لشکر نے یہ کلمات ان تک پہنچا دیئے۔ (گلدستہ توحید ص ۱۴۸)

اس عمل کو گکھڑوی صاحب کی جہالت سے تعبیر کریں یا خیانت، دھوکہ دہی اور فریب کاری کا نام دیں، کیونکہ گکھڑوی صاحب آگے پیچھے حدیث اور اصول حدیث پر اپنی اجارہ داری کا زعم لیئے مختلف کرتب دکھاتے رہتے ہیں، یہاں آ کر انہوں نے اصول جرح وتعدیل کو فقط اس لئے پس پشت ڈالا تا کہ حضرت عمر کے مشاہدہ اور تصرف کا انکار کیا جا سکے، حالانکہ ان کی پیش کردہ یہ روایت دیگر صریح صحیح اور حسن احادیث کے معارض ہے لہذا حجت نہیں۔ جیسا کہ اس روایت کے آخر میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں کہ:

صعد المنبر فخطب الناس واخبرهم بصفة ما رای ثم قال یاساریة الجبل (البدایہ والنھایہ ۷/۱۴۳)

آپ منبر پر چڑھے، لوگوں کو خطبہ دیا، رات کے معاملہ کی خبر دی اور پکار کر کہا، اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جا۔

گکھڑوی صاحب ''یا'' کہنے سے بھاگے تھے اور یہ ''یا'' بھی ان کے پیچھے ہی بھاگ آئی۔

حقیقت یہ ہے کہ گکھڑوی صاحب کی پیش کردہ یہ روایت نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اس میں ''سیف بن مدار'' راوی ہے جس کے متعلق محدثین نے متروک الحدیث، لیس بشئی موضوع روائتیں گھڑنے والا ساقط الاعتبار اور زندیق تک کہا ہے ملاحظہ ہو! (تہذیب التہذیب ۲/۲۶۸)

لیکن افسوس کہ مخالفین کے امام وقت اور محدث اعظم اپنی دیوبندی ناؤ کنارے لگانے اور اپنا باطل مقصد پورا کرنے کیلئے یوں تعصب اور جنون کا شکار ہوئے کہ ایسے نا قابل اعتبار راویوں کو بطور ملاح ڈھونڈ لائے جو سخت درجہ ناتواں اور کمزور ہیں...... جن کے ملاح ایسے ہوں ان کی کشتیاں بھنور میں ہچکولے کھاتی رہتی ہیں، کنارے نہیں لگ سکتیں۔ اور بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس جماعت کے اماموں کا یہ حال ہے ان کے مقتدیوں اور متبدیوں کا کیا حال ہوگا۔

جبکہ اندھے ہیں خود پیرومرشد
رہبری کیا کریں گے اندھے گھرانے والے

⊙ ...... ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں روضہ مبارکہ کی تعمیر نو کے دوران ایک دیوار گر پڑی تو روضہ مقدسہ سے ایک پاؤں (پنڈلی اور گھٹنوں تک) ظاہر ہوگیا، لوگ گھبرا گئے، سب نے یہی خیال کیا کہ یہ حضور اکرم ﷺ کا قدم مبارک ہے، لیکن کسی آدمی کو حقیقی بات کا علم نہ ہوسکا، حتیٰ کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے پاؤں کو دیکھا، جب اچھی طرح پہچان کرلی تو فرمایا:

لا واللہ ماھی قدم النبی ﷺ ماھی الا قدم عمر (بخاری ۱/۱۸۶)

خدا کی قسم! یہ نبی مکرم ﷺ کا قدم مبارک نہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم شریف ہے...... تب مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور ان کی بے چینی اور گھبراہٹ ختم ہوئی اور انہیں سکون ملا۔

فائدہ

معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روضہ مقدسہ میں جسمانی حیات کے ساتھ آرام فرما ہیں کئی برس گزر جانے کے باوجود قبر کی مٹی آپ کے جسم پر اثر انداز نہ ہوسکی، اگر خادموں اور غلاموں کی حیات قبر کا یہ عالم ہے تو آقائے دوجہاں،

رحمت عالمیاں سردار مرسلاں علیہ التحیۃ والثناء کی برزخی حیات مبارکہ کا عالم کیا ہوگا؟

معلوم ہوا کہ اللہ والے قبروں میں بھی سلامت رہتے ہیں

⊙ ...... اہل مصر کی تمام تر پیداوار کا مدار دریائے نیل کی آمدنی پر تھا، جب دریائے نیل خشک ہو جاتا تو اہل مصر حسن کی پیکر ایک دوشیزہ کو اس کی بھینٹ چڑھاتے تو وہ جاری ہو جاتا ورنہ خشک ہی رہتا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس علاقہ کو فتح کیا تو آپ نے ان لوگوں کا طریقہ کار کوسنا، تو آپ نے فرمایا اب کی بار ایسا نہیں کیا جائیگا، کیونکہ اسلام ایسی تمام غیر شرعی رسومات کو مٹانے آیا ہے، چنانچہ جب دریا خشک ہوا تو آپ نے حضرت فاروق اعظم کو بذریعہ خط حالات سے باخبر کیا اور رہنمائی کیلئے گزارش پیش کی، حضرت فاروق اعظم نے جواباً دریا کے نام خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

من عبداللّٰہ عمر بن الخطاب امیر المومنین الی نیل مصر اما بعد فان کنت تجری من قبلک فلا تجر وان کان اللّٰہ یجریک فاسال الواحد القھار ان یجریک (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۷)

ترجمہ: اللہ کے بندے عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام، حمد وصلوٰۃ کے بعد، اے دریا! اگر تو خود بخود جاری ہوا کرتا تھا تو نہ جاری ہو، اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ جاری کرتا تھا تو میں اس واحد قھار ذات سے عرض کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔

آپ کے حکم کے مطابق آپ کا یہ خط دریا میں ڈال دیا گیا، جونہی حضرت فاروق اعظم کا خط خشک دریا میں ڈالا گیا وہ فوراً جاری ہو گیا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۲۷، حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۸۶۱ الریاض النضرہ ہتکریم المومنین ص ۵۸ از نواب صدیق حسن غیر مقلد، جمال الاولیاء ص ۷۰ از اشرف علی تھانوی دیوبندی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریا کے نام خط لکھنا اور دریا کا جاری ہو جانا، آپ کی واضح کرامت ہے۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ اولیاء کرام غیر ذی ارواح پر بھی بحکم الٰہی تصرف فرما سکتے ہیں اور انسانی مخلوق کے علاوہ دیگر مخلوق بھی عظمت اولیاء کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی کرامات

ایک شخص نے راستے میں چلتے ہوئے ایک اجنبی عورت کو بری نظر سے گھور گھور کر دیکھا، بعد ازیں وہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا، آپ نے اسے دیکھتے ہی پر جلال لہجہ میں فرمایا تم لوگ ایسی حالت میں میرے پاس آتے ہو کہ تمہاری آنکھوں میں زنا کاری کے اثرات ہوتے ہیں......وہ شخص (جل بھن کر) کہنے لگا کیا رسول کریم ﷺ کے بعد آپ پر وحی اترنے لگی ہے؟ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میرا آنکھوں میں زنا کے اثرات ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے اوپر وحی تو نازل نہیں ہوتی مگر میں نے جو کہا ہے وہ بالکل حق اور سچ ہے، خداوند قدوس نے مجھے ایک ایسی نورانی بصیرت (فراست) عطا فرمائی ہے کہ جس سے لوگوں کے قلبی حالات و خطرات کو معلوم کر لیتا ہوں۔

(طبقات السبکی، حجۃ اللہ علی العالمین ۲/۸۶۲ ازالۃ الخفاء ۲/ ۲۲۷)

فائدہ: معلوم ہوا کہ اولیاء کرام خدا کی طرف سے عطا شدہ نور فراست کی وجہ سے قلبی حالات اور دیگر اعضاء کے معاملات پر مطلع ہو جاتے ہیں۔

⊙ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں منبر اقدس پر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک بدنصیب شخص "جہجاہ غفاری" نامی کھڑا ہو گیا اور آپ کے ہاتھ مبارک

سے عصا مبارک چھین کر توڑ دیا، آپ نے نہایت صبر و حلم سے کام لیا، اور اس سے کوئی مواخذہ نہ کیا، لیکن خدائے رب العزت نے اس کی بے ادبی اور گستاخی پر اسے یہ سزا دی کہ اس کے ہاتھ میں کینسر کا مرض پیدا ہو گیا اور ہاتھ گل سڑ کر گر پڑا، وہ یہ سزا پا کر ایک سال کے اندر ہی مر گیا (تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴، حجۃ اللہ علی العالمین ۲/۸۶۲)

فائدہ : اسمیں حضرت عثمان کے گستاخ کو سزا دے کر آپ کی کرامت کا اظہار کیا ہے۔

⊙ ...... اولیاء کرام اور بندگان خدا کی بے ادبی اور توہین سے بچنا چاہیے ورنہ اگر وہ درگزر بھی کریں تو عذاب خداوندی انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

❁ ...... جن دنوں باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محاصرہ میں لے رکھا تھا، آپ کے گھر میں پانی کی ایک بوند بھی لے جانے پر پابندی لگا رکھی تھی، حضرت عثمان کو پیاس کی شدت نے ستایا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام آپ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے آپ اس دن روزے کی حالت میں تھے، آپ نے فرمایا: عبداللہ! آج میں زیارت نبوی سے مشرف ہوا ہوں...... آپ نے فرمایا: عثمان! ظالموں نے تیرا پانی بند کر کے تجھے شدت پیاس میں مبتلا کر رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! تو فوراً آپ نے دریچے میں سے ایک ڈول میری طرف دراز کیا، اس میں نہایت شیریں اور ٹھنڈا پانی تھا، میں نے اسے پیا اور سیراب ہو گیا، بعد ازیں آپ نے فرمایا: عثمان! تم چاہو تو میں تمہاری مدد کر دوں، اگر چاہو تو روزہ ہمارے پاس افطار کرنا...... میں نے اسی (دوسری بات) کو اختیار کر لیا ہے، چنانچہ اسی روز آپ کو شہید کر دیا گیا۔

(الحاوی للفتاوی ۲/۲۶۲، البدایہ والنھایہ ۷/۱۸۲، الروض الریاحین، جمال الاولیاء ص ۶۰ از اشرف علی تھانوی)

فائدہ: اس میں حضرت عثمان غنی کی یہ کرامت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پیاس کی شدت کے وقت انہیں سیراب فرمایا۔

⊙ ...... یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور اکرم ﷺ اپنی امت سے بے خبر نہیں، حالات سے

واقف ہیں، اور آپ کو اپنی امت کی مدد، رہنمائی اور مشکل کشائی کا بھی اختیار حاصل ہے۔

⊙ ...... یہ بھی واضح ہوا کہ اولیاء کرام کو بارگاہ نبوی سے خصوصی نسبت حاصل ہے، مشکلات میں وہاں سے ان کی دستگیری ہوتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامات

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے دونوں شہزادوں (امام حسن، امام حسین رضی اللہ عنہما) کے ہمراہ حرم کعبہ میں موجود تھے، رات کا درمیانی وقت ہوا تو اچانک کسی آدمی کی آواز سنائی دی، جو بڑی گریہ وزاری کیساتھ گڑگڑا کر اپنی حاجت کے حصول کیلئے دعا مانگ رہا تھا، آپ نے حکم دیا کہ اسے میرے قریب لاؤ، چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی، جب وہ سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ اس کا جسم ایک طرف سے فالج زدہ ہے، جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے، وہ زمین پر گھسٹتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے حقیقت حال کے متعلق سوال کیا، وہ بولا امیر المومنین! میں بڑی دیدہ دلیری سے گناہوں میں دن رات ملوث رہتا تھا، میرا والد نیک، صالح اور پابند شریعت آدمی تھا، وہ مجھے بار بار گناہوں سے رکنے کی تاکید کرتا، میں باپ کی نصیحت سے تنگ آ کر اس پر برس پڑا، اور اسے خوب زدوکوب کیا میرا والد رنج وغم کی حالت میں صحن کعبہ میں آیا اور اس نے میرے لئے بددعا کی ابھی اس کی دعا کے الفاظ پورے نہ ہوئے تھے کہ میرے جسم کی ایک کروٹ پر فالج کا اثر ظاہر ہو گیا اور میں زمین پر گھسٹ کر چلنے لگا، اس کڑی سزا سے مجھے سخت عبرت حاصل ہوئی اور میں نے رو رو کر اپنے والد سے اپنے جرم کی معافی مانگی، میرے والد کو رحم آیا، اس نے اپنی محبت پدری کا اظہار کرتے ہوئے مجھے معاف کر دیا، اور کہنے لگا، بیٹا! چل میرے ساتھ حرم کعبہ میں، جس جگہ تیرے لئے بددعا کی تھی میں اسی مقام پر تیری صحت یابی کی دعا کرنے چلتا

ہوں، میں نے فوراً ایک اونٹنی کا انتظام کیا، والد کو اس کی پشت پر سوار کر کے یہاں لا رہا تھا کہ اچانک اونٹنی بدک گئی اور میرا باپ اس کی پیٹھ سے گر کر ہلاک ہو گیا، اب میں تنہا یہاں حاضر ہو کر اپنے جرم کی معافی اور تندرستی کی دعا مانگ رہا ہوں! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب سارا ماجرا سماعت فرمایا تو اس آدمی سے فرمایا: اے شخص! اگر واقعی تیرا باپ تجھ سے راضی ہو گیا تھا، تو تسلی رکھ تیرا خدا بھی تجھ سے خوش ہو گیا ہے، وہ عرض کرنے لگا امیر المومنین! قسم بخدا! میرا والد مجھ پر خوش ہو گیا تھا آپ نے اس کی حالت زار پر رحم کرتے ہوئے اسے تسلی دی اور چند رکعت نفل پڑھ کر اس کی صحتیابی کی دعا فرمائی، اور فرمایا: اے شخص! اٹھ، کھڑا ہو جا! آپ کا فرمان سنتے ہی وہ فوراً اٹھا اور بلا تکلف چلنے لگا، آپ نے فرمایا: اگر تو قسم اٹھا کر نہ کہتا کہ تیرا والد تجھ سے خوش ہو گیا تھا تو میں ہرگز تیرے لئے دعا نہ کرتا۔ (طبقات للسبکی، حجۃ اللہ علی العالمین ۲/۸۶۳)

فائدہ: معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کی دعاؤں سے شفامل جاتی ہے

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ارشاد فرمائی، تو ایک بدبخت نے نہائت دریدہ ذہنی سے کہا امیر المومنین! آپ جھوٹے ہیں، آپ نے فرمایا اگر میں سچا ہوں تو تو قہر الٰہی میں گرفتار ہو جائے، وہ بدنصیب کہنے لگا آپ میرے لئے بددعا کیجئے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، ابھی اس کے یہ لفظ مکمل بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ دونوں آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھا، جب بینائی چلی گئی تو ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا۔

(ازالۃ الخفاء ، ۲ ، ۳ـ۲)

فائدہ: معلوم ہوا اللہ والوں کی بارگاہ میں زبان سنبھال کے بولنا چاہیے، ان کی توہین سے دنیا و آخرت میں نقصان ہوتا ہے۔

❁...... ایک بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ہمراہ میدان کربلا میں اس مقام پر پہنچے جہاں آج حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر

مبارک بنی ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا آنے والے وقت میں یہاں آل رسول کا ایک قافلہ ٹھہرے گا، اس جگہ ان کے اونٹ بندھے ہوں گے اور اس مقام پر اہل بیت کے نوجوانوں کی شہادت واقع ہوگی، اور یہ جگہ ان کا مدفن ہوگی، ان پر آسمان اور زمین روئیں گے۔ (الریاض النضرۃ، ازالۃ الخفاء ۲/۲۷۳)

فائدہ: معلوم ہوا کہ اہل اللہ کو کشف والہام کے ذریعے آئندہ حالات سے بھی علم مل جاتا ہے، اور وہ لوگوں کی وفات اور دفن تک کی کیفیات سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔

چند دیگر اصحاب نبوی کی کرامات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے دس جاسوس بھیجے اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جس وقت وہ مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو ہذیل کے قبیلہ بنو لحیان میں ان کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے سو تیر اندازوں کا ایک دستہ ان کے تعاقب میں بھیجا، وہ ان کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں صحابہ کرام نے بیٹھ کر کھجوریں تناول کی تھیں، وہ کہنے لگے یہ کھجوریں یثرب (مدینہ طیبہ) کی ہیں، پھر وہ ان نشانات پر چل پڑے حتی کہ حضرت عاصم اور ان کے اصحاب کو ان کے آنے کا پتہ چل گیا، کافروں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور مسلمانوں سے کہنے لگے تم خود کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے حضرت عاصم نے فرمایا: میں کسی کافر کے وعدہ پر ہتھیار نہیں ڈالوں گا، پھر بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی

اللھم اخبر عنا نبیک (بخاری ۲/۵۶۸)

اے اللہ! ہمارے حال سے ہمارے نبی کو مطلع فرمادے۔

کافروں نے تیر مارنے شروع کیے اور حضرت عاصم کو شہید کر دیا، اور تین صحابہ کافروں کی امان کے وعدہ پر ان کے پاس آ گئے ...... ان میں حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور ایک اور صحابی تھے، جب کافروں نے ان کو (بجائے امان دینے کے) باندھنا شروع کیا تو تیسرے صحابی کہنے لگے، یہ پہلی عہد شکنی ہے۔ اللہ کی قسم میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، میرے لئے ان شہداء (جو بقیہ صحابہ حضرت عاصم کے ساتھ شہید ہو چکے ہیں) میں نمونہ ہے، انہوں نے آپ کو گھسیٹ کر لے جانا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا، وہ حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو لے گئے حتی کہ ان کو جنگ بدر کے بعد بیچ دیا، بنو حارث بن عامر بن نوفل نے حضرت خبیب کو خرید لیا، کیونکہ حضرت خبیب نے ان کے باپ حارث بن نوفل کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا، حضرت خبیب ان کے ہاں کئی دن قید میں رہے، حتی کہ انہوں نے حضرت خبیب کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا، حضرت خبیب نے حارث کی بعض بیٹیوں سے استرا مانگا تا کہ اس سے موئے زیر ناف کو صاف کریں، اس کا بچہ حضرت خبیب کے پاس چلا گیا، وہ اس سے غافل تھی، جب اس نے دیکھا کہ اس کا بچہ آپ کی ران پر بیٹھا ہے اور استرا ان کے ہاتھ میں ہے تو وہ ڈر گئی، حضرت خبیب اس کی کیفیت کو بھانپ گئے...... آپ نے فرمایا کیا تجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس بچہ کو قتل کر دوں گا، نہیں ...... میں ایسا نہیں کروں گا۔ وہ عورت کہنے لگی:

واللّٰہ مارأیت اسیراً خیراً من خبیب واللّٰہ لقد وجدته یوماً یاکل قطفاً من عنب فی یده وانه لموثق بالحدید ومابمکة من ثمرة وکانت تقول انه لرزق رزقه اللّٰہ خبیباً (بخاری ۲/۵۶۸)

اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! میں نے ایک دن دیکھا ان کے ہاتھ میں انگور کا ایک خوشہ تھا جس سے وہ کھا رہے تھے

حالانکہ وہ زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اوران دنوں مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا اور وہ یہ کہتی تھی کہ یہ وہ رزق ہے جو اللہ نے خبیب کو دیا ہے۔

اور جب وہ لوگ حضرت خبیب کو قتل کرنے کیلئے حرم سے باہر لے گئے تو ان سے حضرت خبیب نے کہا، مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو، انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا، حضرت خبیب نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اللہ کی قسم! تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں تو میں نماز میں زیادہ دیر لگاتا، پھر دعا مانگی، اے اللہ! ان سب کو قتل کر دے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑنا، پھر آپ نے یہ دو شعر پڑھے:

فلست ابالي حين اقتل مسلما　　على اى جنب كان في الله مصرعى

وذلك فى ذات الاله وان يشاء　　يبارك فى اوصال شلو ممزع

ترجمہ: جب میں حالت اسلام میں قتل کیا جا رہا ہوں، تو مجھے کیا پرواہ ہو سکتی ہے، کہ میں کس پہلو پر گروں، میرا گرنا اللہ ہی کے لئے ہوگا اور یہ مرنا اللہ کی رضا کے لئے ہے، اور مجھے اپنے اعضاء کے کٹنے کا غم نہیں اگر اللہ چاہے گا تو ان کٹے ہوئے اعضاء کو مبارک کر دے گا۔

پھر ابو سروعہ بن حارث نے کھڑے ہو کر حضرت خبیب کو قتل کر دیا

وكان خبيب هو سن لكل مسلم قتل صبراً الصلوٰة (بخاری ۲/۵۶۹)

اور حضرت خبیب پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے ہر مسلمان کیلئے ظلماً قتل کئے جانے سے پہلے نماز پڑھنے کی سنت (طریقہ) کو جاری کیا۔

جب دیگر کافروں کو پتہ چلا کہ حضرت عاصم کو بھی قتل کر دیا ہے تو جن کافروں کے کسی بڑے آدمی کو حضرت عاصم نے قتل کیا تھا تو انہوں نے لوگوں کو بھیجا کہ وہ ان کی لاش سے کچھ حصہ کاٹ کر لے آئیں۔ (لیکن قدرت خداوندی کا یوں اظہار ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے شہید کی مکھیوں کو بھیج دیا انہوں نے ایک سائبان کی طرح حضرت عاصم کی

لاش کو گھیر لیا اور آپ کے جسم مقدس کی حفاظت کی، اور کافر آپ کے جسم کے کسی بھی حصہ کو کاٹ کر لے جانے میں ناکام رہے۔ (بخاری ۵۶۸،۵۶۹/۲)

فوائد و مسائل

اس حدیث پاک میں صحابہ کرام کی کرامات کا واضح ثبوت ہے

⊙ ...... معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کو غیب کے خزانوں سے بے موسمی رزق عطا فرماتا ہے جس طرح حضرت خبیب زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور پورے مکہ میں پھل کا نام و نشان نہیں لیکن آپ انگور تناول فرما رہے ہیں۔

o...... اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کے جسموں کو کافروں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کیلئے غیبی انتظام فرماتا ہے۔ تاکہ ان کے ناپاک ہاتھ ولی کی بے حرمتی اور توہین سے دور رہیں۔

⊙ ...... یہ بھی واضح ہوا کہ مسلمانوں کو کفار کے کسی وعدہ پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہئے اور خود کو ان کی امان میں دینے سے بہتر ہے کہ ان کے ساتھ جنگ کی جائے...... اور مقام شہادت سے سرفراز ہو جائیں۔

⊙ ...... نیز کفار کے سامنے بھی عمدہ اخلاق کا اظہار کریں تاکہ دشمن بھی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوں۔

⊙ ...... مشکل کے وقت حضور اکرم ﷺ سے رابطہ کرنا اور آپ کی خدمت میں پیغام عرض کرنا شرک و کفر نہیں، بالکل جائز اور درست ہے، جیسا کہ حضرت عاصم نے بارگاہ خداوندی میں اور کچھ عرض کرنے کی بجائے یہ عرض کیا کہ اے اللہ! ہمارے حالات سے حضور اکرم کو آگاہ فرما...... تاکہ وہ جنگی ساز و سامان، افراد و اصحاب اور تیری بارگاہ میں دعا کے ذریعے ہماری امداد فرما سکیں...... یعنی بجائے سیدھے مانگنے

کے معاملہ سارا حضور پر ڈال دیا...... کہ آپ ہی جانیں ہمیں کیا فکر!

⊙ ...... اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کرنا بھی درست ہے، بدعت و گمراہی نہیں۔ گو اسے حضور اکرم ﷺ نے سرانجام نہ بھی دیا ہو، جیسے حضرت خبیب نے قتل سے قبل نماز پڑھی، یہ اچھا طریقہ آپ نے شروع کیا، حضوا کرم ﷺ سے ایسا کوئی حکم یا عمل منقول نہیں ہے اور حضور اکرم ﷺ نے بھی اس کی تردید وانکار نہیں فرمایا بلکہ سکوت اختیار فرما کر اس کی تائید فرمائی اور اسے برقرار رکھ کر دیگر مسلمانوں کو یہ قانون دے دیا کہ ہر نئے کام کو گمراہی کہہ کر اسے رد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اچھے کاموں کو قبول کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا ''سنت نبوی'' ہے۔

⊙ ...... جنگ بدر میں سعید بن العاص کا بیٹا ''عبیدہ'' سر سے پاؤں تک لوہے کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ کفار کی صف میں سے نکلا اور نہایت ہی گھمنڈ اور غرور سے بولا سن لو کہ میں ''ابو ذات الکرش'' ہوں۔ اس کی یہ مغرورانہ للکار سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے مقابلے کے لئے اپنی صف سے نکلے، مگر یہ دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو لوہے میں چھپا ہوا نہ ہو۔ آپ نے تاک کر اس کی آنکھ میں اس زور سے برچھی ماری کہ برچھی اس کی آنکھ کو چھیدتی ہوئی کھوپڑی کی ہڈی میں چبھ گئی اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور فوراً ہی مر گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر پوری طاقت سے برچھی کو کھینچا، تو بڑی مشکل سے برچھی نکلی، لیکن برچھی کا سرا مڑ کر خم ہو گیا تھا۔ یہ برچھی ایک باکرامت یادگار بن کر برسوں تک تبرک بنی رہی۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ برچھی طلب فرمائی اور اس کو اپنے پاس رکھا۔ پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی اور یہ حضرات پورے اعزاز واحترام کے ساتھ اس برچھی کی خاص حفاظت فرماتے رہے۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آ گئی، اور جب بنوامیہ کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے (۷۳ھ) میں انکو شہید کر دیا، تو یہ برچھی بنوامیہ کے قبضہ میں چلی گئی۔ پھر اس کے بعد لاپتہ ہو گئی۔ (بخاری شریف ۲/۵۷۰ کتاب المغازی، باب قصۃ غزوہ بدر)

فائدہ: معلوم ہوا کہ بزرگان دین، علماء صالحین اور مقربان بارگاہ الٰہ کے عصا، قلم، تلوار، تسبیح، لباس، برتن اور ان سے نسبت رکھنے والی دیگر اشیاء کو یادگار کے طور پر بطور تبرک اپنے پاس رکھنا حضور اقدس ﷺ اور خلفاء راشدین کی مقدس سنت ہے۔

⊙ ...... حضرت عبیدہ بن جراح تین سو مجاہدین اسلام کے لشکر پر سپہ سالار بن کر ''سیف البحر'' میں جہاد کے لئے تشریف لے گئے، وہاں فوج کا راشن ختم ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہ چوبیس چوبیس گھنٹے میں ایک ایک کھجور بطور راشن کے مجاہدین کو دینے لگے۔ پھر وہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں۔ اس موقع پر آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ اچانک سمندر کی طوفانی موجوں نے ساحل پر ایک بڑی مچھلی کو پھینک دیا اور اس مچھلی کو یہ تین سو مجاہدین کی فوج اٹھارہ دنوں تک شکم سیر ہو کر کھاتی رہی اور اس کی چربی کو اپنے جسموں پر ملتی رہی، یہاں تک کہ سب لوگ تندرست اور خوب فربہ ہو گئے۔ پھر چلتے وقت اس مچھلی کا ایک حصہ کاٹ کر اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ واپس لوٹے اور حضور ﷺ کی خدمت میں بھی اس مچھلی کا ایک ٹکڑا پیش کیا جس کو آپ نے تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق بنا کر بھیج دیا۔ یہ مچھلی کتنی بڑی تھی، لوگوں کو اس کا اندازہ بتانے کے لئے امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اس مچھلی کی دو پسلیوں کو زمین میں گاڑ دیں، چنانچہ دونوں پسلیاں زمین میں گاڑ دی گئیں، تو اتنی بڑی محراب بن گئی کہ اس کے نیچے سے پالان بندھا ہوا اونٹ گزر گیا۔ (بخاری شریف ۲/۶۲۶ کتاب المغازی باب غزوہ سیف البحر)

فائدہ: معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اللہ والوں کے رزق کا غیبی انتظام بھی ہو جاتا ہے۔ اسکی دلیل حضرت مریم اور حضرت خبیب کا واقعہ بھی ہے۔

⊙ ...... امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب شدید قحط پڑ گیا اور خشک سالی کی مصیبت سے دنیائے عرب بدحالی میں مبتلا ہوگئی، تو امیر المومنین حضرت فاروق اعظم نماز استسقاء کے لئے مدینہ منورہ سے باہر میدان میں تشریف لے گئے اور اس موقعہ پر ہزاروں صحابہ کرام کا اجتماع ہوا۔ اس بھرے مجمع میں دعا کے وقت حضرت امیر المومنین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر اس طرح دعا مانگی۔

''یا اللہ! پہلے جب ہم لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تھے، تو تیرے نبی کو وسیلہ بنا کر بارش کی دعائیں مانگتے تھے اور تو ہم کو بارش عطا فرماتا تھا، مگر آج ہم تیرے نبی (ﷺ) کے چچا کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتے ہیں، تو ہمیں بارش عطا فرمادے''۔

بس دعا مانگنے کی دیر تھی کہ اسی وقت اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ گھٹنوں گھٹنوں تک پانی میں چلتے ہوئے اپنے گھروں میں واپس لوٹے اور لوگ جوش مسرت اور جذبہ عقیدت سے آپ کی چادر مبارک کو چومنے لگے اور کچھ لوگ آپ کے جسم مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو دربار نبوت کے شاعر تھے اس واقعہ کو اپنے اشعار میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا

سئل الامام وقد تتابع جدبنا
فسقی الغمام بغرۃ العباس
احیی الالہ بہ البلاد فاصبحت
مخضرۃ الاجناب بعد الیاس

(یعنی امیر المومنین نے اس حالت میں دعا مانگی کہ لگاتار کئی سال سے قحط پڑا

ہوا تھا، تو بدلی نے حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی روشن پیشانی کے طفیل سب کو سیراب کر دیا۔ معبود برحق نے اس بارش سے تمام شہروں کو زندگی عطا فرمائی اور ناامیدی کے بعد تمام شہروں کے اطراف ہرے بھرے ہو گئے۔

(ماخوذ از بخاری ۱/۱۳۷، ۱/۵۴۶۔ فتح الباری ۲/۳۹۹، وحجۃ اللہ علی العالمین ۲/۸۶۵ ودلائل النبوۃ ۳/۶۰۲)

فائدہ : معلوم ہوا کہ اولیاء کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا درست ہے، شرک و بدعت نہیں۔

⊙ ...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کی موت سے عرش الٰہی ہل گیا اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ (زرقانی ۲/۱۴۳ و حجۃ اللہ ۲/۸۶۸)

⊙ ...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر کی مٹی ہاتھ میں لی تو اس میں سے مشک کی خوشبو آنے لگی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ان کی قبر کھودی گئی تو اس میں سے خوشبو آنے لگی۔ جب حضور اقدس ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے سبحان اللہ! سبحان اللہ فرمایا اور مسرت کے آثار آپ کے رخسار انور پر نمودار ہو گئے۔ (زرقانی ۲/۱۴۳ و حجۃ اللہ ۲/۸۶۸)

فائدہ : اللہ والوں کی قبریں انوار الٰہی کا گنجینہ اور رحمت خداوندی کا خزینہ ہوتی ہیں۔

⊙ ...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب میرے والد حضرت عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی مقدس لاش کو اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے، تو ان کا یہ حال تھا کہ کافروں نے ان کے کان اور ناک کو کاٹ کر ان کی صورت بگاڑ دی تھی۔ میں نے چاہا کہ ان کا چہرہ کھول کر دیکھوں، تو میری برادری اور قبیلہ والوں نے مجھے اس کام سے منع کر دیا کہ کہیں اپنے باپ کا یہ حال دیکھ کر رنج سے نڈھال ہو جائے گا۔ اتنے میں میری پھوپھی روتی ہوئی ان کی لاش کے پاس آئیں، تو سید عالم حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم ان پر کیوں روتی ہو، یا آپ نے فرمایا اس پر نہ روؤ، کیونکہ فرشتوں

کی فوج برابر ان کی لاش پر اپنے بازوؤں سے سایہ کر رہی ہے۔ (بخاری ۱/۱۶۶،۱/۳۹۵)

⊙ ...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ احد کے دن میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک دوسرے شہید (حضرت عمرو بن جموع جوان کے دوست تھے) کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دیا تھا۔ لیکن مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ میرے باپ ایک دوسرے شہید کی قبر میں دفن ہیں، اس لئے میں نے اس خیال سے کہ ان کو ایک الگ قبر میں دفن کروں۔ چھ ماہ کے بعد میں نے ان کی قبر کو کھود کر لاش مبارک کو نکالا تو وہ بالکل اسی حالت میں تھے جس حالت میں ان کو میں نے دفن کیا تھا، بجز اس کے کہ ان کے کان پر کچھ تغیر ہوا تھا۔ (بخاری ۱/۱۸۰ اور حاشیہ بخاری)

⊙ ...... حضرت ابو بحریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو "حمص" کی مسجد میں دیکھا، وہ گھنے اور گھونگھریالے بال والے بہت خوبصورت تھے۔ جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو ان کے ساتھ ساتھ ان کے منہ سے ایک نور نکلتا۔ جس کی روشنی اور چمک صاف نظر آتی۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۰)

⊙ ...... ایک مرتبہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں سورۂ بقرہ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ الکھف کی تلاوت کر رہے تھے۔ اسی کمرے میں آپ کا گھوڑا بھی بندھا ہوا تھا اور گھوڑے کے قریب ہی ان کا بچہ یحییٰ بھی سو رہا تھا۔ یہ انتہائی خوش الحانی کے ساتھ قرات کر رہے تھے۔ اچانک ان کا گھوڑا بدکنے لگا۔ یہاں تک کہ ان کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ گھوڑا ان کے بچے کو کچل دے گا۔ انہوں نے تلاوت روک دی۔ تو گھوڑا بھی رک گیا...... پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدلنے لگا...... انہوں نے پھر تلاوت موقوف کی تو گھوڑا بھی رک گیا۔ اچانک جب انہوں نے صحن میں آ کر اوپر دیکھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کے ٹکڑے کے مانند کوئی چیز ہے جس میں بہت سے چراغ روشن ہیں اور کوئی چیز ان کے مکان کے اوپر اتر رہی ہے۔ آپ نے اس منظر سے گھبرا

کر قرات موقوف کردی اور صبح کو جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فرشتوں کی مقدس جماعت تھی جو تیری قرات کی وجہ سے آسمان سے تیرے مکان پر طرف اتر پڑی تھی۔ اگر تو صبح تک تلاوت کرتا رہتا تو یہ فرشتے زمین سے اس قدر قریب ہو جاتے کہ تمام انسانون کوان کا دیدار ہو جاتا۔

(بخاری ۱/۵۱۰، مسلم ۱/۲۶۸، ۲۶۹، مسند احمد ۴/۲۹۳، مشکوۃ ص ۱۸۴)

⊙ ...... حضرت ابو ایوب انصاری میزبان رسول کی یہ مشہور کرامت ہے کہ ان کی قبر شفا خانہ بن گئی ہے اور بہت ہی دور دور سے قسم قسم کے مایوس العلاج مریض آپ کی قبر شریف پر شفا کے لئے حاضری دیتے ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے شفا یاب ہو جاتے ہیں۔ (اکمال فی اسماء الرجال ص ۵۸۶ و حاشیہ کنز العمال ۶/ ۲۲۵ مطبوعہ حیدر آباد)

⊙ ...... جنگ احد کیلئے جب حضور اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا تو حضرت حنظلہ بھی اس میں شامل ہوئے ...... کئی کفار کو فی النار کرنے کے بعد مقام شہادت سے سرفراز ہوئے ...... جنگ ختم ہوئی تو لاشوں کو جمع کیا گیا لیکن آپ کی لاش نہ ملی ...... رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف بلند کی تو فرمایا اسے فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ جب ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا گیا، تو انہوں نے یہ بتایا کہ وہ جنگ احد کی رات میں اپنی بیوی کے ساتھ سوئے ہوئے تھے اور غسل کی حاجت ہو گئی تھی، مگر وہ رات کے آخری حصہ میں دعوت جنگ کی پکار سن کر اس خیال سے بلا غسل میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے کہ شاید غسل کرنے میں دیر لگ جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے شہادت کے بعد ان کو غسل دیا۔ اسی واقعہ کی بناء پر حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسیل الملائکہ (فرشتوں کے نہلائے ہوئے) کہا جاتا ہے۔ (مواہب لدنیہ ۱/۹۴، مدارج النبوۃ)

⊙ ...... جنگ بیر معونہ میں ستر صحابہ کرام میں سے صرف عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ

عنہ زندہ بچے، باقی سب جام شہادت نوش فرما گئے۔ ان ہی شہداء کرام میں سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ کفار کے سردار عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ جب شہید ہو گئے تو ان کی لاش زمین سے بلند ہو کر آسمان تک پہنچی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر اتر آئی اور اس کے بعد ان کی لاش تلاش کرنے پر بھی نہیں ملی، کیونکہ فرشتوں نے انہیں دفن کر دیا یا اوپر اٹھا لیا تھا۔ (بخاری ۲/۵۸۷ مع حاشیہ)

⊙ ...... حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میرے باپ کے ذمہ تمہارا کچھ قرض باقی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس قرض کو معاف کرانا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ میرے پاس نقد رقم نہیں بلکہ میرے پاس زمینیں ہیں۔ آپ میری فلاں زمین اپنے اس قرض کے بدلے میں لے لیجئے، مگر اس زمین میں کنواں نہیں ہے اور آبپاشی کے لئے دوسرا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا، بہر حال آپ نے وہ زمین لے لی۔ پھر آپ اس زمین میں تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے غلام کو مصلی بچھانے کا حکم دیا اور اس جگہ دو رکعت نماز پڑھی اور بڑی دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ پھر مصلیٰ اٹھا کر آپ نے غلام سے فرمایا کہ اس جگہ سے زمین کھود دو۔ غلام نے زمین کھودی تو ناگہاں وہاں سے پانی کا ایک ایسا ذخار چشمہ ابلنے لگا۔ جس سے نہ صرف اس زمین بلکہ آس پاس کی تمام زمینوں کی آبپاشی و سیرابی کا انتظام ہو گیا۔ (اسد الغابہ ۳/۱۳۵)

⊙ ...... حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جہاد میں گئے تھے۔ اتفاق سے حضور اکرم کا ساتھ چھوٹ گیا اور یہ چند آدمی سخت اندھیری رات میں ادھر ادھر بکھر گئے نہ کسی کو راستہ ملتا تھا نہ ایک دوسرے کی خبر تھی۔ اس پریشانی و حیرانی کے عالم میں ایک دم اچانک ان کی پانچوں انگلیاں اس قدر روشن ہو گئیں کہ ان

کی روشنی میں سب کو راستہ نظر آ گیا اور سب بکھرے ہوئے لوگ اکٹھے ہو گئے اور ہلاکت و بربادی سے بچ گئے۔ (دلائل النبوۃ ۳/۲۰۶)

⊙ ...... سلیم بن عامر حبائری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ملک شام میں بالکل ہی بارش نہ ہوئی اور شدید قحط کا دور دورہ ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نماز استسقاء کے لئے میدان میں نکلے اور منبر پر بیٹھ کر آپ نے حضرت ابن الاسود جرشی کو بلایا اور ان کو منبر کے نیچے اپنے قدموں کے پاس بٹھا کر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور اس طرح دعا مانگی کہ یا اللہ! ہم تیرے حضور حضرت ابن الاسود جرشی کو سفارشی بنا کر لائے ہیں جن کو ہم اپنے سے نیک اور افضل سمجھتے ہیں۔

پھر حضرت ابن الاسود جرشی اور تمام حاضرین بھی اپنے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر بارش کی دعا مانگنے لگے ناگہاں پچھم سے ایک زوردار بادل اٹھا۔ پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی، یہاں تک کہ ملک شام کی زمین سیراب ہو کر کھیتی سے سرسبز و شاداب ہو گئی۔ (طبقات ابن سعد ۷/۴۴۴)

⊙ ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک قافلہ کے ساتھ مکہ مکرمہ جا رہے تھے اور میں اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ دونوں اس قافلے کے پیچھے چل رہے تھے۔ ناگہاں ایک بدلی اٹھی تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا اللہ! ہم کو اس بدلی کی اذیت سے بچا لے اور اس بدلی کا رخ پھیر دے، چنانچہ بادل کا رخ پھر گیا اور ہم پر بارش کی ایک بوند بھی نہیں گری، لیکن جب ہم دونوں قافلے میں پہنچے، تو ہم نے یہ دیکھا کہ لوگوں کی سواریاں اور سب سامان بھیگے ہوئے ہیں۔ ہم کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ بارش جو ہم پر ہوئی ہے، تم لوگوں پر نہیں برسی؟ میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! حضرت ابی بن کعب نے بدلی دیکھ کر خدا سے دعا مانگی کہ ہم اس بارش کی ایذا رسانی سے بچ جائیں،

اس لئے ہم پر بالکل بارش نہیں ہوئی اور بدلی کا رخ پھر گیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم دونوں نے ہمارے لئے کیوں نہیں دعا مانگی؟ کاش تم ہمارے لئے بھی دعا مانگتے تاکہ ہم لوگ بھی اس بارش کی تکلیف سے محفوظ رہتے۔ (کنز العمال ۱۵/۲۳۲)

⊙ ...... ایک دن حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخار کے مریض کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! میں تجھ سے ایسے بخار کی دعا مانگتا ہوں جو مجھے جہاد اور بیت اللہ شریف کے سفر اور مسجد کی حاضری سے نہ روکے، آپ کی دعا مقبول ہوئی۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادہ کا بیان ہے کہ میرے باپ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ہر وقت بخار رہتا تھا اور بدن جلتا رہتا تھا، مگر اس حالت میں بھی وہ حج و جہاد کے لئے سفر کرتے اور مسجدوں میں بھی حاضری دیتے تھے اور اس قدر جوش و خروش کے ساتھ ان امور کو سرانجام دیتے کہ کوئی محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ بخار کے مریض ہیں۔

(کنز العمال ۱۵/۲۳۴ مطبوعہ حیدر آباد)

⊙ ...... ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنی ہانڈی کے نیچے آگ سلگا رہے تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگہاں ہانڈی میں تسبیح پڑھنے کی آواز بلند ہوئی۔ پھر خود بخود وہ ہانڈی چولہے پر سے گر کر اوندھی ہوگئی پھر خود بخود ہی چولہے پر چلی گئی۔ لیکن اس ہانڈی سے پکوان کا کوئی حصہ بھی زمین پر نہیں گرا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے سلمان! یہ تعجب خیز اور حیرت انگیز معاملہ دیکھو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالدرداء اگر تم چپ رہتے تو اللہ کی نشانیوں میں سے بہت سی دوسری بڑی بڑی نشانیاں بھی تم دیکھ لیتے۔ پھر یہ دونوں ایک ہی پیالہ میں کھانا کھانے لگے، تو پیالہ بھی تسبیح پڑھنے لگا اور اس پیالہ میں جو کھانا تھا، اس کھانے

کے دانے سے بھی تسبیح پڑھنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ (حلیۃ الاولیاء ۱/۲۲۴)

⊙ ...... حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جہاد کے لئے نکلے، تو ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ جب یہ اور ان کے ساتھی پیاس کی شدت سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور بالکل ہی نڈھال اور بے تاب ہو گئے، تو آپ نے اپنے ایک ساتھی کی اونٹنی کو بٹھایا اور بسم اللہ شریف پڑھ کر اس کے تھن کو ہاتھ لگایا، تو ایک دم اس کا سوکھا ہوا تھن اس قدر دودھ سے بھر گیا کہ پھول کر مشک کے برابر ہو گیا۔ اس اونٹنی کا دودھ دوہ کر سب ساتھیوں نے شکم سیر ہو کر پی لیا اور سب کی جان بچ گئی۔ (مجمع الزوائد ۶/۲۱۳)

⊙ ...... حضرت مقداد بن الاسود الکندی رضی اللہ عنہ یہ اس قدر تنگ دستی میں مبتلا تھے کہ درختوں کے پتے کھایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک ویران جگہ میں رفع حاجت کے لئے بیٹھے، تو اچانک ایک چوہا اپنی بل میں سے ایک اشرفی منہ میں لے کر نکلا اور ان کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ پھر وہ اسی طرح برابر ایک ایک اشرفی لاتا رہا۔ یہاں تک کہ سترہ اشرفیاں لایا۔ یہ سب اشرفیوں کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پورا ماجرا عرض کیا، تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس مال میں کچھ صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ ضباعہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان میں سے آخری اشرفی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ میں نے چاندی کے ڈھیر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے گھر میں دیکھ لئے۔ (ابونعیم فی الدلائل ۲/۳۹۶)

⊙ ...... حضرت عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دینار دے کر حکم فرمایا کہ وہ ایک بکری خرید لائیں۔ انہوں نے بازار جا کر ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں۔ پھر راستہ میں کسی آدمی کے ساتھ ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر کے دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اور ایک بکری اور ایک دینار خدمت اقدس

میں پیش کردی اور بکری کی خریداری کا پورا واقعہ بھی سنا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے خوش ہو کران کی خرید وفروخت میں برکت کی دعا عطا فرمادی اور دعاء نبوی کی برکت کا یہ اثر ہوا۔

فكان لو اشترى ترابا لربح فيه

یعنی اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہی نفع ہوتا یہ حضور اکرم ﷺ کی دعا مبارک کا اثر اور ان کی کرامت تھی۔ (مشکوٰۃ ۱/۲۵۴ باب الشرکۃ والوکالۃ)

⊙ ...... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت زید بن خارجہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ظہر وعصر کے درمیان چلے جا رہے تھے کہ ناگہاں گر پڑے اور اچانک ان کی وفات ہوگئی۔ لوگ انہیں اٹھا کر مدینہ منورہ لائے اور ان کو لٹا کر کمبل اوڑھا دیا۔

جب مغرب وعشاء کے درمیان کچھ عورتوں نے رونا شروع کیا، تو کمبل کے اندر سے آواز آئی "اے رونے والیو! خاموش رہو"

یہ آواز سن کر لوگوں نے انکے چہرے سے کمبل ہٹایا، تو وہ بے حد دردمندی سے نہایت ہی بلند آواز سے کہنے لگے "حضرت محمد رسول ﷺ نبی امی خاتم النبیین ہیں، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے"

اتنا کہہ کر کچھ دیر تک بالکل ہی خاموش رہے، پھر بلند آواز سے یہ فرمایا:

"سچ کہا، سچ کہا ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جو نبی اکرم ﷺ کے خلیفہ ہیں، قوی ہیں، امین ہیں۔ گو بدن میں کمزور تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کام میں قوی تھے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں ہے"

اتنا فرمانے کے بعد پھر ان کی زبان بند ہوگئی اور تھوڑی دیر تک بالکل خاموش رہے، پھر ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے اور زور زور سے بولنے لگے۔

"سچ کہا، سچ کہا درمیان کے خلیفہ اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المومنین حضرت

عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ نہ اس کی کوئی پرواہ کرتے تھے اور وہ لوگوں کو اس بات سے روکتے تھے کہ کوئی قوی کسی کمزور کو کھا جائے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔"

اس کے بعد پھر وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے، پھر ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے اور زور زور سے بولنے لگے۔

"سچ کہا سچ کہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو امیر المومنین اور مومنوں پر رحم فرمانے والے ہیں۔ دو باتیں گزر گئیں اور چار باقی ہیں، جو یہ ہیں'۔

۱...... لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا اور ان کے لئے کوئی نظام نہ رہ جائے گا۔

۲...... سب عورتیں رونے لگیں گی اور ان کی پردہ دری ہو جائے گی۔

۳...... قیامت قریب ہو جائے گی۔

۴...... بعض آدمی بعض کو کھا جائے گا۔

اس کے بعد ان کی زبان بالکل بند ہو گئی

(طبرانی والبدایہ والنہایہ ۶/۱۷۳ بیروت لبنان واسد الغابہ ۲/۲۲۷)

ایک روایت میں ہے کہ یہ کلام کرنے کے بعد انہوں نے آخر میں کہا اسلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور انتقال کر گئے۔

(شفا شریف ۱/۲۱۱ فصل احیاء الموتیٰ و کلامهم)

⊙ ...... حافظ ابن کثیر نے مختلف روایات ذکر کر کے سلام علیک یارسول اللہ ﷺ کہنے والی روایت کی تصحیح کی ہے۔ (البدایہ ۶/۱۷۴)

⊙ ...... اس واقعہ کی امام بخاری نے بھی تصدیق کی ہے۔

(التاریخ الکبیر ۳/۳۸۳، ترجمہ نمبر ۱۲۸۱)

⊙ ...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سائب رضی اللہ عنہا کا بیٹا نوعمری میں اچانک انتقال کر گیا۔ ہم لوگوں نے اس لڑکے کی آنکھوں کو بند کر کے اس کو ایک کپڑا اڑھا دیا اور اس کی ماں کے پاس پہنچ کر لڑکے کی موت کی خبر سنائی اور تعزیت و تسلی کے کلمات کہنے لگے۔ حضرت ام سائب رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کی موت کی خبر سن کر چونک گئیں اور آبدیدہ ہوگئیں، پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اس طرح دعا مانگی۔

"یا اللہ میں تجھ پر ایمان لائی اور میں نے اپنا وطن چھوڑ کر تیرے رسول کی طرف ہجرت کی ہے، اس لئے اے میرے خدا! میں تجھ سے دعا کرتی ہوں کہ تو میرے لڑکے کی مصیبت مجھ پر مت ڈال"

یہ دعا ختم ہوتے ہی حضرت ام سائب رضی اللہ عنہا کا مردہ لڑکا اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹا کر اٹھ بیٹھا اور زندہ ہوگیا۔ (ابن ابی الدنیا و بیہقی والبدایہ والنہایہ ۶/۱۷۱)

⊙ ...... حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں۔ اسلام کی حقانیت ان کے دل میں گھر گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، جونہی حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپے سے باہر ہوگئے اور انہوں نے خود بھی ان کو خوب مارا اور ان کے گھر کے افراد بھی برابر مارتے رہے، یہاں تک کہ مکہ کے کفار نے سر بازار ان کو اس قدر مارا کہ ضربات کے صدمات سے ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی اور یہ نابینا ہوگئیں۔ اس کے بعد کفار مکہ نے طعنہ دینا شروع کیا کہ اے زنیرہ! چونکہ تم ہمارے معبودوں یعنی لات و عزیٰ کو برا بھلا کہتی تھیں، اس لئے ہمارے ان بتوں نے تمہاری آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔ یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سن کر حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کی رگوں میں اسلامی خون جوش مارنے لگا اور انہوں نے کہا۔

''ہرگز ہرگز نہیں! خدا کی قسم تمہارے لات وعزیٰ میں ہرگز ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ میری آنکھوں کی روشنی چھین سکیں، میرا اللہ جو وحدہ لاشریک ہے، وہ جب چاہے گا، میری آنکھوں میں روشنی آجائے گی''

ان الفاظ کا ان کی زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ بالکل ایک دم ہی اچانک ان کی آنکھوں میں روشنی واپس آگئی۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ۲/۸۶۷ بحوالہ بیہقی وزرقانی علی المواہب ۱/۲۷۰)

⊙ ...... عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ (جو کہ عشرہ مبشرہ سے ہیں) سے اروی بنت اوس نے جھگڑا کیا اور اسے مروان بن حکم کے پاس لے گئی، کہ انہوں نے میری زمین کے کچھ حصہ پر قبضہ کرلیا ہے، حضرت سعید نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ میں نے خود رسول اللہ سے سنا ہے، مروان نے پوچھا آپ نے حضور اکرم سے کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی کسی کی زمین ایک بالشت بھی ظلماً لے لیتا ہے تو اس کے بدلے میں اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ تو مروان کہنے لگا، میں اس حدیث کے علاوہ آپ سے کچھ اور طلب نہیں کروں گا، تو حضرت سعید نے کہا:

اللھم ان کانت کاذبۃ فاعم بصرھا واقتلھا فی ارضھا ، قال فماماتت حتی ذھب بصرھا وبینما ھی تمشی فی ارضھا اذوقعت فی حضرۃ فماتت (بخاری، مسلم، مشکوۃ ص ۵۴۶)

اے اللہ!...... اگر یہ (عورت) جھوٹی ہے تو اسے اندھی کردے اور اسے اس کی زمین میں ہی ہلاک کر!...... راوی کہتے ہیں پس وہ اپنی موت سے پہلے اندھی ہوگئی، اور ایک دن اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ اچانک ایک گڑھے میں گری اور مرگئی۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ اندھی ہوگئی اور دیواروں پر ہاتھ مارتی اور کہتی کہ مجھے حضرت سعید کی دعا لگی ہے اور وہ اس کنوے کے پاس سے گزری جو اس کے گھر

میں تھا جس کے متعلق اس نے جھگڑا کیا تھا، پس وہ اس میں گر گئی، اور اس کی قبر بھی وہاں بنی۔ (مسلم)

فائدہ: اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کی دعائیں قبول ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا تو اسی طرح ہی ہوا۔

⊙ ...... حضرت ابن منکدر کا بیان ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ روم کے علاقہ میں لشکر سے بچھڑ گئے، یا قید کر لیئے گئے، آپ بھاگ کر لشکر کو تلاش کر رہے تھے کہ اچانک سامنے سے شیر آتا ہوا دکھائی دیا، تو آپ نے فرمایا:

یا ابا الحارث انا مولیٰ رسول اللہ ﷺ

اے ابوالحارث (یہ شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ ﷺ کا خادم ہوا اور میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ شیر یہ الفاظ سنتے ہیں کتے کی طرح اپنی دم ہلاتے ہوئے آپ کے قریب آ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اگر وہ کسی طرف سے کوئی آواز سنتا تو اسے بھگا دیتا۔ پھر آپ کے ایک طرف آ کر چلنے لگتا۔ حتی کہ آپ لشکر سے مل گئے، تو وہ شیر واپس لوٹ آیا۔ (شرح السنہ، مشکوۃ ص ۵۴۵)

فائدہ: اس حدیث میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی عظیم کرامت ہے

⊙ ...... شیر آپ کے تابع اور محافظ ہو گیا۔

⊙ ...... آپ نے مشکل کے وقت رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کی دھائی دی، معلوم ہوا بوقت مشکل آپ کے نام کی دھائی دینا شرک نہیں۔

جو آپ کے نام کی دھائی دے اس پر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور اسے امان مل جاتی ہے۔ گویا:

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

⦿ ...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جنگ احد کے موقعہ پر رات کو میرے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ صحابہ کرام میں سب سے پہلے مجھے شہید ہونے کا شرف ملے گا، میں تیرے لئے کوئی معزز ترین چیز چھوڑ کر نہیں جارہا سوائے ذات رسالت مآب ﷺ کے اور بیشک مجھ پر قرض ہے، پس اسے ادا کر دینا، اور میں تجھے اپنی بہنوں کے ساتھ خیر کی وصیت کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں جب صبح (جنگ) ہوئی تو سب سے پہلے آپ ہی شہید ہوئے اور میں نے انہیں ایک دوسرے صحابی کیساتھ قبر میں دفن کیا۔ (بخاری ۱/۱۸۰، مشکوۃ ص ۵۴۴)

اس میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی واضح کرامت ہے

⦿ ...... کہ انہیں قبل از وقت اپنی شہادت کا علم ہوگیا۔

⦿ ...... اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سب سے پہلے مجھے یہ مقام نصیب ہوگا۔

⦿ ...... اور یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام بے سہارا لوگوں کیلئے حضور اکرم ﷺ کو سہارا سمجھتے تھے، اس لئے حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے رسول اکرم ﷺ کی ذات کو ہی چھوڑا ہے، اور حضرت جابر نے بھی یہی سمجھا تھا، اسلئے وہ قرض کی ادائیگی کیلئے بارگاہ رسالت میں دعا کیلئے عرض گذار ہوئے اور جب انہوں نے اپنی کھجوروں کو اتار کر ڈھیر بنا لیئے تو حضور اکرم ایک ڈھیر پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت جابر نے سارا قرض ادا کر دیا لیکن اس ڈھیر سے ایک کھجور بھی کم ہوتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

(بخاری ۱/۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، بخاری ۲/۵۱۰)

گویا

غمزدوں کو رضا مژدہ دیجئے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عبادہ بن بشر اور حضرت اسید

بن حضیر حضور اکرم کی مجلس سے اندھیری رات میں اپنے گھروں کو جانے لگے تو ان کے ساتھ دو شمعیں روشن ہو گئیں جو ان کے آگے روشنی دینے لگیں اور جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک روشن شمع ہو گئی، یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ (بخاری ص ۶۶، مشکوٰۃ ص ۵۴۴)

اس میں حضور اکرم ﷺ کا معجزہ بھی ہے اور ان صحابہ کرام کی کرامت بھی کہ جب وہ رات کی تاریکی میں اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو غیب سے دو نوری شمعیں آ گئیں، اور وہ بخیر و خوبی اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس چھڑی تھی، حضور اکرم نے اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ روشن ہو گئی، اور ایک چوک میں ان دونوں صحابیوں نے الگ الگ راستے میں جانا تھا تو ایک نے اپنی چھڑی دوسرے کی چھڑی کے ساتھ لگائی تو وہ بھی روشنی دینے لگی تو دونوں صحابی الگ الگ اپنی اپنی چھڑی کی روشنی میں اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ (الخصائص الکبریٰ ۳/۱۰۱)

علاوہ ازیں بھی اس طرح کے واقعات پیش آئے ہیں۔ مثلاً:

⊙ ...... ایک مرتبہ حضرت قتادہ رات کو مجلس نبوی سے گھر کو واپس ہوئے تو ان کے ہاتھ کی لاٹھی روشن ہو گئی۔ (ابن عساکر)

⊙ ...... حضرت ابو عبس حضور اکرم ﷺ کے پیچھے پانچوں نمازیں پڑھتے اور نماز عشاء سے فارغ ہو کر جب وہ گھر کو جانے لگتے تو ان کی لاٹھی روشنی دیتی تھی، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر دار بنی حارثہ تک پہنچ جاتے۔ (بیہقی، عینی ۲/۴۳۱)

❁❁❁❁

مصنف کی دیگر کتب

مطبوعہ

جشن میلاد النبی ﷺ
یہ مسائل ثابت ہیں
اہل جنت اہل سنت
تحقیقی محاسبہ
قربانی
اسلامی تربیتی نصاب
محققانہ فیصلہ
طلاق ثلاثہ کی مخالفت کس دور میں ہوئی؟
روئیداد مناظرۂ گرجاکھ
روئیداد مناظرۂ توسل
صحابہ کرام اور مسلک اہلسنت
کیا ہمارے لئے اللہ کافی نہیں؟ (اشتہار)

زیر طباعت

شرح اربعین مجددیہ
اہل سنت کی پہچان
خطبات ساقی
مقالات ساقی
خارجیت کے مختلف روپ
روئیداد مناظرۂ تعویذ
درود شریف پڑھنے کا شرعی اسلوب
گلدستۂ ایمان
دروس القرآن فی شہر رمضان
غنیۃ الطالبین تحقیق کے آئینہ میں
آثار السنن (ترجمہ و تخریج)
بائیکاٹ کا شرعی حکم